

خطوطِ اسلامی

سنہ

بِعَصْرِ مَوْلَانَا

ہندوئی مہر حومہ کے علمی، ادبی، تاریخی
و کے خطوط کا گراں قدر مجموعہ۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خطوطِ سلیمانی

علامہ دہرنا بالغہ عصر الاناسید سلیمان ندوی مرحوم کے
علمی، ادبی، تاریخی اور نج کے خطوط کا گراں قدر مجموعہ

ادارۂ تصنیف و تحقیق پاکستان
کراچی

جملہ حقوق تالیف و تدوین محفوظ

خطوط سلیمانی

علاء سید سلیمان ندوی مرحوم کے خطوط کا گراں قدر مجموعہ

ناشر

ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان - کراچی ۷۵۸۰۰

طابع

انجمن پرنٹرز و مکتبہ رشیدیہ، پاکستان چوک - کراچی ۷۵۸۰۰

اشاعت:

۱۹۹۳ء

قیمت:

ملنے کا پتہ

①

مکتبہ شاہد

علی گڑھ کالونی - کراچی ۷۵۸۰۰

②

مکتبہ رشیدیہ

مراد اسٹریٹ - پاکستان چوک

کراچی ۱



علامہ سید سلیمان ندوی

۲۲ نومبر ۱۹۸۴ء (دیسندہ - بہار) — ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء (کراچی)

فہرست

۹	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری	پیش لفظ
۱۱	پروفیسر سید شفیقت رضوی	مکتوب نگار علامہ سید سلیمان ندوی
۳۳	۱۴ نومبر ۱۹۱۳ء تا ۱۳ اپریل ۱۹۱۴ء	نواب صدر دار جنگ مولانا حبیب الرحمن ٹٹو
۴۰	۱۳ نومبر ۱۹۱۵ء تا ۲۹ دسمبر ۱۹۱۵ء	مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
۴۱	۱۴ اکتوبر ۱۹۱۶ء تا ۱۶ جولائی ۱۹۲۳ء	نواب سید علی حسن خاں
۴۸		ایک نواب عالم کی موت
۵۰	۲۳ نومبر ۱۹۲۱ء	نامعلوم
۵۱	۲۷ جنوری ۱۹۲۲ء تا ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء	محمد عبداللہ قریشی
۵۳	۲۷ جنوری ۱۹۲۵ء	عبدالقیوم ابن عبدالکیم
۵۵	۱۸ مئی ۱۹۲۵ء	پروفیسر حسن عبدالعزیز
۵۶	۲۲ اگست ۱۹۲۵ء تا ۲۳ جولائی ۱۹۳۹ء	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ
۶۰	۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء تا ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء	مولانا محمد رفای
۶۵		ایک مجاہد کا ماتم
۶۶	۲۷ مئی ۱۹۳۷ء تا ۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء	خواجہ عبدالاجید
۷۹	۱۶ اکتوبر ۱۹۲۶ء	بہایوں مرزا میر شہر
۸۰	۲۲	صغرا بہایوں مرزا
۸۱	۲۵ مارچ ۱۹۳۸ء تا ۶ مئی ۱۹۳۹ء	ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی
۹۰	۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء	حفیظ باندھری

میری اہل حق کی تاریخ

۱۰۶	۱۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۹ء تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء	نصیر الدین ہاشمی
۱۱۳	۲۔ ۱۹۲۹ء تا ۲۲ جنوری ۱۹۳۲ء	مولانا شریف علی تھانوی
۱۱۶		موت العالم موت العالم
۱۲۹	۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء تا ۱۹ مئی ۱۹۳۵ء	علامہ امتیاز علی خاں مرثی
۱۳۳	۱۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء	سائمن نظامی
۱۳۳	۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء	اثر صہبائی
۱۳۵	۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء	مولوی احید الدین نظامی
۱۳۶	۹ نومبر ۱۹۳۶ء	مولانا غلام رسول ہتھ
۱۳۸	۲۵ اپریل ۱۹۳۶ء	سید رئیس احمد جعفری
۱۴۰	۱۹ نومبر ۱۹۳۶ء تا ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء	نواب سید شمس الحسن
۱۴۲	۲ جون ۱۹۳۷ء	سید الطاف علی بریلوی
۱۴۳	۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء	محمد امین زبیری
۱۵۱	۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
۱۵۶	۱۱ مارچ ۱۹۳۹ء تا ۲۵ فروری ۱۹۴۱ء	مولوی نظام الدین حسین نظامی
۱۵۸	۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء	علامہ محمد حسین نموی
۱۵۹	۲۳ اپریل ۱۹۳۹ء تا ۱۶ جون ۱۹۳۹ء	اکبر رام
۱۶۲	۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء	سید ابو عاصم ابو خالد
۱۶۴	۲۴ جنوری ۱۹۴۱ء	مولوی شہینت اللہ قادری
۱۶۵	۱۰ فروری ۱۹۴۲ء تا ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء	سید وحید احمد فقیر ندوی
۱۶۷	۱۴ نومبر ۱۹۴۲ء	اسلم
۱۶۷	۱ مارچ ۱۹۴۳ء	مولانا عبد الرزاق کان پوری

ما تم گسار براکھ کا ماتم

۱۸۲	۱۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء	۱	مولانا سعید اشرف ندوی
۱۸۳	۱۰ ستمبر ۱۹۴۵ء تا اگست ۱۹۵۳ء	۱۸	ڈاکٹر غلام محمد
۱۹۶	۲۷ ستمبر ۱۹۴۵ء تا مارچ ۱۹۵۳ء	۱۷	مولانا محمد علی حسد آبادی
۲۱۸	۲۵ اگست ۱۹۴۶ء	۱۰	عبدالعزیز کمال
	۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء	۱	تکلیف کاغذی
۲۱۹	۱۳ جون ۱۹۴۸ء	۱	مفتی محمد ابراہیم فریدی سستی پوری
۲۲۰	۲۸ جون ۱۹۵۲ء	۱	پروفیسر طبر احمد صدیقی
۲۲۲	۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء	۱	محمد حسین شمیم
۲۲۳	۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء تا ---	۲	مولوی عبدالباری ندوی
۲۲۵		۱	بگیم سید محمد لائق دلیسنوی
۲۲۷		۱	مولوی عبدالرحیم
۲۲۸		۱	شیخ وحید احمد بدایونی

سند کردہ مکتوب الہم

۲۳۱

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

پیش لفظ

حضرت سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کے علم و فضل کی شخصیات کی تعداد ہندوستان کی تاریخ میں انشور و پر گنی جا سکتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے عہد کی علمی شخصیات میں سربراہ تھے بلکہ اگر مسلم ہند کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اسلاف کرم کی عظمت و احترام اور ان کی بزرگی کے کمال و اعزاز کے ساتھ ان کا احترام خود حضرت سید صاحب مرحوم پر ہم نے یاد کرتے تھے، علمی خدمت کے میدان میں ان کے ہم تربیت تھوٹے نہیں گئے۔ انھوں نے اپنی علمی و تحقیقاتی مسواریں صدی کے پاک ہند کو تقدس کے لیے قابل رشک بنا دیا ہے۔

سرتید اور ان کے رفقا کا اُردو خدمات کا میدان بہت وسیع ہے لیکن سید صاحب مرحوم نے اُردو کے علمی نظام کو بڑا انقلاب بخشا ہے، اور اپنی گونا گونی تحقیقات سے اس کے دامن کو اس طرح نور نگار کیا ہے۔ سرتید اور ان کے رفقا کی عظمتوں کے اعتراف کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ باجمیت، سید اور تقدیر کے اعتبار سے ان کا نام سرتید یا ان کے کسی رفیق کا نہیں جب تک دنیا میں اُردو زبان موجود رہے گی سید سلیمان ندوی کا نام اُردو زبان کے حقوق، حسن اور علم و فضل کی علامت کے طور پر زندہ رہے گا۔

حضرت سید صاحب کی عظمت کے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عظیم دیوبند کے عقائد کے ملحق محوش تھے اور ان کے کیر کچر کی اس خوبی کی کوئی مثال موجود نہیں کہ ۱۹۲۲ء سے انھوں نے سلوک و اخلاق کی جو راہ اختیار کی تھی اور جو سونیاں روشن فرمائی، انہماک پیدا ہو گیا تھا، اس نے کتاب و سنت میں تحقیق کے باب کو مدعو کر دیا تھا۔ اس دور میں انھوں نے اپنے متقیین کو قرآن و سنت کے احصاء و تشنگ کے بجائے اپنے پیرو و مرشد کے افادات سے استفادے کی دعوت دی اور اپنے کسی مفلس و عزیز کی تنقید و اجماع کی کوئی پروا نہ کی، اور اپنی حریمیت اور استقلال سے ثابت کر دیا کہ طائفت قلب اور حسن و اتم کی ضمانت اگر ہے تو تصوف کے ذوقِ کامل اور مثال کے انہماک میں ہے نہ کہ تشنگ بالکتاب و سنت میں۔ یہ حضرت کے کیر کچر کی بہت بڑی خوبی ہے جس کا ادھک حضرت خدوم کے خاص متقیین کے سوا کسی کو نہیں۔

ابن خضائیل علی اور خضائیس سیرت کے بانی اور حضرت سید صاحب کی شخصیت اور سیرت کے بعض پہلو ایسے تھے جن کی بنا پر وہ اپنے بہت سے کم تر علمی و دینی کے معاصرین سے بھی بلند درجہ کے شخصیت کے یہ پہلو میری کتاب کا حوالہ تا سید سلیمان ندوی — تنقید و عصر کی نگاہ میں — کا موضوع ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے سید صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں علمی کامیابی کے جائزے اور خود حضرت مرحوم و مغفور کی تصنیفات و تحریرات خصوصاً ان کے خطوط کی تلاش

ہوئی۔ اس کوشش میں طبعی عقول غلطو کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ ان غلطو سے میں اپنی تنقید میں استدلال کروں گا لیکن اس سے پہلے یہ غلطو شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا کہ حضرت تید صاحب کے حقیقت مندوں اور دوسرے شائقین کے سامنے موجود ہوئی۔

حضرت مرحوم کے جو غلطو فراہم ہوئے ہیں، انہیں دو مجموعوں میں مرتب کر دیا ہے ۱
مکاتیب سلیمانی : طائر دوہا مولانا تید سلیمان ندوی طبرہ الرحمہ کے مالک، ادیبانہ،
مستعار اور عارفانہ مکتوبات گرامی کا تار مجموعہ۔

خطوط سلیمانی : طائر تید سلیمان ندوی مرحوم و مفضول کے علمی، ادبی، تاریخی اور فنی کے
خطوط کا گراں قدر مجموعہ۔

اس وقت خطوط سلیمانی کی تدوین و اشاعت کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ امید
ہے کہ یہ مجموعہ اپنے گونا گوں محاصل کی بنا پر شائقین علم میں خصوصاً تید صاحب مرحوم
کے ملحقہ الادب میں مزور پسند کیا جائے گا۔

حضرت تید صاحب کی شخصیت اور کارناموں کے تعارف میں پروفیسر تید شفقت
رضوی کے مضمون کے لیے شکر گزار ہوں۔ (۱۔ سس۔ سس)



مکتوب نگار

علامہ سید سلیمان ندوی

بھارت کے صوبہ بہار میں ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کی کھدائیوں سے برآمد ہونے والے آثار اس بات کی شہادت دیتے ہیں کسی وقت یہاں بدھ مت اور جین مت کے گمانے والے رہتے تھے۔ گیا کے مقام پر خردان پانے والے گوتم بدھ کے نام لیواؤں کی اس سرزمین کو اب دیسنہ کہا جاتا ہے جہاں ایک ایسے پوت نے آنکھیں کھولیں جس نے اسلام کو تووان (دوسیلہ نجات) سمجھا اور دوسروں کے لیے راہنما بنا۔ اس بستی بے بدل ویسے مثال نے سلیمان نام پایا۔ جسے دنیا علامہ سید سلیمان کے نام سے جانتی ہے۔

ابتدائی حالات:

بست پرستوں کی سرزمین دیسنہ کو توحید کے جن فرزندوں کے ذریعہ نئی شناخت ملی ان میں سید سلیمان ندوی کے بزرگ بھی شامل تھے سید صاحب کے مورث اعلیٰ المشہد مقدس ہے شہاب الدین خوری کے ہمراہ برصغیر آئے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ نے عہد اکبری میں بہار میں سکونت اختیار کی۔ ان کے صاحبزادہ میر عثمان نے دیسنہ کو آباد کیا۔ سادات کے اس خاندان نے دیرانوں میں علم کی شمع روشن کی اور تاریخ کے مختلف ادوار میں علوم و فنون میں نامور ہوئے۔ حکیم سید ابوالحسن کا تعلق سادات کے اسی خاندان سے تھا کئی پشتوں سے اس خاندان کا پیشہ لیا بت تھا۔ ان کے دو صاحبزادے ہوئے سید ابوجیب اور سید ابونجیب۔ سید ابونجیب سید سلیمان کے نام نامی سے مشہور ہوئے۔ ان کی ولادت ۲۲ نومبر ۱۸۹۳ء کو ہوئی۔ ان کے دادا میر محمدی نے ان کی تاریخ ولادت پر یہ قطعہ کہا تھا۔

چو جستیم تاریخ او از خرد یکایک مرو شے ز تاریخ و سال
بگفتا کہ بیدار شد مصرعه شد مهر تاباں ز برج کمال

۱۲۰۲ھ

دادا کی اس پیشین گوئی کو وہ برج کمال کے مہر تاباں ہوں گے۔ تاریخ نے پچ کو دکھایا
ان کے بھائی سید ابو حبیب ان کے تقریباً اٹھارہ سال بڑے تھے اس لیے والد کے علاوہ
تربیت میں ان کا بھی اہم کردار رہا۔ ان کے والد بزرگوار زہد و تقویٰ کی وجہ سے خاص و عام میں
حزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور آداب و تہذیب میں قابلِ تقلید سمجھے جاتے تھے۔
وہ اسلام پور میں اور سید ابو حبیب دیسند میں طبابت کرتے تھے۔

تعلیم:

ابتدائی عمر میں سید صاحب بڑے بھائی کے زیر نگرانی رہے۔ انھوں نے فارسی اور
عربی کی باقاعدہ تعلیم دینی شروع کی۔ ابتدائی زمانہ تعلیم میں بھائی عمورتوں کی مجلس میں ان سے شہسول
شہید کی تقویۃ الایمان پڑھوایا کرتے تھے ان کے ذہن پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔
ان کا بیان ہے کہ علم کلام کے مسائل، اشاعرہ اور معتزلہ کے نزاعات، غزالی، نازمی اور ابن دشر
کے دلائل اسی زمانے میں یکے بعد دیگرے ان کی نگاہوں سے گزرے۔ انھوں نے اپنے ایک
مزز مولانا بشارت کرم سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے خاندان میں مذہبی تعلیم کا رواج تھا
لیکن دیسند کے زیادہ تر لوگ انگریزی ذریعہ تعلیم میں اسکوئلوں اور کالجوں میں پڑھا کرتے تھے۔
ان کا وقت اپنے اہم عمر ایسے ہی رگوں میں گزرتا تھا اس لیے ابتداء ہی سے ان پر مشرق و
مغرب کے اثرات یکساں مرتب ہوتے رہے۔

سید صاحب کی عمر ۱۴، ۱۵ سال کی تھی کہ ان کے بھائی نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اس لیے
ان کے والد انہیں اسلام پور لے آئے اور چند ماہ بعد مزید تعلیم کے لیے خانقاہ مجیدیہ چلواری شریف
نہج دیا۔ یہاں وہ مولانا شاہ علی الدین کے زیر سایہ رہے ان سے ہدایہ پڑھی اور مولانا مہملہ عن
کا کوئی سے شرح تہذیب کا درس لیا خانقاہ میں باقاعدہ مجالس سماع منعقد ہوا کرتی تھیں ان میں
بیکت کی وجہ سے سید صاحب میں جذب کی کیفیت بھی پیدا ہوئی اور شعری ذوق بھی پروان

چڑھا۔ وہیں انھوں نے عبدالمعلیم شرر کا ناول "منصور و موہنا" پڑھا جس نے دل پر بے حد اثر کیا اور ناول ختم کرنے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔

ایک سال بعد وہ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا شاہ منور علی کے قائم کردہ مدرسہ امدادیہ درجہ نگارہ صیغے گئے جہاں مولوی مرتضیٰ حسین دیوبندی سے درس لیا۔ درجہ نگارہ میں طلبہ کی ایک انجمن میں تعلیم نسواں کے موضوع پر ایک مضمون پڑھا جو بعد میں اپنیچ (پینت) میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ گویا تحریر اور تصنیف کے جوہر قابل کا پہلا اثر تھا اور اس زمانے میں ان کے گاؤں میں ایک انجمن "الاصلاح" قائم تھی اس کے ایک جلسے میں انھوں نے ایک نظم پڑھ کر اپنے ذوق شعری کا اولین مظاہرہ کیا۔

ندوة العلماء میں داخلہ:

فروری ۱۹۰۱ء میں انھوں نے ندوة العلماء لکھنؤ میں درجہ ابتدائی سال دوم میں داخلہ لیا۔ ان دنوں مولوی فاروق چریا کوئی صدر مدرس تھے جو معقولات اور ادب میں اپنا شانائی نہیں رکھتے تھے مفتی عبداللطیف اور مولانا حفیظ اللہ جیسے اساتذہ بھی اس درس گاہ میں موجود تھے۔ اسی طالب علمی کے زمانے میں انھوں نے تمام ترجمہ نگرداری اور دماغ سوزی کے ساتھ شاہ عبدالعزیز دہلوی کا رسالہ عجائب نافہ، حافظ ذہبی کا تذکرۃ الحفاظ، حافظ ابن حجر کی فتح الباری، الامام مالک کا موطا، ابن قدیم کی الفہرست، حاجی خلیفہ کی کشف الظنون، ابن خلدون کی دیبات، شہرستانی کی الملل والنمل، ابن حزم کی فصل الملل والنمل، ابن رشد کی کشف الادوار، شاہ ولی اللہ کی حجتہ البلاء کا مطالعہ کر کے کم عمری اور طالب علمی میں اپنے آپ کو علماء کی صف میں شامل کر لیا۔ بالآخر ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف نے وہ نقش جمایا کہ اس کے سامنے پہلے تمام نقوش ماند پڑ گئے۔ بالآخر ۱۹۰۶ء میں تکمیل درسیات کے بعد ان کی دستار بندی ہوئی۔

ندوة العلماء کا قیام:

سید صاحب کو ندوہ کی فضا خاص طور پر اس آئی۔ وہاں کے ماحول میں تعلیم کا تقدس پایا جاسکتا تھا اور طالب علم کے ذوق کو ابھارتے اور اس کی تکمیل کے سروسامان بھی موجود تھے۔ استاد و نصاب تک محدود نہ رہتے بلکہ شخصیت اور کردار کی صورت گیری کی ذمہ داری بھی

پوری کرتے تھے۔ تہنگانِ علم کے لیے وہاں ہزار سالانہ آسودگی موجود تھی۔ صاحبانِ علم کی محبت اور ایک عمدہ کتب خانہ جہاں ملک و بیرون ملک کے خصوصاً اسلامی دنیا کے بلند پایہ عربیہ رسائل و صورت میں معائنہ و ترقبہ میسر تھے۔ صاحبانِ علم میں مطلقہ دیگر گرامی شخصیات کے ملازمین بھی تھے جن سے سید صاحب کو نیاز تو ۱۹۰۲ء سے حاصل تھا لیکن حیدر آباد وکن کی ملازمت سے چٹکارا حاصل کرنے کے بعد جب وہ ۱۹۰۵ء میں ندوہ تشریف لائے تو شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ علامہ سید صاحب نے دلائل الامجاز اور ”نقد الشعر“ جیسی کتابیں پڑھیں اس سے ان کا ادبی مذاق نکھر بیٹا گیا اور عربی زبان و ادب پر بھی قدرت حاصل ہوئی گئی۔ ان کا محبوب مشغلہ نسب بینی قحادہ بنیہ کیس استثنا کے ہر قسم کی کتابیں پڑھتے۔

ایک بڑا امتحان :

علامہ شبلی کی شاگردی اور عربی ادب کے مطالعہ کی وجہ سے وہ عربی زبان میں بے تکلف گفتگو کے قابل ہو گئے تھے۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ

”خاکسار کو چونکہ بچپن سے ادب کا شوق تھا اس لیے دارالعلوم میں اس زمانے کے جو عربی اخبارات ”الموید“ ”الطواء“ وغیرہ آتے تھے ان کو پڑھا اور ان کے معنی حل کیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے طالب علموں میں ایک بڑے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں جب مولانا شاہ سلیمان صاحب دارالعلوم میں مقیم تھے، نواب من اللک مرحوم دارالعلوم دیکھنے کو آئے۔ میں نے ان کی شان میں ایک عربی قصیدہ پڑھا۔ جس کو سن کر انھوں نے فرمایا ”میں دارالعلوم کی عربی دانی کا قائل اس وقت تک نہیں ہوں گا جب تک یہ زبان لوں کہ یہاں کے طالب علم عربی اخبار سمجھ سکتے ہیں، چنانچہ الموید یا الطواء کا ایک پرچہ منگوایا گیا اور مجھ سے ایک مضمون کی طرف اشارہ کر کے پڑھنے کو کہا گیا۔ میں نے جب اس کو صحیح پڑھ کر اس کا مطلب بتا دیا تو نواب صاحب بے انتہا خوش ہوئے اور اس کو دارالعلوم کا خاص امتیاز سمجھا۔ اس کامیابی نے مجھے جدید عربی کے سیکھنے اور اسی کے مشکلات کے حل کرنے کی طرف پہلے سے

(حیاتِ شبلی، صفحہ ۴۲۲)

زیادہ متوجہ کر دیا

جلسہ دستار بندی اور فی البدیہہ تقریر:

اسی ذوق و شوق اور انہماک کا نتیجہ تھا کہ جلسہ دستار بندی میں علومِ قدیمہ و جدیدہ کے موازنے پر ایک بسیط مضمون لکھ کر پیش کیا۔ اسی جلسے کے دوران میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے جلسے کو تماشا گاہ اور شائقین کو آئینہ حیرت بنا دیا۔ تقریر کے دوران میں کسی نے کہا کہ اگر یہی خیالات عربی میں پیش کیے جائیں تو دارالعلوم کی تعلیمی کرامت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مولوی سید مبدائی نے سید صاحب سے پوچھا کیا وہ عربی میں اپنے خیالات پیش کر سکتے ہیں؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اور عربی میں تقریر شروع کر دی۔ جلسے میں ایک سماں بندھ گیا علامہ شبلی کو جو جلسہ گاہ کے باہر تھے جب خبر ملی تو فوراً اندر آئے اور سید صاحب سے دریافت کیا کہ کیا انہیں اسی وقت کوئی موضوع دیا جائے تو وہ تقریر کر سکیں گے۔ سید صاحب نے پھر اثبات میں جواب دیا۔ علامہ نے مجمع سے موضوع پیش کرنے کی تجویز کی۔ خواجہ غلام افغنین نے موضوع دیا ”ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہو؟“ سید صاحب نے اسی پر اپنے خیالات کا اظہار عربی میں کیا۔ دورانِ تقریر میں ہر طرف سے داد و تحسین کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ علامہ شبلی نے جو خوش مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر سید صاحب کے سر پر باندھ دیا۔ یہ ایسا اتنمار تھا کہ اس سے بڑھ کر کسی بات کی طالب علم استاد سے توقع بھی نہیں کر سکتا!

مولانا سید سلیمان اور علامہ شبلی:

جب تک مشرقی علوم و ادب کی دنیا قائم ہے علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ سید سلیمان ندوی کا نام ضرور لیا جائے گا بقول سید مصباح الدین عبدالرحمن ”جس طرح علامہ بن تمیمہ کو حنظل ابن قہر مل گئے تھے اسی طرح مولانا شبلی نعمانی کو ایک جہاں شمار شاگرد مل گیا“ (مطالعہ سلیمان، صفحہ ۲۸)۔ تو دارالعلوم ندوہہ پنچنے کے بعد علامہ کے نام سے ان کے کان آشنا ہو چکے تھے لیکن زیارہ۔ ۱۰۔ موقع ستمبر ۱۹۰۴ء میں ملا جبکہ وہ جہد آباد دکن سے اگر دارالعلوم کی پرانی عمارت میں مقیم رہتے۔

”یہ پہلا موقع تھا کہ خاکسار اور مولوی ضیاء الحسن صاحب علوم جودارا معلوم میں
ذکرِ تعلیم تھے مولانا کے سلسلے میں بیٹھے اور مولانا نے اپنی بزرگوار شفقت سے
نوازا، مولوی محمد امین صاحب خف مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوئی بھی اپنے
والد بزرگوار کے ساتھ ان دنوں مدوہ میں ٹھہرے تھے، وہ بھی حاضر تھے اور ان
ہی نے سب سے پہلے مولانا سے مجھے روشناس کرایا“ (حیاتِ شبلی، صفحہ ۴۰۰ م)
اگرچہ استاد اور شاگرد کا تعلق اس بار ڈیڑھ دو ماہ رہا کیونکہ ملازمِ شبلی جلد حیدر آباد لوٹ
گئے۔ لیکن اس مختصر مدت میں استاد کی رمز شناس نظروں نے شاگرد کے چہرے ہوئے جو ہر دیکھ
یہ کہتے چناں چہ انہوں نے اپنے ایک عزیز کو خط میں لکھا تھا کہ
”ہر ذمت نے مجھ کو حیدر آباد گئے پر مجبور کیا۔ مولوی سید سلیمان چند روز
مک میرے ساتھ رہتے تو اچھا ہوتا وہ جو ہر قابل ہیں“ (حیاتِ شبلی، صفحہ ۴۰۱ م)

الندوہ کی ادارت:

فروری ۱۹۰۵ء میں ملازمِ حیدر آباد کی لازمیت ترک کر کے لکھنؤ آگئے تو سید صاحب
کو حضرت علامہ کی مستقل صحبت ہیر آئی اور استفادے کے مواقع حاصل ہوئے ان چند
کے عرصے میں انہوں نے جو اثرات استاد کے قبول کیے وہ زندگی بھر قائم رہے اور جس راہ پر
استاد نے انہیں ڈالا تھا وہ اس پر پورے غلوں اور تندہی کے ساتھ گامزن رہے۔ علامہ کو
ان کی صلاحیتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ دورانِ تعلیم ہی میں وہ الندوہ کے ایڈیٹر بنادیا گئے تھے۔
سید صاحب لکھتے ہیں:

”۱۹۰۴ء میں میری تعلیم کا آخری سال ہے۔ مولانا ابوالکلام کے امر سے چلے جانا
کے بعد مولانا شبلی نے الندوہ کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر رکھ دیا جس
کو ہم نے مارچ ۱۹۰۸ء تک انجام دیا۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۰۸ء سے یہ
پیرا عبداللہ حمادی صاحب کے سپرد ہوا اور جون اور جولائی ۱۹۰۹ء کے دو
نمبرانہ کی ادارت میں نکلے تھے کہ وہ پھر میرے حوالے کر دیا گیا۔ اگست ۱۹۰۹ء
کے فروری ۱۹۱۰ء تک میں نے دوبارہ اس کی ادارت کا فرض انجام دیا۔
(حیاتِ شبلی، ص ۴۰۱ م)

سید صاحب کا مقصد زندگی علمی و ادبی خدمات انجام دینا تھا انہوں نے اپنے مضامین تصانیف و تالیفات کے ذریعے جہاں اس مقصد کے حصول کی کوشش کی وہیں صحافت کو بھی ذریعہ بنایا۔ برصغیر کے تمام وقیع رسائل و جرائد میں ان کی نگارشات شائع ہوتی تھیں۔ ایک اعلیٰ پایے کے مقالہ نگار کی حیثیت سے ان کا رابطہ صحافت سے قائم رہا ساتھ ہی انہوں نے اس دور کے ایسے جرائد کی ادارت کی جس کے مقام بلند اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ ۱۹۰۵ء میں ”الندوہ“ کا اجرا ہوا تھا جس کی ادارت کے فرائض علامہ شبلی اور مولانا حبیب الرحمن خاں شیردانی انجام دیتے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں جبکہ سید صاحب ابھی طالب علم تھے کہ انہیں اس کا سب ایڈیٹر بنادیا گیا۔ رفتہ رفتہ جریدہ کی تمام ترمیم داری ان کی طرف منتقل ہو گئی اگست ۱۹۱۱ء سے مئی ۱۹۱۲ء تک انہوں نے بغیر علامہ کی رہنمائی کے اس کی ادارت کا فرض ادا کیا۔ اواخر ۱۹۱۲ء میں جب ندوہ میں ”مخالف شبلی“ قوتوں نے زور پکڑا وہ علامہ اور سید صاحب نہ صرف ندوۃ العلماء سے بے تعلق ہو گئے بلکہ ”الندوہ“ سے بھی۔

اسی دوران ۱۹۰۷ء کو علامہ شبلی کے پاؤں کا حادثہ ہوا جس کی اطلاع سید صاحب کو تار کے ذریعے ملی۔ انہوں نے چند روز تفصیل کا انتظار کیا جب کوئی خبر نہ ملی تو حالت غم و غصہ میں اعظم گڑھ پہنچے جہاں علامہ مقیم تھے۔ انہیں دنوں ”موازنہ انیس دو بیر“ شائع ہو چکی تھی اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے سید صاحب نے اس حادثہ کے بارے میں کہا ہے

تفہیم مراۃ کے صلے میں استاد دربار حسین نے سعادت بخشی
پر سر سے امی کام تھا لینا باقی اس واسطے پاؤں کو شہادت بخشی
مکاتیب شبلی کی تحریک فراہمی:

استاد سے عقیدت و محبت کا جذبہ تھا کہ انہوں نے ۱۹۰۸ء سے ہی ان کے خطوط جمع کرنے شروع کر دیے تھے چنانچہ اخبار وکیل امرتسر میں اس بارے میں اپیل میں انہوں نے کہا تھا:

”حضرت الاستاد علامہ شبلی کے جو احسانات ہماری زبان پر ہیں، ہم ان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کے مقابلہ میں یہ سخت کفرانِ نعمت ہوگا

اگر ان کے خطوط اور مکاتیب کا مجموعہ نہ شائع کیا گیا اس سے ایک طرف تو اردو علم و ادب کے ایک بیش بہا ذخیرے کے برباد ہو جانے کا خوف ہے اور دوسری جانب آئندہ نسلوں کو ہماری بد مذاقی اور علمی ناقدردانی پر افسوس ہوگا اس بنا پر ہمارا ارادہ ہے کہ حضرت استاد کے تمام متفرق خطوط اور مکاتیب کو جمع کر کے شائع کر دیں۔ (اخبار وکیل، امرتسر، ۴ دسمبر ۱۹۰۹ء)

ان کی عقیدت و ارادت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۱۳ء تک ان کا لکھا ہوا ایک ایک پرزہ اپنے نام کا میں نے ایک گراں بہا خزانے کی طرح محفوظ رکھا جس میں لغاضی، کارڈ، عام رقعے، ہر قسم کے مکتوبات کی تعداد ۲۵۰ قہی (دیا چھ مکاتیب شبلی، اول، صفحہ ۲)

استاد کو بھی شاگرد سے اتنی محبت تھی کہ جب ۱۹۰۸ء میں وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں لازمت کے خواہش مند ہوئے تو علامہ نے سفارشی خط لکھا، می تو ڈ بڑبائی آنکھوں کے ساتھ کیونکہ وہ کسی حال شاگرد کو جدا کرنے پر تیار نہ تھے۔

سرسشتہ سیرت سے وابستگی

مارچ ۱۹۱۰ء میں ندوۃ العلماء کا جلسہ دہلی میں ہوا جہاں علامہ شبلی نے ”میضہ تبصیح الخصال“ تاریخی، کی بنیاد ڈالی اور سید صاحب کو اس کا سکریٹری مقرر کیا۔ اس بات میں بھی انھوں نے بے حد کد و کاوش کی۔ اور علمی و ادبی کاموں سے قطع نظر علامہ شبلی کی زندگی کا اصل محاصل سیرت نبویؐ کے لیے ضروری مواد جمع کرنا تھا۔ اس کام کے لیے انھوں نے شب و روز وقف کر دیے تھے سید صاحب اس کارنامے میں بھی ان کے مدد و معاون رہے۔ سنی ۱۹۱۲ء میں علامہ نے بیٹی میں مستعلا رہنے اور سیرت کی تکمیل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا چنانچہ وہ کچھ دنوں ندوہ میں مقیم کرنے کے بعد سیرت کے اشاف میں شامل کر لیے گئے تھے وہ ستمبر ۱۹۱۲ء تک یمنی میں رہے اور علامہ کے ساتھ کمنٹو فائس آئے۔ حالات ایسے تھے کہ علامہ نے ندوہ سے قطع تعلق کر لیا اور سید صاحب بھی اس سے بدول ہو کر الگ ہو گئے۔

الہلال سے تعلق:

موجودہ صدی کی دوسری دہائی کے ابتدائی سالوں میں کلکتہ کے ہفت روزہ الہلال نے اقی صہانت پر نمودار ہو کر خیالات و افکار اور طرز بیان کا وہ نور پھیلا یا کہ ہر ایک کی نظریں خیر ہوئے لگی۔ مولانا آزاد کی سحر بیانی اور جوش اظہار نے قرائن شناسوں کے دلوں کو گرمایا۔ انہیں جب رفقاء کے کار کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے سید صاحب کو مدعو کیا۔ سید صاحب کو الہلال سے چند ماہ سے زیادہ عرصہ وابستہ نہیں رہے۔ لیکن مولانا آزاد کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ چنانچہ جب وہ اواخر ۱۹۱۳ء میں الہلال سے بے تعلق ہوئے تو مولانا آزاد نے اصرار کیا کہ وہ واپس آکر الہلال کی تمام تر ذمہ داری قبول کر لیں۔ لیکن سید صاحب نے الہلال کے ذریعے قوم کی خدمت پر پو نا کالج کی ملازمت کو ترجیح دی۔ الہلال سے سید صاحب کا تعلق تین چار ماہ سے زیادہ نہ رہا تھا۔

پونا کالج کی ملازمت:

پونا کے دکن کالج میں فارسی کے لکچرار کا عہدہ خالی ہوا علامہ شبلی نے شیخ عبدالقادر کی مدد سے اس پر سید صاحب کا تقرر کروا دیا تھا۔ اگرچہ تنخواہ صرف ایک سو روپیہ ماہوار تھی لیکن انہیں علمی کام کرنے کا بہت وقت مل جاتا تھا۔ پونا کے دوران قیام میں انہوں نے انگریزی پر خاص توجہ دی اور ایک یہودی سے عبرانی بھی سیکھ لی۔

علامہ کا انتقال اور دارالمعتنفین کا قیام:

جب علامہ شبلی کو یقین ہو گیا کہ اب ان کا وقت آخر آ پہنچا ہے تو انہوں نے سیرت کا مسودہ کپڑے میں بندھا کر الہاری میں مقفل کر دیا اور وصیت فرمادی کہ اسے سوائے مولوی حمید الدین اور سید سلیمان کے اور کس کے حوالے نہ کیا جائے سید صاحب پونا میں تھے کہ استاد کو دیکھنے کے ان کے دل میں ایک شدید تڑپ پیدا ہوئی۔ وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر غمگین کے لیے روانہ ہو گئے ۱۵ نومبر ۱۹۱۴ء کی شام کو پہنچے تو دیکھا کہ آفتاب علم و ادب غروب ہونے والا ہے۔ طاقت جسمانی جواب دے چکی تھی۔ وہ اس طور سرانے کھڑے ہو گئے کہ ان کی آنکھوں سے سیلاب اشک رواں تھا۔ حضرت علامہ نے غیث آواز میں فرمایا:

”سیرت میری عمر بھر کی گمانی ہے۔ سب کام چھوڑ کر اسے مکمل کر دو“ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ مارنومبر ۱۹۱۴ء کو اپنی جانِ جانِ آفریں کے سپرد کی سید صاحب نے ”نوٹہ استناد“ لکھ کر اپنے جذباتِ دلی کی ترجمانی کی۔

علامہ کے انتقال کے بعد سید صاحب کا دل پونا کی ملازمت سے اچاٹ ہو گیا انھوں نے منظم ارادہ کر لیا کہ اعظم گڑھ میں رہ کر اس مشن کو آگے بڑھائیں گے جس کی ابتداء علامہ نے کی تھی۔ انتقال سے چند ماہ قبل علامہ نے اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ان کے شاگردوں نے اس کی کاراجرائی کے لیے ایک کمیٹی قائم کی مولانا حیدر الدین اس کے صدر سید سید ناظم اور مولانا مسعود علی ندوی منبر منتخب ہوئے۔ قواعد و ضوابط مرتب کیے گئے۔ ایک سال بڑھ کر قائم ہوئی۔ دارالمصنفین کی مستقل آمدنی ساڑھے پانچ سو روپیہ تھی۔ اسٹاف کے ۵ اراکین کے لیے اسی کو کافی سمجھا گیا۔ اور سید صاحب تصنیف و تالیف میں شغوک ہو گئے انھوں نے جہاں تک ممکن ہوا اپنے آپ کو دارالمصنفین کے لیے وقف رکھا۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں علامہ قبل نے یونیورسٹی کالج لاہور میں ہیڈ پرنسپل مچھر کے عہدہ کی پیشکش جی کی لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔

معارف کا اجراء:

علامہ شبلی نے دارالمصنفین کی شایاں شان ایک علمی رسالہ کے اجراء کا منصوبہ بنایا تھا جسے وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کر سکے لیکن ان کی وفات کے بعد سید صاحب نے دارالمصنفین کا چارج سنبھالا اور تصنیف و تالیف و اشاعت کا کام شروع کیا تو ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جون ۱۹۱۶ء میں پریس جی قائم کیا۔ اس کے قیام کے بعد رسالہ شائع کرنے کے لیے حالات مزید سازگار ہو گئے اس لیے جولائی ۱۹۱۶ء سے ”معارف“ جاری کیا جس نے چند شماروں کے بعد ہی اپنا وہ مقام حاصل کر لیا کہ بڑے سے بڑا ادیب و شاعر اس میں جگہ پانے کا مستحق ہو گیا۔ معارف نے جو خدمت انجام دی اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس رسالے کے غالب نسخے اور پرانے دونوں طبقے تھے۔ پرانے طبقے کو اس نے مذہب اسلام اور اسلامی علوم و فنون کی خدمت کے نسخے و مسائل اور علمی مسائل کی تحقیق و تنقید اور انشاء و تحریر کے نسخے طریقیہ سے آشنا کیا۔ جدید طبقے کو جن کی دنیا بعض جدید تعلیم تک محدود تھی اپنی تاریخ اور اپنے علوم کا

طرح متوجہ کیا اور دونوں طبقوں میں سنجیدہ اہل قلم کی ایک جماعت پیدا کر دی۔ معارف نے سیکڑوں علمی موضوعات اور مسائل پر اور اسلامیات کی مختلف شاخوں پر مضامین کا استاثر آذخیزہ جمع کر دیا ہے جس سے اسلامی انسائیکلو پیڈیا مرتب کی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب نے اپنی تصانیف و تالیفات کا جو ورثہ چھوڑا ہے اس میں معارف کو شامل کرنا ضروری ہے :

مقام سلیمانی کا اعتراف عام :

وقت کے ساتھ ساتھ ان کی قدر و منزلت، عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا گیا ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی ان کی قدر دانی ہوتی رہی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے فروری ۱۹۴۲ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے کر ان کی خدمات میں حاصل کرنی چاہیں جامعہ عثمانیہ بھی ان کے فیوض علمی سے استفادہ کی خواہش مند رہی۔ استنبول یونیورسٹی نے بھی بلایا۔ لیکن دارالمستفین کے گوشہ میں ان کے ایسے جو سامان انساٹ و اسودگی تھا اسے چھوڑ کر کہیں جانے پر ان کی طبیعت مائل نہ ہوئی۔ یہ ادارہ ان کی ذات سے اور ان کی ذات ادارہ سے منسوب ہو کر رہ گئی۔

سیاست :

اگرچہ سیاست سید صاحب کا میدان عمل نہ تھا لیکن حالات کے تقاضوں اور مسلمانوں کے مفاد میں انھوں نے اس سے بے تعلقی کو بھی روا نہیں رکھا وہ ابتدا ہی سے مسلم لیگ کے وابستہ رہے اگرچہ مسلم لیگ کے ریکارڈ سے یہ بات واضح ہے کہ ۱۹۱۶ء تک وہ لیگ کے رکن نہیں بنے تھے لیکن ان کا بیان ہے کہ انھوں نے اگرچہ اجلاس منعقدہ ۱۹۳۵ء میں شرکت کی تھی۔ اگرچہ مسجد کا پیور کی شہادت کا واقعہ (اگست ۱۹۱۳ء) مذہبی نوعیت کا تھا اس سے مسلمانوں کی سیاست میں وابستہ رہی۔ وہ نفرت جو برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں خیز مکی اقتدار کے خلاف مسلحہ ہی تھی۔ دول یورپ کی ترکی اور طرابلس کے خلاف معرکہ آرائیوں نے اسے بھڑکا دیا تھا۔ مسجد کے واقعے نے خلق آگ پر تیل کا کام کیا اس موقع پر سید صاحب خاموش رہے کہ وہ ادارہ الہلال سے وابستہ تھے ان کا احتجاج قلمی نوعیت کا رہا اور انھوں نے مشہد اکبر، بیسا معرکہ آرا مضمون لکھ کر انگریز حکومت کی بنیادوں کو ہلکا دیا۔ ان کا یہ لکھنا بیجا نہ تھا :

”۲ اگست کی صبح انقلاب حکومت برطانیہ کی تاریخ سے۔ بہادر سپاہی جس وقت عزیز و ناتواں و غیر مسلح جمع پر گولی برسارہے تھے۔ اذیت کیا خبر تھی کہ یہ گولیاں ان ناتواں انسانوں کے سینوں کو توڑ توڑ کر برطانوی عدل و انصاف کو زخمی کر رہی ہیں۔ انیس کیا معلوم تھا کہ اس گولی کا نشانہ اُس ستون کو کمزور کر رہا ہے جس پر حکومت برطانیہ کی عمارت قائم ہے؟۔۔۔۔۔“

”مجرور چین کا پورا! تم نے گولیاں کھائیں، نیز زوں سے تمہارے سینوں میں سوراخ کیا گیا ہے! تمہاری آنکھوں میں سنگینیں بونکی گئی ہیں، تمہارے ایک ایک عضو کو زخموں سے چور کیا گیا! تمہیں یاد ہو گا کہ فرات کے کنارے میں اسلام کا ایک قافلہ اسی طرح لٹ تھا جس کے بعد بنو امیہ کی تاریخ کا ورق الٹ گیا؟“

(الہلال، لکھنؤ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء ص ۴۵)

اس واقعہ کے بعد ہی مسلم لیگ کی سیاست میں انگریز مخالف رجحان پیدا ہوا اور اس کے اعتراض و مقاصد میں ”حکومت برطانیہ سے وفاداری کی شق کو نکال کر“ حصول سیلف گورنمنٹ کو شامل کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۱۵ء میں بمبئی میں مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس بیرسٹر ظہیر الحق کی صدارت میں ہوا اس میں بھی انہوں نے شرکت کی اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والی بیداری کے حوالے سے ظہیر الحق کی توفیق میں وہ نظم کہی جس کا آخری شعر ہے

آیت قرآن کر جاد الحق مصدق ہو گئی
بجلس آئیں ہماری ”ظہیر حق“ ہو گئی

۱۹۱۶ء میں کانگریس اور لیگ کے سالانہ اجلاس کھنٹو میں منعقد ہوئے اس وقت میں سر محمد علی جناح کی شمولیت اعلان کے لائحہ عمل سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہمہ گیر لگت اور امتداد کی خوش گرا فضا تیار ہو رہی تھی۔ اس موقع پر جناح صاحب کے وجود کو مسلمان قوم کی حیات نو کا ضامن قرار دیے ہوئے انہوں نے ایک نظم کہی جس کا آخری شعر

ہے

پر رہنمائی قوم کے جینے کے لیے کچھ کچھ ایہ ڈاکٹر اس کا اگر مشر علی حیدر رہا

نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیت العلماء ہند کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلے بانیوں میں مولانا عبدالباقی، علی، مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا عبدالمجید بدایونی، مولانا آزاد سمجائی مولانا شفاء اللہ امرتسری اور مولانا حسرت موہانی کے ساتھ سید صاحب بھی شامل تھے اس زمانے میں خلافت تحریک کا آغاز ہوا دسمبر ۱۹۱۹ء میں اس سلسلے میں کانگریس اور مجلس خلافت کا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس میں طے کیا گیا کہ چند اشخاص پر مشتمل ایک وفد برطانیہ روانہ کیا جائے جو حکومت برطانیہ اور دیگر دول یورپ کو مسلمانوں کے موقف سے آگاہ کرے۔ اس وفد کے اراکین مولانا محمد علی، مشر سید حسین اور مولانا سید سلیمان ندوی منتخب ہوئے حسن محمد حیات اس کے سربراہ بنائے گئے۔

وفد خلافت انگلستان میں شرکت:

۱۹۲۰ء میں یہ وفد انگلستان اور یورپ کے بعض ممالک کے دورے پر گیا۔ اس وفد میں سید صاحب شامل تھے۔ انہیں جو کام تفویض کیا گیا اس کی مراحت انہوں نے ان الفاظ میں کی ہے:

میرے ذمے یہ کام تھا کہ مذہبی اور تاریخی حیثیت سے انگریزی اخباروں میں ہمارے خلاف جو مضامین نکلیں ان کا جواب لکھنا اور اسلامی ملکوں کے مسلمانوں سے مل کر ان کو اس تحریک سے آگاہ کرنا اور ان کی ہمدردی حاصل کرنا۔ ان کے علاوہ دو اور کام میں نے اپنے ذمے رکھے تھے ایک یہ کہ روزانہ انگریزی اخباروں کو پڑھ کر قابل لحاظ مضامین اور خبروں پر سُرُخ روشنائی لگا دینا تاکہ وقت کے دُجیر ارکان بھی ان کو پڑھ لیں دوسرا یہ کہ ہر ہفتہ، ہفتہ بھر کی رفتار کا راور کاموں کی روداد لکھ کر ہندوستان بھیجا خصوصیت کے ساتھ

شہ سید صاحب مرحوم کا یہ وقتی تاثر تھا اور یہ نظم اسی شاعرانہ تاثر کی یادگار ہے۔ جیسا کہ ۱۹۲۰ء کے انتخابات میں علمائے دیوبند نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا لیکن بعد میں ان کی رائے مسلم لیگ کی بدعت اور اس کے مخالفوں کے بارے میں بالکل بدل گئی تھی (۱۰-س۔ جن)۔

شکرت علی صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب کو وفد کے کاموں سے باخبر رکھتا۔
(دربار فرنگ، ص ۱۲)

یہ وفد ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچا جہاں ان کا پر جوش استقبال کیا گیا، ۳۰ جنوری کو بال گنگا دہتر تک کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں سید صاحب نے نہایت پُر اثر تقریر کی۔ وفد ۲۶ فروری کو لندن پہنچا تھا جہاں اس نے وزیر ہند، وزیر اعظم، سیر پارٹی کے رہنماؤں اور اس کی ایڈوائزری کمیٹی کے اراکین، مانیفیکو وغیرہ سے ملاقاتیں کیں جن میں خلافت کی مذہبی اہمیت کو اجاگر کیا۔ تقریبات ۱۵ اسی تک دو دو گزرے۔ بالآخر وفد کسٹم کی بیانی کے ممبر ستمبر میں واپس آیا۔ سید صاحب کی مساعی پر علامہ اقبال نے اخیس بارکباد دیتے ہوئے خط میں لکھا تھا:

”مراجعت مع الخیر مبارک۔ آپ نے بڑا کام کیا ہے جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گزاری کی صورت میں مل رہا ہے اور دربار نبویؐ سے نہ معلوم کس صورت میں عطا ہوگا۔ وزرا سے انگلستان کا جواب دی ہی ہے جو ان حالات میں ہمیشہ دیا گیا ہے۔“

افمن بشسورین مثلنا دوقمھانا عابدون

تاہم مجھے یقین ہے کہ ہند کی وفد کا سفر یورپ بڑے اہم نتائج پیدا کرے گا
(اقبال نامہ، جلد اول، ص ۱۱۲)

اس مسئلہ کے بارے میں سید صاحب کا مضمون ”خلافت اور ہندوستان“ مشہور ہے۔
دسمبر ۱۹۲۰ء تا تاریکی اہمیت کا حامل ہے۔

ناپور کی مجالس میں شرکت:

انھوں نے ۱۹۲۰ء میں ناپور کے سیاسی اجتماعات میں بھی شرکت کی جہاں کانگریس، لیگ اور خلافت نے ”سوداج“ کے حصول کو اپنے بنیادی مقاصد میں شامل کیا اور ۱۹۲۱ء کے احمد آباد کے اجتماعات کانگریس، لیگ وغیرہ میں بھی موجود تھے جہاں مولانا حسرت موہانی نے ”سوداج کا طلب آزادی کا ل“ کی قرارداد پیش کی جو مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے

اجلاسوں میں پاس نہیں ہو سکی تھی اس دوران وہ جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی رہے اس کے اجلاسوں میں بالائے التزام شرکت کی اور ۱۹۲۴ء میں خلافت کمیٹی جمعیت کے اجلاسوں کی صدارت فرمائی۔
وفد خلافت حجاز :

۱۹۲۶ء میں سید صاحب نے اس وفد کی قیادت کی جو حجاز کے نئے حکمران سلطان عبدالعزیز کی طرف سے مدعو کیا گیا تھا۔ وہاں مقابلہ و آشکار کے بارے میں ہونے والے مباحث میں حصہ لیا ان کا رویہ اہتمام و تفہیم کے ذریعے مسائل کو حل کرنے کی حمایت میں تھا اور اصول نے جذباتیت سے گریز کیا تھا۔ اسی دوران مؤثر کا قیام عمل میں آیا جس کی صدارت کے لیے حجاز کے شریف عدنان اور نائب صدور کے لیے سید صاحب کے علاوہ رضا ابن (روسی وفد کے صدر) کا انتخاب ہوا۔ ۲۷ جون ۱۹۲۶ء کو اس کا پہلا اجلاس ہوا۔ مقابلہ و آشکار کے بارے میں تنازع کا کوئی حل برآمد نہ ہو سکا اور وفد جولائی میں واپس آگیا۔

شارد اہل کے خلاف مسلمانوں کا احتجاج :

۱۹۲۸ء میں سیاست کا اہم موضوع شارد اہل تھا سید صاحب نے اس کی مخالفت اس بنا پر کی کہ اگرچہ نابالغی کی شادی اسلام میں پسندیدہ نہیں لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا ہے۔ قانون کے نفاذ سے جس بات کی شریعت اجازت دیتا ہے وہ جرم قرار پاتا ہے۔

۱۹۲۹ء میں برلاس بشارد نے ہندوؤں میں کم سنی کی شادی کی رسم کے خلاف قانون بنانے کے لیے اسمبلی میں ایک بل پیش کیا تھا۔ بد قسمتی سے محمد علی جناح نے نہ صرف اس کی حمایت کی بلکہ اس کے دائرہ اطلاق کو یہ شمول مسلمانان ہندوستان کی تمام اقسام تک وسیع کر دینے کی ترمیم پیش کر دی۔ مسلمانوں کو اس صورت حال کا علم ہوا تو ان میں شدید بے چینی پیدا ہو گئی۔ تمام مکاتب فکر کے علمائے مذہب میں مخالفت قرار دیتے ہوئے اس پر سخت احتجاج کیا۔ لیکن ستمبر ۱۹۲۹ء میں اس بل کو پاس کر دیا اور یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے تمام برطانوی ہند میں یہ شمول بچستان اس کو نافذ کر دیا گیا۔ سید صاحب جی باوجود اپنی خلوت گزینی اور سیاست سے اپنی دامن کشی کے ٹرپ اٹھے اور مسلمانوں کے احتجاج میں شامل ہو گئے تھے (۱- س- ش)۔

شاعری:

سید صاحب کو شاعری سے بھی شغف رہا اس جانب و مطالب علمی کے ابتدائی دور سے متوجہ رہے لیکن اسے نہ تو اپنا مستقل شغل بنایا اور نہ کبھی شاعر ہونے کا دعوے کیا۔ ان کے لیے شاعری جذبات کی شدت کا وقتی وسیلہ اظہار تھا۔ اس میں بھی انہوں نے غزل کی مخصوص روایت کا اپنے آپ کو پابند نہیں رکھا۔ دل کی شگفتگی کے اظہار کے لیے تغزل سے معمور اشعار ملتے منوری ہیں لیکن ان کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ ان کی شاعری کے اصل جوہر مقصد کی اور اصلاحی اشعار میں چمکتے ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان میں مفکرانہ ضبط اور خیالات میں رفعت پیدا ہوتی گئی۔ ان کی سخن سنجی اور سخن فہمی کے علاوہ اقبال جی قائل تھے چنانچہ اپنے خط مرقومہ ۱۲، نومبر ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں:

”آپ کی غزل لا جواب ہے بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا ہے

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں

وہ ایک قطرہ خون جو رگ بگلو میں ہے

مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا اور

جو چند نظمیں انہوں نے لکھی تھیں وہ نہایت مقبول ہوئیں۔ غزل کے ساتھ

وہ سلسلہ بھی جاری رکھیے“ (اقبال نامہ حصہ اول: ص ۷۶)

اکبر الہ آبادی نے اپنے خط مرقومہ ۱۶، اپریل ۱۹۱۷ء میں لکھا تھا:

”کبھی کبھی دو چار شعر کہہ لیا نیچے۔ آپ کو نظم سخن میں سلیقہ حاصل کیا“

آدم خان سلیمان“ (۱۹۶۶ء) کے نام سے اُن کے کلام کا مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔

علمی و ادبی خدمات:

سید صاحب نے ایک بحر پور علمی زندگی گزاری۔ ان کے شب و روز مطالعہ و تحریر

کے لیے وقف رہے اس زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر انہوں نے غور و فکر نہ کیا ہو اور

اپنے حاصل کردہ نتائج سے واقف نہ کرایا ہو۔ ممکن ہے کہ ان کے بعض آرام سے ہم متفق

نہوں لیکن ان کے تبحر علمی اور تصنیف و تالیف اور تحقیق کی توجہ انہماک اور غور میں کا سے

انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مذہب، تاریخ، تحقیق، قدیم اور جدید علوم، فلسفہ، ادب، غرض کہ ہر شعبہ علم پر انھیں دسترس حاصل تھی۔ اس کے لیے مسلسل مطالعہ، مستقل نور و فکر، حد درجہ جگر کاوی اور شب و روز دماغ سوزی لازم ہوتی ہے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان کے جذب و قبول کا یہ عالم تھا کہ ایک بار عبارت نظر سے گزر جاتی تو وہ اس کی معنوی تھابہ تک پہنچ جاتے اور وہ ان کے لوحِ دل و ذہن پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتی۔ جب آمادہ تحریر ہوتے تو انھما و تفہیم کا انداز اختیار کرتے اور ابلاغ کا حق ادا کر دیتے۔ کثرتِ مطالعہ اور کثرتِ نگاہات کے محاملے میں دینے اردو میں دو ایک ہستیاں ہی ان کے مد مقابل قرار دی جاسکتی ہیں ان کا ذوق پڑھنے اور لکھنے کی جانب کس قدر مائل تھا اس کا اندازہ ان کے یادگار مضامین، مقالات تصانیف، تالیفات، خطبات اور تعاریر کے علاوہ خطوط سے کیا جاسکتا ہے ان کے چھ سو سے زائد مضامین و مقالات، مک کے ذیع اور اہم جرائد میں شائع ہوئے تھیں سے زائد تصانیف و تالیفات ہیں جن میں سے بیشتر ایک سے زائد جلدوں پر مشتمل ہیں اور جن کا تعلق مختلف النوع موضوعات سے ہے ان میں اسلام، قرآن، سیرت، فقہ، تاریخ اسلام کے گوشہ گوشہ، لسانیات اور ادبیات سبھی شامل ہیں۔ ان میں خصوصیت سے سیرت النبیؐ کی تکمیل ان کا اہم ترین کارنامہ ہے جس کا خاکہ اور جس کے بارے میں ضروری معلومات کا گراں قدر ذخیرہ علامہ شبلی نے فراہم کر لیا تھا۔ استاد کے شن کو پورا کر سکتے انھوں نے سعادت مندی کا ثبوت دیا اور شاگردی کا حق بھی ادا کیا۔ سیرت النبیؐ کی دوسری جلد جو سید صاحب نے مرتب کی ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی تھی اور بعد کے چار جلدیں بالترتیب ۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھیں۔ سیرت کی ساتویں جلد جو سید صاحب مرتب نہیں کر سکے تھے، کچھ نوٹس تھے جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تعارف کے ساتھ ۱۹۲۶ء میں پاکستان (کراچی) سے بہ طور ساتویں جلد کے شائع کر دیے گئے تھے۔ سیرت النبیؐ کے علاوہ ان کی بلند پایہ اور متفقانہ تصنیفات میں ارنس القرآن، دو جلدیں (۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء)، سیرت محاشہ (۱۹۲۰ء)، دنیا سے اسلام، اور سلسلہ خلافت (۱۹۲۱ء)، خلافت اور ہندوستان (۱۹۲۱ء)، خلافت عثمانیہ اور دنیا سے اسلام (۱۹۲۲ء)، خواتین اسلام کی بہادر کے (۱۹۲۲ء)، خطبات مدراس (۱۹۲۶ء)، عرب و ہند کے تعلقات (۱۹۲۹ء)، عربوں کی جہاز رانی

(۱۹۴۱ء) خیام (۱۹۳۳ء) ہماری زبان کے نام (۱۹۳۷ء) رحمت عالم (۱۹۳۹ء) نقوش سیما (۱۹۳۹ء) حیاتِ ضعیفی (۱۹۳۳ء) سیرافغانستان (۱۹۴۵ء) بریدِ نرنگ (۱۹۵۲ء) شامل ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض ان کے مضمون و تقریر اور مضامین اور خطبات کے مجموعے ہیں جنہیں کتاب بنا دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی مرحوم کے خطوط اور خطبات و مقالات کے مجموعوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو حضرت سید صاحب کی حسنِ تالیف و تدوین کے نمونے ہیں۔

سید صاحب اردو زبان کے بلند پایہ انشا پرداز تھے۔ ان کی انشا پردازی کے شاہکاران کے وہ مضامین ہیں جو انہوں نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۹ء تک مختلف اکابر و مشاہیر کی وفات پر لکھے تھے اور چند ایک کے سامعرات میں شائع ہوئے تھے۔ یہ تمام مضامین "یاورِ شنگار" کے عنوان سے سید صاحب کے انتقال کے بعد (۱۹۵۵ء میں) کراچی سے شائع ہوئے ہیں انشا پردازی کے بہترین نمونوں کے لیے ان کے خطوط کو بھی نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ سید صاحب نے اپنی زندگی میں ہزاروں خطوط اپنے عزیزوں، دوستوں اور وقت کے اکابر و مشاہیر کو لکھے تھے۔ ان میں کتابت سید سلمان ندوی، بنام مولانا مسعود عالم ندوی (۱۹۵۴ء میں) اور مکتوباتِ سلیمانی، بنام مولانا عبدالماجد دریابادی دو جلدوں میں ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

سید صاحب مرحوم کے خطوط کے دو مجموعے اور مرتب ہوئے ہیں، ان میں سے ایک مجموعہ "خطوطِ سلیمانی" اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ خطوط علمِ ادب، تاریخ و حیاتِ مذہب و تصوف، تعلیم و اخلاق اور ارشاد و اصلاح کے سیکڑوں سائل کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان میں سید صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے مذہبی و سیاسی اور تصوفی افکار پر روشنی پڑتی ہے۔

اسلوبِ سلیمانی:

سید صاحب کی تحریروں میں کئی اسلوب ملتے ہیں۔ اولاً وہ علامہ شبلی مرحوم کے اسلوب سے متاثر ہوئے اور کچھ عرصہ ان کے اسلوب کی پیروی کی، الہلال میں گئے تو چند مضامین اس کے خصوصی اسلوب میں لکھے لیکن الہلال کے خطیبانہ و ادبیاتہ اسلوب کو علمی و تحقیقی مضامین میں اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا اور سید صاحب کا آئندہ میدانِ علم و تحقیق بنا اس لیے الہلال کا اسلوب

خاص کی مثالیں ان کی بعد کی تحریروں میں نہیں ملتیں۔ دارالمعتنفین کے قیام تک ان کے اسلوب تحریر و طرز نگارش میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا۔ گویا انھوں نے ایک نیا طرز سخن ایجاد کر لیا تھا۔ ان کے اسلوب خاص کا اندازہ ان کی بعد کی تحریروں و تصنیفوں سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے اسلوب کے شاہکار نمونے ان کے خطوط اور یاد رفتگان کے سلسلے کے مضامین میں ملتے ہیں۔ اور اسی سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے اس اسلوب کے خاص اجزاء ترکیبی استدلال، تفہیم سنجی اور وقار ہیں۔ وہ کوئی بات غیر منطقی انداز میں اور استدلال کے بغیر نہیں کہتے۔ وہ شوقِ مباحثہ آرائی میں لفظی مینا کاری سے گریز کرتے ہوئے آسانی جملوں میں بات کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اردو زبان کے انشا پردازوں کی کوئی فقیر فہرست ہی تیار کی جائے گی تو سید سلیمان ندوی اپنے اسلوب کی بنا پر اس کے چند اولین انشا پردازوں میں شمار کیے جائیں گے۔

قومی و ملی انجمنوں سے تعلق:

علمی زندگی میں ان کا تعلق سیاسی، قومی، تعلیمی، ثقافتی انجمنوں سے رہا۔ جن میں مسلم لیگ کانگریس، خلافت کمیٹی، جمعیتہ العلماء ہند، مقرر قومی اور سرگاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انجمن حمایت اسلام، ہندوستانی اکیڈمی، الد آباد، آل انڈیا اور میٹل کانفرنس، ہسٹاریکل ریکارڈ سوسائٹی وغیرہ شامل ہیں۔ جن کے پیٹہ فلادمول سے انھوں نے اپنے خیالات و افکار کا اظہار کیا۔ ان میں سب سے اہم وہ آٹھ خطبات ہیں جو انھوں نے سیرت کے موضوع پر جنوبی ہند کی اسلامی تعلیم انجمن کی فرمائش پر اکتوبر نومبر ۱۹۲۵ء میں دیے تھے اور بے حد پسند کیے گئے۔ ۱۹۲۷ء میں انجمن حمایت اسلام کے ۴۲ ویں اجلاس میں شرکت کی تھی اور اس موقع پر علامہ اقبال سے بالمشافہ ملاقات ہوئی یہاں انھوں نے ”عہد اسلام اور اشاعت اسلام“ کے موضوع پر اپریل کو اور اسلامی ثقافت کے موضوع پر ۱۶ اپریل کو تقریر کی۔

افغانستان کا سفر:

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں حکومت افغانستان کی دعوت اور علامہ اقبال کے اصرار پر وہ اس وفد میں شامل ہو کر افغانستان گئے جس کے صدر علامہ اقبال اور ایک رکن سر اس مسعود تھے۔ یہ وفد اس لیے طلب کیا گیا تھا کہ افغانستان میں اسلامی تعلیم کے نصاب اور طریق کار کے بارے میں

دعائی فراہم کی جاسکے۔ اگرچہ وفد نے سنجیدگی سے ضروری اور اہم تجاویز پیش کیں لیکن ان پر عمل درآمد کے لیے کسی قسم کا سنجیدہ اقدام نہیں کیا گیا بلکہ

۱۹۲۵ء میں انھوں نے ریاست حیدرآباد دکن کی دعوت پر اسلامی فقہ کی روشنی میں قانون مقناص و دیت کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں وہاں گئے۔

اگست ۱۹۲۸ء میں سید صاحب نے راہ سلوک اختیار کی اور مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت کی ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو میر و مرشد نے انھیں خلافت باطنی رحمت فرمائی اور مسند ارشاد پر متمکن کیا عرصہ سے والی بھوپال کی خواہش تھی کہ سید صاحب ریاست کے امور اسلامی شرع کے مطابق چلانے میں مدد دیں چنانچہ انھیں قاضی القضاۃ اور امیر جامعہ علوم شرقی کے مہمدوں کی پیشکش کی گئی جسے انھوں نے قبول کر لیا اور ۱۶ جولائی ۱۹۳۶ء کو ان کا چارج سنبھال لیا اس دوران میں انھوں نے جن مقدمات کا فیصلہ کیا وہ نظائر میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۹۳۹ء میں وہ حج بیت اللہ کا فرض ادا کرنے گئے۔ تو ان کا قیام رباط بھوپال میں تھا لیکن شاہ عبدالعزیز نے انھیں اپنا مہمان خاص بنایا دسمبر میں وہ حجاز سے واپس ہوئے تو بمبئی پہنچ کر طبیعت خراب ہو گئی اس لیے بمبئی میں ایک ماہ قیام کے بعد بھوپال پہنچے۔ یکم جون ۱۹۵۰ء کو بھوپال کے مناسب سے سبکدوش ہو گئے اور ۱۱ جون کو عازم پاکستان ہوئے جہاں ان کا مجبوری سے خیر مقدم کیا گیا۔ پاکستان کا اسلامی دستور مدون کرنے کے لیے ۳۱ مئی ایک

لے حقیقت وند کا وہ منفرد تھا جس میں جو سمجھا جاتا ہے۔ امیر ابی اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد نادر شاہ کی حکومت کے حق میں ہندوستان کے مسلمانوں کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے یہ طے کیا گیا تھا۔ یوں وہ شیعہ قیام کے مضبوطی اور اس کے لیے نصاب تعلیم کی تیاری کا اور مشوریت کا ذمہ صواب رکھا دے کی باتیں تھیں۔ وفد کے صدر علامہ اقبالؒ کے بہت بڑی غیر تنازعہ فیہ اور انگریزوں کے لیے گہرا شخصیت تھے۔ سر اس محمد عبدیہ تعلیم یافتہ جماعت خورشید علی گڑھ کی فکر کے نمایندہ تھے اور سید سلیمان ندوی کی قدیم تعلیم یافتہ گروہ خورشید علامہ دیوبند مغربی محل اور اہل حدیث مکتبہ فکر کے نمایندہ تھے۔ پیش نظر مقصد سے وفد کے ایمان کا یہ بہترین انتخاب تھا جو ہندوستان کی برٹش حکومت کے مشورہ و ایمان سے کی گئی تھا۔ علامہ اقبالؒ کی معنی نفوس اور سید سلیمان ندوی کی سیر افغانستان نے یہ مقصد بہ وجوہ احسن پورا کیا (ا۔ س. ض.)

جلس مقرر کی گئی تھی سید صاحب اس کی صدارت کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ قرارداد مقاصد کی تکمیل میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا بعد میں دستور کی رہنمائی کے لیے جو بورڈ بنایا گیا اس کی رکنیت کے لیے ان سے درخواست کی گئی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔

وطن مالوت کا سفر اور انتقال:

مارچ ۱۹۵۳ء میں وہ ایک ہار پھر زندہ گئے اور پرانی یادوں کو سناڑہ کیا۔ ایک ماہ بعد جب وہ کراچی آئے تو انہیں تنفس کی شکایت ہو گئی۔ بیماری نے زور پکڑا۔ ان کا طلب بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے کسی شریان میں ایسی گرہ پڑی کہ سانس لینا مشکل ہو گیا اسی مرض میں ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء کو یہ آفتابِ علم و ادب غروب ہو گیا۔ کراچی میں اسلامیہ کالج کے ایک گوشے میں آپ کی پختہ قبر ہے۔

شفقت رضوی

۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب امان خان شروانی

(۱)

اعظم گڑھ۔ شبلی منزل
مکرمی!

آپ کا حبیب مصیم (مولانا شبلی) اس وقت موت و حیات کی کشمکش میں ہے۔
پیش کش سے آنتوں میں زخم ہے۔ دس روز سے مطلق غذا نہیں۔ حالت مایوس کن ہے۔
وہ وقت نہ آئے کہ میں اپنی تہی کا پیغام آپ کو سناؤں۔ والسلام
سید سلیمان۔ ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء

(۲)

دارالمصنفین، اعظم گڑھ

مخدوم مقرر! دام مجدد۔ السلام علیکم

والا نامہ جنت شمامہ باعث سرفرازی ہو۔ اس خواب کو خواب کہوں یا یہ مصداق
حدیث بشارات روا السلم بری لہ اونزی لہ بشارات میں سمجھوں۔ میں تو بالالتزام ہر صبح
کو استاد مرحوم کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میں نے بھی اسی رمضان میں ان کو خواب میں
دیکھا، مگر مضمون یاد نہیں رہا۔ فتنہ تکفیر کے عین موسم میں یہ بشارت، اشارت، غیب
ہے ولتدالحمر۔

فتنہ تکفیر کا ہنگامہ ابھی سرد ہوا تھا کہ ماقظا سلم صاحب جیراچپوری (منکر حدیث)
کا امداد سے ایک رسالہ ”سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں“ کے عنوان سے شائع ہوا
میں نے اور مفت تقسیم ہو رہا ہے۔ اس پر علمائے تھانہ بمبوں و دیوبند کی تقریظیں لکھوا کر
شامل کی گئی ہیں۔ اور یہ سب اس لیے کہ میں نے اہل قرآن کے مقابلے میں قرآن پاک

لے علامہ شبلی مرحوم نے ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء کو وفات پائی تھی۔ یہ مکتوب وفات سے مرت درود قبل کا
ہے اور جس انتشار ذہنی کے عالم میں لکھا گیا ہے بمنوں کی بے ربطی سے ظاہر ہے سید صاحب نے وہ
وقت نہ آئے میں آخری لفظ کا ”لا“ نہ آئے لکھا ہے اور خبر کی جگہ ”پیغام کا لفظ

سے عذاب و ثواب برزخ کا ثبوت پیش کیا تھا۔ جس کا رد وہ اپنی تباہی تفسیرِ اول سے نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ایک سنی کاروبار بھر کر مفسرین کے اقوال سے مجھے ملزم کرنا چاہا ہے۔ اور اس کے لیے مصدقانہ تقریریں علماء مذکورین سے لکھوائی ہیں۔ لیکن بعد اللہ ان میں سے اکثر کی تصحیح دوسرے ایڈیشن میں کر دی گئی تھی، باقی چھاپے کی غلطیاں ہیں۔ دو مین مترض کی قلتِ تدبیر کا نتیجہ ہیں۔

مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں نے علماء دیوبند سے لئے کی ہمت کو شمش کی اور ان کا ہر موقع پر ساتھ دیا، مگر وہ اپنی عصیت سے مغائر ہی سمجھتے رہے۔ خالی اللہ الشکر ہے۔

بیچارے خواب ملی حسن خاں بھی چل لیے۔ ایک پرانے خاندان کی پرانی یادگار تھے۔ والسلام
سید سلیمان - ۲۱ رمضان ۱۲۵۵ھ

[پس تحریر]

والا نامہ ابھی ملا۔ میں نے جواب کا ارادہ تو ترک کر دیا۔ مگر معارف میں نوٹ چسپ چکا۔ اب اس کے بعد کچھ نہ لکھا جائے گا۔ اگر دو روز پہلے بھی یہ ہدایت نامہ موصول ہوتا تو میرے لیے فیصلے میں بڑی آسانی ہوتی۔ میں نے ایک، مہینے کے قریب اس پر غور کیا اور حیف، حیف میں رہا۔

(۲)

دارالمصنفین - اعظم گڑھ

نمبر ۶۰۷۳

مخدوم محترم، وامت مہالیکم، السلام علیکم

میں ۲۰ شعبان المعظم کو مداس اور حیدر آباد کے سفر سے واپس آیا۔ مدراس میں جامعہ دارالاسلام عمر آباد شمالی ارکاٹ میں دستار بندی کا جلسہ تھا۔ اور اہل مدراس نے خال دیکھا کہ یہ کام میرے ہاتھوں انجام پائے تو مبارک ہو گا۔ یہ مدرسہ چند روشن و ماغ سماجروں نے جو روشن کیش کے ایک ہیں، بارہ سال سے قائم کیا ہے۔ ندوۃ کے انداز پر یہ جلسہ یہ مولانا امداد مابری مرحوم کی اہلیت ہے۔ اس کی اشاعت پر سید صاحب مرحوم نے مولف کے خلاف مقدمہ بھی کروایا لیکن بعض حضرات نے بیچ میں پرکھ ختم کرا دیا۔
لے ۲۱ رمضان ۱۲۵۵ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۳۵ء بروز ہفتہ

جنوبی ہند میں اپنا کام کرنا چاہتا ہے۔ معقولات کا حصہ اس میں سے خدمت ہے اور انگریزی کی تعلیم لازمی ہے۔ نتائج خوش آئند ہیں۔

مداس سے واپسی میں حیدر آباد چند روز کے بے ٹھہر گیا۔ چار روز بھی پورے نہیں رہا، مگر نتائج کے لحاظ سے نہایت شاندار رہا۔ اعلیٰ حضرت نے اخباروں میں میرے آنے کی اطلاع پا کر از خود ۲۵ شبان کو خاصہ سے نوازا اور ۲ شبان کو حاضری کا حکم دیا۔ میں وقت مقررہ پر گیا تو سوا گھنٹہ تک مذہبی تعلیم کے مسائل پر گفتگو جاری رہی۔ اٹھتے وقت فرمایا، میں نہایت محفوظ ہوں۔ میں سمجھا بات یہیں تک ختم ہوئی۔ یکا یک پرسوں ایک زرد لفافہ رجسٹری پہنچی۔ کھولی تو دیکھا کہ خود اعلیٰ حضرت کے دستِ خاص سے لکھی ہوئی تحریر ہے۔ جس میں میرے سابقہ اذوقہ "تین سو ماہوار میں سو روپے ماہوار کے اضافے کی اطلاع تھی۔ اود آئندہ مکمل سیرت پر ایک خاص صلے کی بشارت تھی۔ عبارت بینہ نقل کرتا ہوں۔

مولوی سید سلیمان ندوی

جس مہتمم بالشان کام کی تکمیل کی جا رہی ہے، "سیرۃ نبوی" کی۔ اور جس انہماک سے مولوی صاحب یہ کام انجام دے رہے ہیں، اس کے مد نظر موجودہ اذوقہ سترہ میں سردست ایک صد ماہانہ کا اضافہ یکم اذوقہ جاریہ سے کرنے کے لیے میں نے حکم دیا ہے۔ رہا بعد تکمیل کام اس وقت کے حالات کے مد نظر غور ہو گا کہ اس کا کیا صلہ دیا جائے۔ زیادہ والسلام

آصف صاحب

لفافے کا پتا میں خود اعلیٰ حضرت کے قلم کا ہے۔ میں اس نوازش بے طلب کے لیے خداوند تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت یہ سمجھے ہیں کہ سابقہ تین سو میراث ذاتی و قطیعہ ہے۔ یہ غلط نہیں دور ہونی چاہیے۔

رمضان گزر رہے ہیں، تراویحیں ہو رہی ہیں۔ مولوی ابو ظفر صاحب آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں۔ تاریخ ہند کے لیے دارالترجمہ ثنائیہ سے درخواست کی گئی ہے۔ امید

قوی ہے کہ مولوی برنی صاحب نے قدرِ مدد اس شعبے سے دلائل مل گئے۔ والسلام
سید سلیمان - ۵، رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

(۲)

مخدوم مہتمم ادا مہمدم۔ اسلام علیکم

گرامی نامے شرفِ مدد دلائے۔ میں نے انبائے شرفِ الدین کو طبقاتِ المقرنین
حافظ سیوطی کے لیے خطِ توضیح دیا، مگر ابھی تک جواب نہیں آیا۔ یہ یورپ میں تو یہ کتاب
پہنچیں تھی، مگر مصر میں اس کا چھپنا بے معلوم نہیں۔ جس وقت اطلاع آئے گی، عرض کروں گا۔
آج کل ایران سے بعض اچھی اچھی کتابیں نکل رہی ہیں چنانچہ کتابِ التعمیم فی
ضاعتِ التعمیم بیرونی بہت اہتمام سے چھپی ہے۔ منظرِ تحسین ہے۔

آپ نے رباعیاتِ سبحانی کی نسبت دریافت فرمایا تھا۔ وہ نسخہ مدوہ میں ہے۔
اُس نسخے میں صرف رباعیات ہیں۔ رباعیات کا انتخاب آپ کے طے جمعے شائع
کیا ہے۔ آپ کے پاس بھی بھیجا ہو گا۔

شبلی کالج کی عمارت ختم ہو گئی، ہمارے اُن دفتر کتابوں کے گودام سے بھر گیا ہے۔
اس لیے دفتر کے لیے ایک چھوٹی سی عمارت دو چار روز سے بنی شروع ہوئی۔ غالباً
دو دو ماہی ہزار لاگت آئے۔

حیاتِ شبلی کی ترتیب میں بے حد معروف تھا۔ بحمد اللہ کہ حصہ اول ختم کے
قریب پہنچ گیا۔ اختلافِ مدوہ کے باب کو بہت بجا کر لکھا ہے، تاہم میں چاہتا ہوں
کہ وہ آپ کی نظر سے گزر جائے۔

مدوہ کے حالات شاید آپ کو معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ مدوہ کی تعمیر کا کام (تیسرے
ظاہری ذمہ داری) ازکان سے مانگ کر تین برس کے لیے لیا ہے۔ اس سلسلے میں اطلاع
کے لیے عرض ہے کہ مدوہ کا بڑا ہال پوری طرح مکمل ہو کر کام میں آ گیا ہے۔ اُس میں کتب خانے

لے "آدابِ مذہب" کے مشہور مؤلف پروفیسر محمد ایس برنی (دف ۲۶ جنوری ۱۹۵۹ء)
کی طرف اشارہ ہے۔

۵۹ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء

میں خط میں جج کے نام کی جگہ خالی ہے

کو منتقل کر دیا گیا ہے اور ایسی ترتیب سے الماریاں لگائی گئی ہیں کہ بال کار آمد ہو کر نہایت خوبصورت ہو گیا، اور پھر ہال کا میدان جلسوں کے لیے اسی طرح کھلا ہے۔ کمروں میں کواڑ لگ رہے ہیں۔ دارالعلوم کی مغربی جانب میں پلاسٹر نہ تھا۔ منڈیر گھر پڑی تھی اور اینٹیں کھسک رہی تھیں۔ پانچ سو لگا کر آج کل اس کا پلاسٹر ہو رہا ہے۔ ان تمام مصارف میں مذکورہ کے خزانے کا ایک حصہ شامل نہیں، صرف فضل خدا ہے۔

چھوٹے بچے دارالعلوم ہی کے کمروں میں رہتے ہیں۔ اس سے ایک تو عمارت خراب ہوتی ہے، دوسرے درس گاہوں کی کمی ہے۔ اس کی یہ تدبیر کی ہے کہ نواب مہدی یا جنگ بہادر نے مجھ سے اپنے اسکولوں کے لیے سیرت پر ایک مختصر سی کتاب لکھوائی تھی جس کے احراجات مبع وہ دیں گے یا پھر سونے وہ خریدیں گے۔ جس سے بہر حال اخراجات نکل آئیں گے۔ میں نے اس کتاب کے پانچ ہزار نسخے چھپوائے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ ایک سال کے اندر اندر فروخت ہو جائیں گے اور چار ہزار کے قریب مل جائیں گے۔ اس رقم سے چھوٹے بچوں کا دارالافتاء بنوانا چاہتا ہوں۔ بالفعل تیس لڑکوں کے لیے۔ اسی مناسبت سے اس دارالافتاء کا ”محمدیہ“ رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ تعلق رقم سیرت! کتب خانہ کمروں سے نکل کر ہال میں جو آگیا تو اس سے دو فائدے ہوئے۔ کتب خانہ روشن ہو گیا اور کتابوں کے دیکھنے کا آرام ہوا۔ دوسرے یہ کہ خالی شدہ کمرے درس گاہ کے کام میں آئے۔ اس سے ایک بڑی تکلیف دور ہوئی۔

ابھی مذکورہ میں عربی مدارس کے طلبہ کا عربی تقریر میں مقابلہ تھا۔ بھگواندہ کو آپ ہی کا طالب علم سب سے اول آیا۔ اہل شہر کا کافی مجمع تھا، سب نے مذکورہ کی اولیت کو محسوس کیا۔

شہر اور بیرون شہر میں معین اللہ وہ قائم کیا ہے۔ اس وقت اس کے ذریعے سے شہر سے منٹرو روپے امانہ کی آمدنی ہے۔ ولید الحمد ۱۱ ستمبر کو ڈاکٹر امیر حسن کی دعوت

نے نواب صاحب مرحوم کے قلم سے ”محمدیہ“ کے مقابلہ مکتوب پر حاشیے میں ”مدنیہ“ لکھا ہوا ہے۔ یعنی نواب صاحب کے خیال میں دارالافتاء کا نام ”مدنیہ“ ہونا چاہیے۔ لے ڈاکٹر امیر حسن صدیقی (دفعہ ۱۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے استاد

پر علی گڑھ کا قصد ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واستلام

سید سلیمان - ۶ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۵)

قدم گرامی ادا مجدکم۔ استلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

الحمد للہ کہ ماہ صیام نے مع اپنی برکتوں کے نصف راہ کی منزل طے کر لی۔ کل شب پانچ و ہم رمضان کو دارالمعتنفین کی مسجد میں تراویح ختم ہوئی اور اس تقریب میں دعوت شینہ انجام پائی۔

اس مبارک موقع پر میں ایک "قیسی" تحفہ رمضان خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ یعنی "رحمت عالم" معلم کے چار نسخے، یعنی وہ کتاب جو دارالعلوم ندوہ میں چھوٹے بچوں کے دارالافتاء کی تعمیر کے لیے چھاپی گئی ہے۔ ان چار نسخوں کی قیمت صرف دوپے رمضان ہی میں پانے کا متوقع ہوں۔ یہ چار نسخے اس طرح تقسیم پاکتے ہیں:

- ۱۔ جناب والا
- ۲۔ جناب سلیم صاحب
- ۳۔ مولوی عبید الرحمن خان صاحب
- ۴۔ پیارے میاں لٹے اور طاہ صاحب کو صرف سلام مسنون۔ واستلام

سید سلیمان

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ - ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶)

دختر دارالمعتنفین۔ اعظم گڑھ

نمبر ۶-۴۶

قدم کرم! دام مجدکم۔ استلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

امید کہ مزاج گرامی غیر بوجھا۔ رمضان میں تجلیات شعلی کا نصف اول ارسال خدمت ہوا تھا۔ ارشاد تھا کہ رمضان میں اس کا مطالعہ بار خاطر ہے۔ رمضان کے بعد وہ مطالعے میں اگر واپس ہو گا۔ اب سوال بھی آخر ہے۔ شاید کہ فرصت نہ ملی ہو یا بات یاد نہ رہی

شہ حضرت مکتوب الیہ کے نامہ صاحب زادہ مدظلہ علیہ مولوی مسعود الرحمن خاں خروانی مرندپارہ
میاں حضرت مکتوب الیہ کے صاحب زادے، جنوری ۱۹۳۳ء میں وفات پائی۔ یہ مکتوب الیہ کے صاحب خاص
حاجی طاہ صاحب ۱۳۵۲ھ میں فوت ہوئے

ہو۔ اس لیے گزارش ہے کہ اگر وہ مطالعے میں آچکا ہے تو واپس کیا جائے۔ کاتب کو انتظار ہے۔

بمد اللہ کہ ۱۵ ارشوال کو میں نے اپنی ایک لڑکی کے نکاح سے فراغت پائی اور قریب
بغیر و خوبی سادگی سے انجام کو پہنچی گئی
شعبہ دنیات کو نظامیہ میں لانے کی تجویز اڑ گئی ہے نواب مہدی یار جنگ نے
تقریر کے ساتھ لکھا کہ یہ حیدری کی تحریک تھی۔ والسلام

سید سلیمان ۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء

(۷)

جمہور پال

مخدومی! دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وہ صاحب جو میرا نیاز نامہ اور ابراہیم محمدی صاحب کی مرسلہ کتاب لے کر آپ کی
خدمت میں حاضر ہوئے تھے، واپس آئے۔ ان کی زبانی آپ کی خیریت اور میرے نیاز نامہ
پر آپ کی مسرت کا حال بیان کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ نے جو گرامی نامہ لکھ کر غایت
فرمایا تھا وہ راستے میں کھو گیا یعنی راہ میں ان کا کبس ریل میں چوری ہو گیا۔ اسی کبس میں وہ
گنج شائیکاں یعنی آپ کا والا نامہ تھا وہ بھی ضائع ہو گیا۔ جس کا بڑا افسوس ہوا۔ کیوں کہ
میں اس کے لیے چشم بہ راہ تھا۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ اس وقت ایک موقع علی گڑھ کی حاضری کا مل گیا۔ کورٹ کے
جلسے میں جو ۷ ار کو ہو رہا ہے، حاضر ہو رہا ہوں۔ امید ہے کہ شرف نیاز حاصل ہو۔

والسلام

سید سلیمان ۲۰ اپریل ۱۹۴۱ء

یہ خدمت نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی
حبیب منزل۔ علی گڑھ۔

۱۵ ارشوال ۱۳۶۰ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۴۱ء

کوید صاحب کی دوسری بیوی سے بیٹی شکیبہ کا مقدمہ سید حسین (ایڈیشنل کمشنر بریلی ڈویژن) کے
ساتھ ہوا تھا شعبہ تجویز یہ تھی کہ چاند خانیہ کے شعبہ دنیات کو اس سے الگ کر کے
مدرسہ نظامیہ کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ تجویز کے اصل نمبر سربراہ حیدری تھے

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مکتوب ایہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی برصغیر کے مشہور مؤرخ و مصنف و صحافی تھے۔ انھوں نے تاریخ کے موضوع پر معتقدانہ کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ اقبال ان کی تحریر و تحقیق پر اعتماد کرتے تھے۔ خاص تاریخ کے موضوع پر انھوں نے نجیب آباد سے ۱۹۱۷ء میں ایک تحقیقی رسالہ "مہرت نکالا۔ انھوں نے برصغیر میں مسلمانوں کے احیاء کے لیے بڑا اعلیٰ کام کیا ہے۔ ان کے نام علامہ ندوی کے دو خط ہیں جو یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ مولانا اکبر شاہ خاں کا انتقال ۱۹۳۲ء میں ہوا۔

(ڈاکٹر محمد ایوب قادری (گرم))

(۸)

دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

مکرم زاد لطف

اسلام علیکم۔ آپ جس قسم کا مشورہ چاہیں، میں حاضر ہوں۔ مجھے اس امر میں کیا دریغ ہو سکتا ہے۔ ہاں دو میل کنڈ سے کوئی رسالہ تو نہیں نکلتا اگر آپ یہ خدمت انجام دیں تو اس سے کیا اچھا ہو سکتا ہے بلکہ لیکن اب لفظی کی بجائے عمل کی ضرورت ہے۔ دو میل کنڈ میں کوئی پر زور اخبار ہی نہیں ہے۔ یہ بھی کرنے کی چیز تھی۔ تصنیف کے متعلق آپ کو کس قسم کے موضوع سے ذوق ہے۔ کیا آپ انگریزی اور عربی دونوں جانتے ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ۲۰، ۴، ۱۹۳۲ء

(۹)

مکرم السلام علیکم

آپ کد باد آوری اور تنبیہ کا ممنون ہوں۔ میں موجودہ تصانیف میری حاضری میں یہ رسالہ طبع ہوا۔ درجہ میں ضرور چند سطریں لکھ دیتا، مضمون کے آئندہ نمبر میں کچھ لکھوں گا۔

کیا آپ نے "مہرت" بند کر دیا ہے یا اب تک شاخ ہو رہا ہے اگر خواجہ کمال علی صاحب تشریف فرما ہوں تو سلام حراد بھیجے۔

والسلام

سید سلیمان ۲۹، ۲۹، دسمبر ۱۹۱۵ء

۱۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے نجیب آباد سے ایک رسالہ "مہرت" جاری کیا تھا اس سلسلے میں یہ خط لکھا گیا (محمد ایوب قاضی) ۱۔ مطابق ۲۳، نومبر ۱۹۱۵ء ۲۔ لاہوری پائل کے سرگرم رہنما (محمد ایوب قادری)

(۱۰)

مخدوم مکرم! السلام علیکم
تکم مبارک (دو فرلین) پہنچی، پہلی غزل چہ شناسی، حقیقت میں لاجواب ہے، خیالات
بندش، لعل زبان، کس کس چیز کی داد دی جائے۔ بارک اللہ فی ملک، وفضلک وعضک
بن طوارح الحدشان، والسلام

سید سلیمان - ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء

(۱۱)

مخدوم محترم دام مجدہ السامی! السلام علیکم
آپ سے رخصت ہو کر اعظم گڑھ پہنچا۔ یہاں بھی چند روز حرارت اور پھوڑے کی
تکلیف رہی۔ مگر آج اچھا ہوں۔ پھوڑے سے بھی ریم نکل گئی۔ اور اب صاف ہے۔
مولوی مسعود علی صاحب بھی اسی دن صبح کو لا آباد آئے۔ وہ سخت علیل ہو گئے تھے۔
نونیہ کا خطرہ تھا۔ الا آباد میں بروقت علاج ہوا اور اب اچھے ہیں۔

جب سے آیا ہوں ندوہ کا تخیل قائم ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب سے گفتگو
ہوئی۔ وہ ندوہ میں کوئی ذمہ دارانہ عہدہ لینے پر کسی طرح راضی نہیں اور مستقل قیام مکھڑو
میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے لیے بالکل آمادہ ہیں کہ سال میں چند مہینے وہ وہاں اقامت
کریں اور تنظیم و تعمیر میں اور فراہمی چندہ میں مدد دیں اور اس کے لیے وہ بہت جلد
کاروائی شروع کریں گے۔ مولوی عبد السلام صاحب عنقریب جائیں گے کہ ایک دو مہینہ رہ
کر آخری سال کے طلبہ کو ادبی علوم میں مدد دیں۔ اور بچوں کی تعلیم نگرانی کریں۔ مولوی مسعود صاحب
نے طلباء کے قدم کو خطوط لکھے ہیں اور ان کا جلسہ بلائے والے ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ میں
تعلیم نگرانی کے لیے تیار ہوں۔ معتد دارالعلوم بنادیکھے سال میں متعدد پیرے کھوں گا، ندوہ
کی تعلیمت کا بار اگڑا لیں گے تو قبر اجمیر برداشت کروں گا۔ مولوی حبیب الرحمن خان شروانی
کا خط آیا ہے۔ مشورہ پوچھا ہے۔

مولوی شملوی صاحب کا خط آیا ہے کہ بھرپال میں جس حد تک کوشش کرنی تھی ہو چکی

اور اب آپ کے ایماء سے حیدر آباد جاتے ہیں۔ عبدالعلی صاحب کے لیے یہ کوشش کی اور مجھے لکھا کہ تم جنرل صاحب کو لکھو کہ اس کا وظیفہ ہو جائے۔ چنانچہ میں لکھوں گا اور امید ہے جیسے کہ انھوں نے لکھا ہے کہ ان کو مل جائے گا۔ اس طرح ان کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا۔

مولوی مرتضیٰ صاحب جو پہلے کتب خانہ میں تھے میرے پاس آئے تھے کہ ان کو کتب خانہ میں کر دیا جائے میں نے کہا کہ اگر کتب خانہ میں آپ کے کام کا ریکارڈ اچھا ہے تو مجھے منتقل نہیں۔ انھوں نے کہا کہ نواب صاحب خود مداح تھے اگر آپ نے ان کے کام کو پسند کیا ہے تو ضرور ان کو کتب خانہ میں جگہ دے دیجیے۔ کتب خانہ کی حفاظت ضروری اور لازمی ہے۔ اس کا بند رکھنا کتابوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

آپ اب بھٹہ اتو جاری فرمادیجیے۔ اور نظامت کی تجویز بھی درج کر دیجیے۔ اگر عارضاً میرا نام بھی لکھ دیجیے تو مرجع نہیں۔ مستقل انتظام میری نظر میں ہے۔ انشاء اللہ۔

مولوی عبدالرزاق اور مولوی عبدالرحمن صاحب نگرانی کو خط لکھے گئے ہیں۔ والسلام
سید سلیمان، اعظم گڑھ ۱۷ فروری ۱۳۳۵

(۱۲)

مخدومی الملاح ادا م اللہ مجددہ!

والا نامہ صادر ہوا، آپ کا عتاب بجا ہے، مگر آپ نے میرے گرد و پیش کے حالات پر نظر نہ فرمائی، بہر حال اب میں ذاتی مجبوریوں اور معذوریوں کی داستان لپیٹ دیتا ہوں اور یہ صریح پڑھ کر

ہر چہ بانا باد مانگش در آب انداختم

اس بار غلام کو اٹھایا ہوں اب جس طرح آپ مناسب سمجھیں نظامت کی تجویز پیش کیجیے، مولوی حبیب الرحمن خان صاحب کا میں اشارہ میری ہی طرف ہے۔ خدا مجھ سے جس طرح کا کام لینا چاہے گا اس کی توفیق اور صفت بخشنے گا۔

سب سے پہلا کام عمارت کا مسئلہ کرتا ہے۔ ہم سب لوگوں نے تو مولوی غلام اور مولوی نسیم صاحب کے ہاں بالتفصیل عرض کروا تھا کہ زمین کا معاوضہ نقد چاہتے ہیں زمین نہیں چاہتے، گورنمنٹ کے تعلقات کا یہ قسم بھی کیوں لگا رہا ہے؟

اور آخر مارچ جلسہ کی تاریخ رکھیے، مولوی مسعود علی صاحب جیسے سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے پاس آجائیں گے، ضروری کاروائیاں شروع کر دیجیے۔ میں ۲۵ کو وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہوں ڈیڑھ برس ہو گئے، جیسے سے پہلے آجاؤں گا۔ والسلام

سید سلیمان ۲۱ فروری ۱۹۲۳ء

(۱۲)

مقدم مقررہ السلام علیکم!

گرامی نامہ موصول ہوا۔ اصولی حیثیت سے مجھے اس تقاضا کے الاؤنس سے اختلاف نہیں، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں اس صورت کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ میں اپنے کو دوسرا ہوں اور میں ارکانِ ندوہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں، میری حیثیت، چند مہینوں کے بعد جب جوش موافقت کم اور جوش مخالفت زیادہ ہو جائے گا۔ ایک ہیڈ کلرک کی ہو جائے گی۔ طرح طرح کے طعن ہوں گے، سنئے سنئے دعوے ہوں گے۔ ندوہ کی یہ کس پر سی اس وقت تک ہے جب تک وہ سسک رہا ہے۔ جہاں کوششوں میں کامیابی شروع ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آئے۔ آپ بھی دیکھیں گے کہ کھر کہاں کہاں سے مدتی اور صاحبِ قبل و علم پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ یہ ہو گا کہ جیب میں قیام کروں گا تو جب تک کی مدت اقامت ہوگی۔ میں مصارفِ ضروری کا بل ندوہ میں دے دوں گا۔ گویا معمولی کاروباری حساب کا طریقہ رہے گا۔ اور بس۔

نواب صاحب قبلہ! میں نے دارالمعینین اپنی قوتِ بازو سے اور خدا کے فضل و کرم سے بنایا ہے۔ جہاں میں آزاد اور بے غل و غش زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ندوہ سے زیادہ یہاں سرمایہ ہے۔ ۱۲ لاکھ زمین ملکیت ہے۔ منگے ہیں۔ کتب خانہ ہے پر میں ہے موافق اور عم گار اجاب درفتا ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اور اپنے بنے بنائے کام کو لات مار کر ندوہ کے اکٹھا رہیں پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤں کیا آپ یہ رائے دیں گے؟

دارالمعینین کو اعظم گروہ سے مکھنوں مستقل کرنا گویا بنے بنائے گھر کو اجاڑنا ہے۔ اور اپنے کو مکھنوں کی کشمکشوں میں آپ الجھانا ہے۔ سب سے بڑی چیز یہاں کی خاک میں استادِ مجرم کی لاش پھرو ہے۔ جس کا میں مجاہد ہوں۔ اور جس کو تادمِ حیات چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے لیے اعظم گروہ سے باہر بیسیوں ترغیبات کے موقع پیش آئے۔ مگر خدا نے مجھے مستقیم اور مستقل رکھی و پیدہ انقل۔ ندوہ کی تقاضا میں قبول کرتا ہوں اور اس سے بہتر کر کے دکھا دوں گا۔ انشاء اللہ جو پچھلے

دور میں تھا۔ اگر مخالفتوں اور سازشوں نے مجھے وہاں فرصت دی، پینڈت مالوی بنارس ہندو یونیورسٹی کے ناظم و معتمد سب کچھ ہیں۔ گمروہ وہیں کے صرف نہیں ہو رہے، سب اطراف پر غور کر لیجیے پھر فیصلہ کیجیے۔ آپ صرف اپنی تجویز میں الاؤنس کا ذکر کر دیجیے۔ قبول کرنا نہ کرنا میرا کام ہے۔

والسلام

سید سلیمان ندوی از د خردار العنقین اعظم گلبرگ - ۲۲ فروری ۱۹۲۳ء

(۱۲)

مقدم محترم دام کریم! السلام علیکم۔

والا نامہ نے منفقہ کیا۔ میں خود چند روز سے خدمت والا میں بذریعہ تحریر حاضر ہوئے والا تھا۔ بارے آپ نے پیش قدمی فرمائی، اخالی شدہ جگہوں کے لیے مجھے خود فکر ہے اور میں تلاش میں ہوں، مدرس صرف و نحو کے لیے عملی مشاقی ضروری ہے، اس لیے نوا آموز آدمی اس جگہ رکھتے نہ ہوں۔ کتب خانہ کے لیے علمی آدمی اور درانت دار ہونا چاہیے۔ مدرس صرف و نحو کی ضرورت فوری ہوگی۔ کتب خانہ کے لیے چند روز توقف بھی ہو سکتا ہے۔ کتب خانہ کے لیے ایک دفعہ اکوٹا نے جو ندوی بھی ہیں درخواست دی ہے، ان سے خط و کتابت کرتا ہوں۔ چند روز ہوئے نواب عدا الملک کا خط میرے جواب میں آیا تھا۔ جس میں اپنی تائید کا یقین دلایا تھا۔ پھر مولانا شروانی کا والا نامہ آیا، اگر تین سو ماہوار کی سفارش انہوں نے کی ہے اور پیش کا و عالی میں پیش ہے، نئی درخواست ندوہ کی جانب سے نہ بھیجی جائے کل شروانی صاحب کا والا نامہ آیا، اگر تین سو ماہوار رمضان سے حضور نے ندوہ کے لیے منظور فرمائے، آپ کے در خواست کا یہ دیا جائے کامیابی ہے۔ مبارک۔

نصاب کے کاغذات مولانا حمید الدین صاحب کو دکھا دیئے، ندوہ کے بعد ایک دن مولانا حمید الدین صاحب اور مولانا حفیظ اللہ صاحب کو بلا کر مجلس نصاب کا جلسہ کر کے طے کر لیں گے۔

فیہ دوم کے لیے مولوی عبدالحمی صاحب ندوی کی درخواست آئی ہے اور چند اساتذہ نے ان کی تعریف کی ہے۔ ان کو مقرر کر لیجیے، مگر تقرر اتنا ناچھ ماہ کے لیے منظور فرمائیے۔ آپ ان کو کچھ نہ کیجیے۔ میں کھودتا ہوں، اگر یہ فقیہ دوم کے قابل ہوئے تو اس جگہ پر مدرس صرف و نحو کی مدرس کی جگہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ مجھ کو جو خط انہوں نے لکھا ہے۔ اس میں دو میں سے ایک جگہ مانگی ہے۔ والسلام

سید سلیمان - ۲۸ اپریل ۱۹۲۳ء

مخدوم مہترم السلام علیکم!

والا نامہ پر تو اٹکن ہوا، آج کی تاریخ تک تو مولوی مسعود علی صاحب واپس نہیں آئے۔ شاید آج شب کو یا کل صبح آئیں۔ نہیں معلوم تعمیر گنبد کے متعلق کیا ہولہ یہ بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔ حضرت والا! میں تنہا حاضر ہوں گا! کبھی توفیق ملی تو بہ تنہا بھی حاضر ہوں گا۔ بہتر ہے اپنی تجویز کے مطابق، مولوی کلیم احمد صاحب کو کتب خانہ میں اور مولوی عبدالحق کو دارالعلوم میں کر دیجیے، مولوی کلیم احمد کی اس بالا خوانی سے مجھے تکلیف ہوئی مسئلہ سے ان کو نکلے لیں گے کیا یہ ترقی نہیں؟ جو مزید کا مطالبہ ہے دارالعلوم میں تو اتنی بھی گنجائش نہیں کہ وہ اس سے زیادہ پاسکیں۔ مولوی عبدالحق کو میں نے کہہ دیا تھا کہ یا کتب خانہ کی جگہ لے گی (نکلے) یا مدرسہ صرف، و نحو (میں) اس لیے اگر آپ ان سے بلا کر کہیں گے تو وہ نامعلوم نہ کریں گے۔

موجودہ انگریزی تعلیم کی نسبت میری رائے بہت بُری ہے، ندوہ کی انگریزی تعلیم سے کوئی فائدہ اب تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ تکمیل علوم کی طرح تکمیل انگریزی کا درجہ بھی کھولا جائے جس میں فارغ التحصیل اور منتہی طلبہ کو چند سال انگریزی پڑھائی جائے، بنا بریں جو مستثنیٰ اپنے والدین کے منشا سے ہوتے ہیں ان کو ہونے دیجیے، البتہ حساب سے مستثنیٰ کس حال میں نہیں کیا جاسکتا۔

ندوہ کی رکنیت مجھے مشکوک ہے۔ جناب مہتمم صاحب تاریخ خفزی کو درس میں اس لیے داخل نہیں کرنا چاہتے کہ وہ شیعہ ہے۔ وہ بیچارہ مصر میں زندہ سنی موجود ہے۔ میں ان کو کچھ نہیں لکھ سکتا آپ ان کو مراسلہ لکھ دیجیے کہ وہ شیعہ نہیں سنی ہے۔ جامعہ مصریہ کا استاد تاریخ ہے جس مقام پر شیعیت اگر ہے تو استاد اس کی تردید کرے گا۔ والسلام

سید سلیمان - ۲۹ جولائی ۱۹۲۳ء

مخدوم و محرم دام محمدکم! تسلیم و تکریم

کارڈ نے نمونہ کیا۔ میں نے ۲۹ کو ایک مفصل خط لکھا ہے جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ میں اپنی غلط روی و خطا کاری کا منت کش ہوں کہ اس کی بدولت ایک عمدہ باہی یا قلعہ عالم وجود میں آیا۔ اور اس سے میں سرفراز ہوا۔ مجھ سے اس کا جواب ممکن نہ تھا کہ اول نقش

شاعری پھر فارسی میں شاعری میرے لیے قطعاً مشکل ہے۔ مگر میں اس کو بھی آپ ہی کا فیض
سن جانتا ہوں کہ کچھ غلط سا میری زبان سے بھی نکل گیا:

نظمت تو چارہ گرد دروہا یا بستے حننِ غن با ملہم نیز، ترا یا بستے

در میان طلبِ حق و عطا فرقتِ بہت آنچہ من ظلم از تو عطا یا بستے

آج کل گھر میں بیماریوں کا سلسلہ ہے، سہیل کو کل ایک ہفتہ کے بعد بخار اترتا تو آج سے
اُن کی ماں کو بخار ہے۔ وسطِ اگست تک شاید آنا ہو۔ والسلام

سید سلیمان - ۲۴ اگست ۱۹۳۰ء

(۱۷)

مکرم و مقترم دامِ مجددہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والا نامہ مع بحث دارالمعتنفین موصول ہوا! یاد آوری کا شکریہ ادا کھنوکھی پھلی آمد کے
موقع پر دمِ حاضری کی تکلیف دل مجھے خود ہے! اسی لیے بار بار معذرت بھی پیش کی اور
کہنا بھیجا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک آپ نے میرے اس اضطرابی جرم کو معاف نہیں
فرمایا؛ والے عذر عند کرامِ اناس مقبول کا معرکہ کیا میرے ہی حق میں نادرست ٹھہرے گا۔
انشاء اللہ آئندہ حاضری میں آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

ہمارے پاس صبح گلشن کا ایسا نسخہ ہے۔ جس کے شروع کے چند صفحے نہیں ہیں۔ اس لیے
پوچھنے کی ضرورت ہے۔ کہ یہ آپ ہی کی تالیف ہے؟ اگر ہے تو یہ جانا ہے کہ آپ نے
حالاتِ مومن کن تذکروں سے لیے ہیں۔ چونکہ ہمارے نسخے میں دیباچہ نہیں اس لیے اگر ماخذ
کا ذکر دیباچہ میں ہو جس تو مجھے معلوم نہیں ہو سکتا۔ شاید آپ اپنے یہاں کے نسخے کے دیباچے
کو دیکھ کر معلوم کر سکیں۔

الحمد للہ خیریت ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب مکان گئے تھے۔ کل واپس آگئے ہیں۔
اچھے صاحبِ مارچ میں آنے والے ہیں، دیکھیے یہ وعدہ میں ان کا پورا ہوا یا نہ ہو۔ برادرِ امیر حسن
اور محسن الحسن صاحب کو سلام فرما دیجیے۔ والسلام

سید سلیمان - ۲ مارچ ۱۹۳۳ء



مخدوم مقرر دام کریمہ! السلام علیکم

والا نامہ مع جوابات مدرسین موصول ہوئے! شکریہ ہاں یہ سچ ہے مولوی عبدالحق
نا تجربہ کار اور سادہ ہیں۔ مگر کام ہی سے تجربہ آتا ہے اچھا ہے ابھی یوں ہی رہنے دیجیے
میں کس اور آدمی کی تلاش میں ہوں۔

عارف کے کام میں میں نہیں سمجھتا کہ کیا وقیفی حاصل ہیں۔ آیا یہ ہے کہ جلسہ نے اس کو طے
نہیں کیا ہے یا یہ ہے کہ مزدور و معمار اور سالہ نہیں مٹا! اگر دوسری وقت ہے تو خیر، اگر پہلی
وقت ہے تو تعجب ہے کہ اب تک حل نہ ہوا۔ میرے خیال میں تو ایک تجنیذ بنوا کر جلدِ نفیست
سے بالفعل منظوری لے کر اتار دیہ معتمد تعمیرات کے نام بنک میں ملاحظہ کرا دیجیے یا معتمد ہاں
کی معرفت وقتاً فوقتاً آدا کرتے رہنا چاہیے۔

عملی کاموں کے لیے قوانین کی تقطی پابندی کبھی نہیں چل سکتی اور ہمیشہ کام میں رکاوٹ
پیش آئے گی۔ آپ بے قاعدگی اور اعتراضات کا خوف نہ کیجیے، اس سے کوئی کام کرنے
والا آدمی نہیں بچا ہے اور نہ بچے گا اور نہ بچ سکتا ہے یہ خیال دل سے دور کر دیجیے۔

مولوی مسعود علی صاحب ندوہ کے کام سے گھبرا اٹھے ہیں کہ ان حالات میں کام کرنا بہت
مشکل ہے۔ وہ چھوڑ کر چلے آنا چاہتے ہیں۔ بارے میں نے عید الفی تک روکا ہے کہ ۱۲-۱۳ عید
بنک میں بھی آؤں گا۔

خان بہادر سید حسین صاحب تو تعمیر کو خصوصاً گنبد کی تعمیر کو بہت ضروری سمجھتے تھے! ان
کے وجہ سے تو وقت ہو نہیں سکتی! پھر کیا وقت ہے جس کے لیے اس قدر تعویق و تاخیر و تفل ہے۔
مولانا شروانی عید الفی میں مکان آ رہے ہیں، مجھے لکھا ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مرتبہ
لکھنؤ آؤں، میں بھی ان سے آنے کا امراد کرتا ہوں، میں بھی اس زمانے میں وہیں ہوں گا۔

والسلام

سید سلیمان - ۱۶ جولائی ۱۹۳۳ء

نواب صاحب کا انتقال حضرت سید صاحب کی زندگی میں ہو گیا تھا سید صاحب نے ان
کے انتقال پر معارف میں جو تعزیت کی تھی، اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ایک نواب عالم کی وفات

ہندوستان کے اُن پرانے مسلمان خاندانوں میں سے جو شرافتِ نسب کے ساتھ علم اور دولت دونوں کے جامع ہیں، اب خال خال گھرانے رہ گئے ہیں، انہیں میں سے ایک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کا خاندان تھا، جن کے چھوٹے صاحبزادے صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان مرحوم نے ۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کی صبح کو اپنی کوشی بھرپال ہاؤس لال باغ، کمپنویں، ہتھربرس کی عمر میں وفات پائی، افسوس ہے کہ ایک پرانے خاندان کے فضل و کمال اور جامعیت کی یادگار آج مٹ گئی۔

مرحوم ان لوگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے مسلمانوں کی ملی و تعلیمی سیاسی و تمدنی انقلاب کے مناظر دیکھے، وہ پیدا تو بیک "کنسرویٹو" گھر نے میں ہوئے اور اسی ماحول میں تعلیم و تربیت پائی، لیکن فطرت کی طرف سے وہ ایک اثر پذیر اور حساس دل لائے تھے، باوجود اس کے کہ وہ بھرپال میں پیدا ہوئے جہاں حد درجہ قدامت کی حکومت اور سطوت تھی اور ممکن نہ تھا کہ نورِ عمل میں نئی روشنی کی ایک کرن بھی پہنچ سکے، مگر استعدادِ طبع دیکھیے کہ خود بخود ادھر طبیعت کا سیلان ہوا سرسید کی جدید تعلیمی تحریک میں اور پھر ندوۃ العلماء کی مذہبی تحریک میں شریک ہوئے اور ہر قسم کی جانی و مالی خدمتیں انجام دیں۔ مدت تک ندوہ کے اعزازی، ناظم رہے، دارالمصنفین کے اساسی ارکان میں تھے، اور کمپنویں کی ہر جدیدہ تحریک میں ان کا نام سرفہرست رہتا تھا۔

وہ عربی زبان کے عالم، فارسی زبان کے ماہر اور اردو کے شائق اہل قلم تھے۔ فارسی شعر و سخن اور محاورات پر بہن کو عبور کامل حاصل تھا، فارسی کا مشکل سے کوئی اچھا شعر ہو گا جبران کو یاد نہ ہو، خود بھی فارسی میں اکثر اور اردو میں کمتر شعر کہتے تھے، انہوں نے اپنے والد ماجد کے زائرِ عروج میں دنیا بھر کے مشرقی ملّا و ففلا کی مصیبتیں اٹھائی تھیں، اور سوائے ملی وادبی چرچوں کے اُن کے کانوں میں کوئی بات بڑی بھی نہ تھی، ان کے لیے اُن کے والد نے ہرنے کے ہاکمال استاد مقرر کیے تھے جن کے سایہٴ تربیت میں وہ پل کر جواں ہوئے۔

وہ ہماری زبان کے مصنف بھی تھے۔ متعدد ذخیرے اور تاریخی کتابیں اُن کے قلم سے نکلیں، شعرا کے تذکرے ان کی جرات کی یادگار ہیں، فطرتِ اسلام اور آثارِ صدیقی ان کی بہترین کتابیں ہیں،

آخر میں "مردم دیدہ" کے نام سے ان بالکالوں کے سلاات مکھ رہے تھے، جن سے ان کو ملنے کا اتفاق ہوا، اور ان کی تعداد کچھ کم نہیں، اُن میں بڑا حصہ شعر کا تھا۔

وہ مولانا شبلی مرحوم کے بے تکلف دوستوں میں تھے اور ایک دوسرے کے پختہ تدبیر تھے۔ یہی وراثت منتقل ہو کر ہم تک پہنچی، موصوف کو ہم لوگوں سے اس درجے محبت اور شفقت تھی جو خاندانی محبت سے کسی طرح کم نہ تھی، اور اس کو اس وضع فاری سے بنا کر تیس برس کے عرصے میں ایک دفعہ بھی اس میں فرق نہ آیا۔ وہ مبتم اخلاق، حد درجہ پاک باطن اور نیک نیت تھے۔ شرف و فساد سے طبعی نقور، اور رنگامہ آرائیوں سے کوسوں دور تھے، متول کے باوجود خاکسار اور علم و فضل کے باوجود ملنسار تھے۔

مذہبی خیالات میں گودہ عقیدت کی طرف مائل تھے، لیکن اسی کے ساتھ مذہبی پابندی ان میں اتنی سخت تھی کہ ان کی ایک نماز بھی ان کے مقررہ وقت سے ملنے نہیں پاتی تھی اور رسم و رواج بدعات کا ان کے گھر میں نشان نہ تھا اور اس بارے میں وہ نہایت سخت تھے۔ ان کی عقل میں علم و فن، شعرو سخن اور قومی مسئلوں کے سوا کوئی اور مذکور نہ تھا۔ عربی کتابیں ان کو پڑھے ہوئے مدت ہو چکی تھی اور پیران کا کوئی مشغلہ نہ رہا، تاہم جیب ذکر آجاتا تو ان کو بھوسے ہوئے خواب کی طرح بہت سی باتیں یاد آجاتیں۔

۱۹۵۶ء

نور محل کے رہنے والے، تو بڑے باپ کا چشم و چراغ اور ایک پرلے خاندان کا چراغ
محر تھا، ۵۰، ۵۱، ۵۲ کو تیرا آخری دیدار نصیب ہوا، خیال نہ تھا کہ علم و فضل کا یہ ٹمٹا سا ہواد یا
اتنا جلد بکھر جائے والا ہے، اب تو وہاں ہو گا، جہاں خدا چاہے نور کے سوا عظمت کا گزر نہیں۔
صفی الدولہ احسام الملک اب تو وہاں ہے جہاں کسی کی دولت ہے اور نہ کسی کا ملک ہے، دعا
ہے کہ وہ شہنشاہِ وطنی الاطلاق اپنے ملک لازوال کی دولتِ جاوید سے تجھ کو سرفراز فرمائے،

(یادِ رنگار)

مترجم: السلام علیکم

اللہ اکبر! آپ کا مجھ پر الزام ہے کہ میں خبرِ خاطر تو نہیں رکھتا یہ شیشہ اب اس قدر چور ہے کہ خبرِ پڑے بغیر بھی کوئی عکس نہیں دیتا نہ اپنا ہی چہرہ اس میں نظر آتا ہے نہ کسی اور کا۔ فطرت کا شاعر نہیں ہوں۔ مگر احساس کا شاعر ضرور ہوں۔ جس قدر میں اپنے دل میں احساس کی تکلیف اٹھاتا ہوں۔ اسی قدر واقعی اور مادی تکالیف کا احساس نہیں کرتا ہوں۔ یہ میری طبیعت ہے اس کو میں کیا کروں۔ وہ سمجھتا ہے میں گم رہی جگہ سے عاری ہوں۔ بہر آپ یقین جانیے کہ میری خاموشی کسی خاص اثر کا نتیجہ نہیں بلکہ تمام تر اپنی مصروفیت کا نتیجہ ہے۔ دن تو بترت اور مصارف کے کاموں کے مندر ہوتا ہے اور رات ماضی کے خیال اور مستقبل کی فکر میں۔ اپنے کو ایک بڑے کام کے لیے تیار کرنا چاہتا ہوں دیکھیے کہاں تک عملی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ خدا کے ہاتھ

جس سلیمان نے آپ سے وعدہ کیا تھا وہ تو اس دنیا میں موجود نہیں اور جو موجود ہے اس کو وعدہ کی خبر نہیں۔ اگر کوئی اور تدبیر ممکن ہو تو اس سلیمان کو اس سلیمان کا ذمہ دار نہ بنائیے۔

اچھا ہوں لیکن پاؤں کی تکلیف ہنوز باقی ہے۔ شاید رنگیں اپنی جگہ پر نہیں آئی ہیں۔
آج کل دینسہ کی پالیٹکس کیا ہے؟

والسلام

سید سلیمان - ۲۲ نومبر ۱۹۷۷ء

غیر معجزہ حواشی فاضل مکتوب نگار کے قلم سے ہیں

دارالافتین۔ اعظم گڑھ
محترم السلام علیکم۔

آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے جیسا زرد رنگ کی پسیدہ کا ذکر ہے۔ اُس سے معمولی زرد رنگ مراد ہے۔ اور جیسا صانعت کا ذکر ہے اُس سے مغفان کا رنگ مراد ہے۔ طبع دوم میں اس تشابہ اور غلط فہمی کو واضح کر دوں گا۔

کتنے آدمی ہیں جو کہتے ہیں مگر چوں کہ مل کا ارادہ نہیں ہوتا اس لیے اُن کی تلاش قسم کی باتوں پر نہیں پڑتی خدا ہر شخص کو کتابوں کو مورد تہق سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیرۃ کی تیسری جلد طبع میں ہے۔ یہ حصہ معجزات پر ہے۔ والسلام

سید سلیمان ۷ ارجنوری ۱۳۸۵ھ

اعظم گڑھ

مکرم و عظیم السلام!

محترم نامہ کا شکریہ۔ یہ آپ اچھا کر رہے ہیں کہ اُس ذہن کی کتاب پر ایک مفصل تنقید کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس کے قابل اعراف مقامات مولوی خواجہ عبدالواجد صاحب ندوی ایم۔ اے پیو فیئر مشن کالج کاپنور سے پوچھیے۔ انھوں نے اُس کا ترجمہ اردو میں (انجمن ترقی اردو کے لیے) کیا ہے۔ اور اُس پر حواشی تردیدی لکھے ہیں۔

”نگارہ کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ شبایات و اہیات مضامین کے ذریعے سے نوجوان طالب علموں میں اتحاد کا بیج بوتا ہے۔ اگر صرف پنجاب میں اس کا بایکٹا ہو جائے۔

۱۔ سیرۃ النبی کی دوسری جلد کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک جگہ میں نے پڑھا کہ

مفسر کو زرد رنگ بہت پسند تھا۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ حضرت اس سے لغت فرماتے تھے۔ میں نے مولانا سے اس تعناد کی وجہ دریافت کی۔ یہ خط اسی استفسار کے جواب میں ہے۔

تو اس کی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے۔ آئندہ ہفتہ میں ہمت مکتون میں ایک مراسلہ اس کی بابت
 پھیلے گا۔ وہ ہر آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اخراجات میں شرکت کا شکریہ ا
 انتساب کے اڈیٹر وٹل کو اس کی بابت لکھا۔ مگر جواب سے بھی عرومی رہی۔ تاہم دیگران
 چہ رسد۔

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریا بادی عنقریب اس کام کو شروع کریں
 گے۔ میں آپ کا خط ان کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں۔

والسلام
 سید سلیمان - یکم ستمبر ۱۹۳۱ء

(۲۲)

شبلی ہوشل
 بادشاہ باغ مکتون
 مکرم! اسلام علیکم
 نامہ مالی کا شکریہ۔ نکلن کی کتاب کا کیا حشر ہوا! پروفیسر شفیع صاحب کا بھی معافی طلب
 ہے۔

نیاز کا قلم نگار توبہ اللہ ختم ہوا۔ احمد مہار کے متعلق آپ نے جن معلومات سے بہرہ ور
 کیا ہے۔ ان کا شکریہ۔ تاج کے جس مضمون میں آپ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میں وہی مضمون
 چاہتا ہوں کہ آپ کو کس سند کی بنا پر علم ہوا کہ اس کا ہاتھ تاج میں جگہ ہے۔
 آپ کا مضمون کتبہ دیوبند معارف میں بھیج دیا ہے۔ دفتر سے اطلاع ملی ہے کہ مضمون
 عالمگیر آپ کو بھیج دیا گیا ہے۔

سرکار کی غلطی کا اظہار آپ نے خوب کیا ہے۔ والسلام
 سید سلیمان - ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء

۱۔ مولانا فہام رسول مہار اور مولانا عبدالمجید سالک کی طرف اشارہ ہے۔
 ۲۔ اس خط کا یہ حصہ میرے متعلق ہے اور بعد کا ذکر عبداللہ چشتی کے متعلق ہے۔ اتفاق سے ہم دونوں
 کی خط و کتابت ایک وقت ہو رہی تھی۔ مولانا نے درود کو ایک بھیج دیا۔ میں نے قریشی اور چشتی کی
 طرف توجہ دلائی تو آپ نے التباس نام میں غلطی کا اعتراف کیا (ج۔ قریشی)۔ سید جادونا تھ سکا دشہور مورخ۔

دارا المعنفین اعظم گروہ
مکرم و ملکیم السلام!

شرمندہ ہوں کہ اس التباس نام میں دودھ مجھ سے غلطی ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں ان سے خط و کتابت جاری تھی کہ آپ کا عنایت نامہ آیا۔ اس سے ذہن شاکستہ ام کے بجائے وحدت الہیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آئندہ آپ کی نسبت قریش کو دھیان میں رکھوں گا۔ آج ہی قرآن کی اس آیت **وَجَعَلْنَا كُتُبًا وَتِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ** کا امتیازی مطلب نمایاں ہوا۔

میں نے خواجہ عبدالوحید نہیں پر وفیسر خواجہ عبدالواجد ندوی ایم اے پروفیسر مشن کالج، کانپور کا نام لکھا تھا انھوں نے (انجمن) ترقی اردو کے اشارے سے اس کا (نکلسن) کی کتاب اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مناسب حواشی تردیدی لکھے ہیں۔ وہ اس کتاب کے حسن و قبح پر پوری نظر رکھتے ہیں۔ میں نے بھی انھیں سے اس کتاب پر ریویو کی فرمائش کی ہے۔ آپ نے کون سی چند باتیں دریافت کی تھیں؟ مطلق یاد نہیں۔ آج کل انحراف بحث کے سبب بات پوری طرح یاد نہیں رہتی۔

آپ ہی نے توفارسی ہندو ادبیات پر ریسرچ کا کام کیا ہے۔ کیا آپ کی کتاب چھپ گئی؟ پروفیسر شفیع صاحب کا ایک خط اس باب میں میرے پاس بھی آیا تھا مگر میں نے ان کے خیال سے موافقت نہیں کی۔

والسلام
سید سلیمان - ۲۱ نومبر ۱۹۸۱ء

عبدالقیوم ابن مولوی عبدالکلیم دیسنوی

(۳۳)

جدہ

بفرت اخی العظم دام مجدہ الاسلام علیکم

خدا کا بے انتہا شکر ہے کہ میں بالکل اچھا ہوں، باوجود اس کے کہ جدہ میری مقام ہے مگر میں ہر طرح محفوظ ہوں، سمندر کے کنارے جہاں حاجی لوگ اترتے ہیں، اس عمارت کے مقابل ایک عمارت ہے جو شریف عبداللہ کی بنوائی ہوئی ہے، اور اب میں وہ شرفا کی ملکیت ہے، اسی کی تیسری چوتھی منزل میں ٹھہرایا گیا ہوں۔

شریف علی اور ان کے تمام وزراء سے بار بار ملاقات کر چکا ہوں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ شریف علی کی فوج جدہ میں مستحکم ہو کر بند ہے، اچھا خاصا سامان، توپیں ہیں، یہ یاد ہے، گواڈمی کم ہیں۔ اور عربین سود کے پاس بدبو بہت ہیں مگر سامان حرب نہیں ہے اور عرب کے فوجی کو امرار ہے کہ شریف علی کو پہلے بادشاہ مان لو۔ اور عربی انکار ہے کہ ہم شریف حسین کے خاندان کو کبھی بادشاہ عمار نہ مانیں گے۔ ہم نے سلطان کو اپنی آمد کا خط لکھا تھا، انھوں نے خط پا کر ملایا، مگر شریف کی حکومت شریف کی بادشاہی ماننے بغیر آگے نہیں جانے دیتی یہ معاملہ جلد ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔

اگر مرکزی خلافت کمیٹی سے واپسی کا حکم ہو گیا تو ہم بہت جلد دو ایک ہفتہ کے اندر واپس کا سامان کریں گے، اور اگر رکنا پڑا تو نہیں کہہ سکتا کہ کب تک رکنا پڑے گا۔
بھائی صاحب کو سلام فرمادیجیے، رقیہ و عمار کو دعا۔ ہاجرہ کو دعا کہہ دیجیے گا۔ جب سے دینہ سے نکلا ہوں، آج تک کسی کا خط نہیں پہنچا ہے، اب اگر خط لکھے تو میرا نام نہ مرنے جدہ کا ہے، میرے نام کے ساتھ رئیس الوفد الہندہ کہہ دیجیے گا۔

والسلام

سید سلیمان - ۱۷ جنوری ۱۹۲۵ء

پروفیسر مبین عبد العزیز

(۲۵)

صدیقی الجلیل اسعدک اللہ!

والا اللہ نے مشرف کیا، ایک شامی عیسائی عرب نے (امین ریحانی نام ہے) ابوالعلماء کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، جدہ میں اس کا ساتھ تھا، اس کی بڑی کوشش تھی کہ تمام عرب طریقہ ابوالعلماء پر آجائیں، تو بیڑا پار ہے۔ آپ کا ابوالعلماء چرخہ مٹی کے معارف میں نکلے گا۔ اس کی ایک کاپی گاندھی جی کے پاس بھی بیج دوں گا۔

ندوہ میں ضرور آئیے۔ تاریخ مناسب ہے، کم جون کو مدرسہ کھلے گا، ہمارے ہاں لڑکوں کی بڑی تعداد نہیں چھوٹے سے لے کر بڑے تک صرف ۵۰ ہے، مگر کیفیت بہتر بن ہے۔

ماضی ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں کوئی یقینی خالص ادیب نہیں، مولوی یوسف ندوی اور مولوی عبدالرحمن گرامی ہیں، خاصے ادیب ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ مگر خصوصی نہیں، خواجہ عبدالواحد ندوی تھے، مگر وہ قسمت دیکھیے کہ مشن کالج کانپور میں لڑکوں کو فارسی پڑھاتے ہیں۔ کیوں کہ وہاں ان کو سوا سولہ تھے ہیں اور ہم سو سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ عدا سر کی آمدنی کم ہے، لیکن لوگوں کی ضروریات بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر ایثار نہیں کر سکتے۔ اچھے لوگ کیوں کرائیں، مستقبل سخت تاریک ہے، جدید علماء میں برابر سلطنت آ رہی ہے۔ میں نے الزہراء اب تک نہیں دیکھا ہے۔ مہربانی کر کے ایک کاپی بیج دیجیے۔ دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ رجسٹرڈ ہو تو اچھا ہے۔ اور نیشنل کالج کامیگزین دیکھا، ماشاء اللہ!

سید سلیمان

۱۸ مئی ۱۹۲۵ء

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ (لاہور)

۲۶

صدیق الغاضل الامیر الکرم ادام اللہ سعده: السلام علیکم۔

آپ کے متعدد خطوط میرے ذمہ واجب الادا ہیں، میرا مفدیہ ہے کہ میں ۲۱ جون سے ۱۴ جولائی تک اپنے مستقر سے باہر شہر بہ شہر مزدہ کے چندہ کے لیے مارا مارا پھرا، ڈاک کہیں نہیں مل گئی، واپس اگر آپ کے اکٹھے کئی خطوط ملے، کل کی ڈاک سے معنون کتب خانہ شرفانیہ اور رسالہ تاریخ قردان لا، شکر بہ مزید، آپ ابھی تک غالباً حیدر آباد ہی میں ہوں گے۔ اس لیے یہ خط دیں گے پتے سے بھیجتا ہوں، رسلے بھی وہیں بھیجتا ہوں۔

معارف میں معاینہ نگاروں کے معاوضہ کے معنی آپ کیا سمجھے۔ اسٹنٹنڈ اڈیٹر اور سب اڈیٹر میں نے تو حسب وعدہ آپ سے لکھتے ہیں میں سفر کابل مانگا تھا، مگر آپ نے جیسا شرم کورہ دیا اور انکار کیا۔ اب آپ کا کارڈ آیا ہے، اس کے مطابق میں دفتر مزدہ میں لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ ۲۰۱۵ دن میں بل منظور ہو جائے اور آپ کو لاہور کے پتے سے مل جائے گا۔

مولانا شروانی نے آپ کی آمد اور آپ کی ملاقات پر ایک خط میں بے حد خوشی ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ ”جیسا تم نے لکھا تھا ویسا ہی پایا“

مولانا کے ناتمام قصیدہ فارسی مطبوعہ معارف کے متعلق ایک اور صاحب نے جو اس زمانے میں حیدر آباد میں تھے، وہی بات لکھی ہے جو آپ نے نواب اکبر یار جنگ کی زبانی نقل کی ہے، شہر واکتور میں میرا عزم مدد اس میں قیام کا ہے۔

معارف میں جون، جولائی کا رسل ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۲ اگست ۱۳۵۲ھ

۲۷

دارالمعتنفین، اعظم گڑھ
کرم، السلام علیکم۔

آپ کا دلچسپ معنون چڑھا۔ آپ نے تو خاک کے تودہ سے سونے کے ذرات

نکلنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون معارف میں شائع ہو گا، تمہید مکھ دی جائے گی۔
پچھلے تازہ اور نیل میگزین میں آپ کے [مقالہ] ایک مضمون تاج محل کا نمبر فہرست سال
میں درج ہے۔ مگر سال میں نہیں، یا اس نسخہ میں نہیں، جو میرے پاس آیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا آپ
وہ نمبر مجھے بھجوا دیں گے؟

ماشاء اللہ آپ کا میگزین اپنی انفرادی شان میں برابر ترقی کر رہا ہے۔ نقد و ہجو کا مستقل
عنوان بڑھا کر آپ لوگوں نے بڑا کام کیا ہے۔

لطیف فیضی والا مضمون ایک لطیفہ تھا۔ میرے ایک دوست کو یہ ناز تھا کہ یہ نسخہ صرف
انہیں کے پاس ہے۔ اس لیے میں نے ان کا خط چھاپ کر لوگوں سے خواہش کی تھی کہ جس کے پاس
اس کا نسخہ ہو وہ مطلع فرمائیں۔ اس سلسلے میں وہ مضمون آیا تھا۔

شاید دسمبر کے آخر میں ملاقات ہو، مگر ابھی یقین نہیں۔ ادارہ معارف کا جلسہ کیا اس سال
دلی میں ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

(۲۸)

دارالمعتنفین، افلم گڑھ

مکرم! السلام علیکم

سر سید کے تعلق سے ایک تو وہ ملحق ہے جو علی گڑھ کے ماحول میں پیکر کا ستارہ۔ تو وہ
تو وہی ہیں جن کا نام آپ نے لکھا ہے، بین حالی، تدبیر احمد شلی، وقار الملک و حسن الملک،
مگر دوسرے وہ ہیں جو ان سے متاثر ہوئے، ان میں آپ خلیفہ محمد حسین صاحب معتقت اعجاز التزیل
مولوی ستار علی صاحب تہذیب نسواں، مولوی بشیر الدین صاحب البشیر، اور مولوی سراج دین

شاہد اکرم عبداللہ چغتائی نے پیرس کے کتب خانہ بین النہی میں ایک مخطوطہ دریافت کیا تھا اور اسے
اور نیل کالج میگزین (لاہور) کے نومبر ۱۹۳۷ء کے شمارے میں "یادداشت رونمہ تاج محل اگرہ"
کے عنوان سے یہ نو نمبر چھپوایا تھا۔ یہ یادداشت ساٹھ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس وقت تک
سید صاحب کو دستیاب نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں چغتائی صاحب نے انہیں بیچ دی تھی
سید صاحب نے اس کے واقعی ہونے میں شک کیا تھا لیکن وہ اس وقت اور بعد میں
میں اس کا کوئی ثبوت میا نہیں کر سکے تھے
۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۳۸ء

اڈیٹر چودھویں صدی راولپنڈی مصنف سیرۃ صلاح الدین، القادوق و مولوی وحید الدینی صاحب تعلیم وغیرہ ہیں۔

شرر پر آخر سر سید کی تحریک کا ہوا ہو، مگر اس دائرہ میں نہ تھے۔

مضمون مارچ میں چھپ رہا ہے، تمہید لکھ دی گئی ہے، خدا کرے پسند آئے۔ والسلام
۷ مارچ ۱۹۳۸ء
سید سلیمان

(۲۹)

دارالمنین، اعظم گڑھ
مکرم، السلام علیکم۔

عنایت نامہ ملا۔ جہات میرے دل میں تھی، وہ کاغذ پڑا گئی، باقی جدھر آپ کا خیال
گیا وہ صف اول سے آگے۔ صف اولین میں ہیں، الندوہ کا آغاز جمادی الاول ۱۳۲۷ھ
سے ہوا۔

اور الندوہ مرتبہ مولانا شبلی کا خاتمہ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ پر ہوا۔ اس کے بعد چند روز
اور لوگ نکالتے رہے۔ پھر بند ہو گیا۔ اس کے جراثیم اڈیٹر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی
تھے اس میں باہر کے لوگ بہت کم کھتے تھے، شروع میں شروانی صاحب بھی کچھ کھتے
تھے۔

ایڈیٹروں کے علاوہ اس کے سنبل اڈیٹر کھا کرتے تھے، سب سے پہلے سنبل ایڈیٹر
مولانا ابوالکلام آزاد ہونے لگے، ان کا زمانہ ۱۹۰۷ء و ۱۹۱۰ء پھر مولانا عبد اللہ عسکری ہوتے،
پھر خاکسار ہوا۔ میرے بعد مولانا عبد السلام صاحب ندوی ہوتے، پھر میں ہوا، پھر میرے
ہی ہاتھ میں بند ہوا، اور انھیں لوگوں کے مضامین اس میں ہوتے تھے، ضیاء الحسن طوی ایم اے
ندوی رجسٹرار امتحانات مرلی و فارس الہ آباد، خواجہ عبدالواجد ندوی ایم اے کانپور ضیاء سلیمان
صاحب پھولاروی، مولانا سید عبدالحی صاحب انظم ندوہ وغیرہ کے مضمون کبھی کبھی نکلتے۔

۱۳۷ مولانا آزاد کی سب ایڈیٹری کا زمانہ اکتوبر ۱۹۱۷ء سے شروع ہو کر مارچ ۱۹۲۷ء پر ختم
ہوتا ہے۔

اس کے امتیازی خصوصیات، مذہبی تاریخی اور ملی تھے۔ والسلام
 سید سلیمان
 ۲۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(۲۰)

دارالمحققین اعظم مولانا
 مکرم! اسلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ جون کا جواب ۲۳ جولائی کو دینا ہر چند آئین اخلاق سے دور ہے، مگر چند سال سے یہ عہد کیا ہے کہ ڈھائی بیسے گویوں کے کسی کورہ میں بسر کروں جو تمدن جدید کی رعنائیوں سے خالی ہو، چنانچہ یکم مئی سے ۱۵ جولائی تک وہیں بسر ہوا، اسی اثنائیں عنایت نامہ آیا۔

شرقی صاحب کے ”تذکرہ پندرہویں“ میں نے لکھا تھا، جو زندہ رہیں چھپا تھا۔ اسرت سر میں مولانا قاسمی صاحب نے چند رسالوں کے ساتھ اس مضمون کو بھی بچا پاس ہے، ان سے طلب فرمائیے میرے پاس نہیں۔

یہ صاحب سرسید سے بھی آگے ہیں، اور کم از کم ”تذکرہ“ کا فلسفہ ایسی جہالت کی بنیاد پر قائم ہے، جس کا ڈھانا ہر سمجھ دار مسلمان کا فرض ہے۔ باقی مسلمانوں کی عسکری تنظیم کے مقصد سے ہیں اختلاف نہیں۔ سطح اتنی ساکن ہے کہ اس میں حرکت پیدا کرنے کے لیے کوئی تنغیسی قوت جو غیر اشتدادی عسکریت پر مبنی ہو بے حد ضروری ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۳ جولائی ۱۹۳۹ء

آپ کی کتاب کے جو نمبرے نظر سے گزرے وہ بہت دلچسپ اور مفید معلوم ہوئے۔ اب پوری کتاب ایک ساتھ دیکھوں گا۔ آپ نے سیرت کی چوتھی جلد ملاحظہ کی۔ والسلام

۲۲-۲۴ نڈرسن اسٹریٹ، مدراس

مخدوم محترم دام کرۃ! السلام علیکم

آپ کے اخیر تار نے مجھے بے چین کر دیا، کئی دفعہ تار کھوایا، اور بھر کٹوایا، یقین جانے
کرات جبر سکون سے نیند نہیں آئی، گویوں ہی دماغ کی خشکی اور معدہ کی تخیر کے باعث تین
ہفتے ہو گئے کہ نیند کی اصل لذت سے محروم ہوں، مگر آج کی شب تو صرف کروٹ ہی بدلتے
بدلتے گزر گئی اور زبان پر یہ صریح تھا، ”دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور“
گوئیں اپنے پہلے خط میں اپنی معذرت کے اسباب پوری طرح کھجکا ہوں، مگر آپ
نے شاید باور نہیں کیا، اس لیے میں دوبارہ اپنا عافیہ بیان پیش کرتا ہوں اور یہ اس لیے کہ
مجھے آپ کے ساتھ جو محبت ہے اس کی وجہ سے یہ خیال کر کے دل میں تکلیف محسوس
کرتا ہوں کہ آپ میرے عذرات کو محض یہاں تصور کرتے ہیں۔

۱۔ میں یہاں چند ہفتوں کے لیے مسافرانہ آیا، اسباب و سامان جو ایسے بڑے سفر میں جہز
کے لیے درکار ہوتے وہ ساتھ نہیں، پاسپورٹ میرے پاس نہیں۔ پھیلا پاسپورٹ کہیں منظم گروہ
میں پڑا ہے۔ پاسپورٹ مدراس میں نہیں مل سکتا، بمبئی میں نہیں مل سکتا، پھر کیوں کر، اگر ایسی
بہرے سرد سامانی چل کھڑا ہوں تو ۲۹ کو کراچی یا ۳۱ کو بمبئی پنی آؤسے روانہ ہو سکتا ہوں۔
خوار فرمائیے۔

۲۔ ہر شخص جو کچھ بھی اپنے پیچھے تعلقات رکھتا ہے، وہ کسی بڑے سفر سے پہلے کچھ
انتظامات کرتا ہے۔ میں ٹپنہ کے جلسے میں شریک ہو کر ابھی تک اعظم گڑھ نہیں گیا، چند
ہفتوں کے لیے دارالمعتنفین اور مصارف کالام شمال کر، اور مبلغ میں چھپنے کی چیزوں کا

ملہ وند خلافت میں شریک ہو کر مجاز کے حالات و مسائل کے مطالعہ و تعصیب کے لیے ہانکے سفر اور ٹپنہ
آل سود کی منتقدہ موزا اسلامی میں شرکت کا مسند و پیش تھا۔

ملہ ۱۹۱۵ء میں وند خلافت میں شریک ہو کر مجاز جانے کے لیے نکلے تھے لیکن یہ وند جہہ میں دوبارہ کے
قیام کے بعد کام واپس آ گیا تھا۔

سامان کر کے مدراس چلا آیا، میں نے مجلس عالم میں شرکت وفد سے انکار کر دیا تھا، اب ادھر آپ کے تاروں نے بتایا کہ میرا نام ضروری ہے اور مٹ نہیں سکتا۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ میں اعظم گڑھ جاکر چند مہینوں کے کام متعین کر دوں، مطبع میں کتابوں کی چھپائی کا کام مقرر کروں، معارف کے مضامین کا سامان کر جاؤں۔ پچھلی دفعہ جب یورپ گیا خوش قسمتی سے میرے شریک ادارت مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی تھے، انھوں نے معارف سے مجھے مستفنی کر دیا تھا۔ اور مطبع میں سیرت دوم کا کام سال بھر کے لیے کافی تھا، دوسری مرتبہ مہینوں کا کام درست کر کے گیا، اب نہ مولوی عبدالماجد صاحب ہیں اور نہ مولوی ابوالکلام مرحوم، اور نہ اور کوئی کام سنبھالتے والا ہے۔ بایں ہمہ مجھے عرب کے سفر کے لیے مدراس سے واپس جاکر چند مہینوں کے انتظامات اپنی غیر حاضری کے زمانے کے درست کر کے تیار ہونا تھا، اور اس کا موقع نہیں، ایسی حالت میں جانے کے معنی معارف اور دارالمتنفین کے بند کر دینے کے ہیں۔

۲۔ مصیبت جیب آتی ہے ایک ساتھ آتی ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب کی بھتیجی کی شادی درپیش ہے، بہت دنوں سے وہ ٹال رہے تھے، نومبر کا مہینہ فریق دوم نے آخری مہینہ مقرر کیا ہے، اگر شادی کیجیے یا جواب دیجیے اور یہی مہینہ ان کے دو ہزار داسے قرض کی قسط کا ہے۔ جس کا قسط شاید آپ جانتے ہوں، اس لیے وہ ادائیگی نومبر سے ایک ماہ کے لیے دارالمتنفین چھوڑ کر مجبوراً مکان رہیں گے، اور دارالمتنفین کے لیے ہم میں سے ایک کارنامہ ضروری ہے اور اسی لیے ان کو آزاد کرنے کے لیے مجھے یہاں سے دو چار روزیں روانہ ہو جانا ہے، کیوں کہ یہاں جو بیگز دیے تھے وہ ختم ہو چکے، صرف ایک باقی ہے جو آج کا میں ہو جائے گا۔

۴۔ میں باقاعدہ دارالمتنفین کا نوکر ہوں، اس میں دونوں طرح کے ارکان ہیں سپریریپ گیا تو بلا اطلاع گیا، اور تنخواہ جاری رہی گرائس وقت ہو ایسی تھی کہ وہ مخالفت نہ کر سکے۔ دوسری دفعہ مجاز گیا تو ان کی اجازت لے کر تین مہینہ کی رخصت پر گیا، مگر اس دفعہ باہم بد مزگی ہوئی۔

لے ۱۹۲۲ء میں وفد خلافت میں شامل ہو کر یورپ کے سفر کی طرف اشارہ ہے۔
 لے اسی سفر مدراس میں سید صاحب نے سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر معرکہ آرا بیگز دیے تھے جو بعد میں خطبات مدراس کے نام سے بیع ہو کر مشہور و مقبول عالم ہو چکے ہیں۔

اب اس دفعہ پھر اس بد مزگی کو بڑھانا سوسائٹی یعنی دارالمعتنفین کو براہِ یاد کرنا ہے، ان میں بعض وہ ممبر بھی ہیں جن کے ذریعے سے حیدر آباد کی امداد آتی ہے لیکن یا تو مستغنی ہو جانا چاہیے یا دارالمعتنفین کو باہمی اختلاف کی بنا پر توڑ دینا چاہیے۔ گو میں اب بھی زبردستی جاسکتا ہوں، مگر بار بار درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

۵۔ مددہ کا قصہ یہ ہے کہ نو مہر کے آغوشِ انبالہ میں اس کا سالانہ جلسہ ہے، مولوی مسعود علی صاحب اپنی خانگی مفردتوں کے باعث گھر سے باہر نہیں ہو سکتے، اب مجھ کو اس جلسے کو سنبھالنا ہے، اس ہینے میں میری غیر حاضری کے باعث بعض مخالف ارکان نے مدرسہ پر مجلس تحقیقاتِ تعلیم و اخلاق یعنی انگریزیشن بھر پر قائم کیا ہے، تاکہ میرے زمانہِ معتمدی پر الزام رکھ کر مجھے بدنام کیا جا سکے، اس سے پریشان ہوں، اس کے بھاڑ کی صورت کرنا ہے، ایک مدرسہ کا انتقال ہو گیا اس کی جگہ کا انتظام بھی کرنا ہے، نصاب بنانا اور بنوانا ہے اور سرمایہ کی فراہمی کا انتظام کرنا ہے، یہ سب تو دور دور کی یعنی آفیشل میموریاں تھیں، اب میں آخر پناہ جسم آپ کو دکھاتا ہوں، بددب سے یہ بیماری لے کر آیا کہ کھانے کے دو گھنٹے بعد گھر سے لے کر گردہ تک درد ہوتا ہے، علاج سے دب جاتا ہے اور پھر ہو جاتا ہے، اس کے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خاص قسم کی غذا کھائی جائے اور خاص طریق سے رہا جائے، آپ اپنی مہربانی سے ہر قسم کا انتظام اپنے سر لینے کو تیار ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں عرب کو دیکھ چکا ہوں اور آپ صرف سن کر فرماتے ہیں۔ پھل دفعہ عرب کے سفر نے پھر مرض کو پیدا کر دیا، بلکہ اور ایک نئے مرض میں مبتلا کر دیا۔ عرب میں گوشت مومنہ دینے کا ہوتا ہے جو میرے لیے زہرِ ردیٰ یا زاروں میں خیر کی کپتی ہے نہایت ثقیل، سبزیاں اور ترکاریاں جو میں کھاتا ہوں وہاں نہیں ملتیں، پھل دفعہ ہندوستانی باد پڑی دکھایا، مگر گوشت اور ردیٰ کی قسم کو وہ کیا کرتا، وہاں درد شروع ہو گیا، تو دو دوا بھی بہ شکلِ میسر آسکی، اینٹ کو آگ میں گرم کر کے اس سے جگر، پیٹ اور گردہ کو سبک کر علاج کرتا تھا اور لیکن حاصل کرتا تھا۔ پاخانہ کا وہاں سسٹم ایسا ہے جو ایک دائم المرض کے لیے سودا بن روح ہے۔ کہہ نہیں سکتا کہ ایک مہینے میں اس کی کیا تکلیف وہاں اٹھاتی ہے، اس سے ایک مرض نیا یہ تھوڑا ہوا کہ دونوں سر میں کے بیچ میں کوئی رگ، یا ٹھنڈا یا ٹھنڈی ہے، اس میں درد ہو جاتا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے، اور اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اس حالت میں موٹر کی سواری پر بھی حرکت ہوتی ہے، اور جان نکل جاتی ہے، ایسی حالت میں راج سے کہ حلقہ تک

کئی دن اونٹ یا شغفت کی سواری میرے لیے ناقابلِ تحمل ہے۔ دماغ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ذرا سی فکر یا کسی خیال کی آمد سے میند جاتی رہتی ہے، تین مہینے سے یہ حال ہے، قلب پر یہ اثر ہے کہ بالکل انفرادی اور پشردگی لگتی ہے، ذرا سا بولتا ہوں یا تقویٰ برکتا ہوں تو تنہا جاتا ہوں اور سینہ میں درد ہو جاتا ہے۔ یہاں آیا تھا کہ کام کے ساتھ کچھ تفریح اور تبدیلی آب و ہوا ہو جائے گی، یہاں ایک مرض جو ہمارا ہاتھ موک رہا یا بین قادرہ میں سوزش، بعد ایک مرض ترقی کر گیا مین سوزش اور درد شکم کے ساتھ دو تین دھند دست۔ ڈاکٹری علاج یہاں کیا کئی فائدہ نہ ہوا، آخر ایک ہفتہ کے لیے بنگلور گیا تھا، وہاں حکیم صاحب قبلہ کے ایک مستند شاگرد حکیم ہیں انھوں نے دیکھا اور دو مین یونانی قرص، سمون اور شربت تجویز کیا ہے جو روزانہ استعمال میں ہے اور اس سے کسی قدر تخفیف ہے۔

میں نے اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔ ناز و خرو اور بہانے کی عادت نہیں، اور نہ طبع دنیا میں گرفتار ہوں، میری سات آٹھ برس کی ملاقات آپ سے ہے۔ آپ جیسے آدمیوں کی شناخت کے مدعی سے میرا کوئی عیب یا ہنر چھپا نہ ہوگا، خدا جانتا ہے کہ آپ کی خواہش کو پوری نہ کرنے کا کس درجہ افسوس ہے، میں گنہگار ہوں، اور اپنی گنہگاری کی سزا آپ کے ہاتھ سے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ کیا کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

میں دو چار روز میں یعنی یکم نومبر کو اعظم گڑھ روانہ ہو جاؤں گا۔ والسلام
سید سلیمان۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۲)

اعظم گڑھ

محترم دوست الطافؑ! اسلام علیکم۔

واللہ نامہ کا شکریہ، ایں بہ بیداری است یا رب یا بخواب، خواہ کسی دوست کی ضرورت ہی سے آپ نے یاد تو کیا اور اس پر شکریہ واجب،

میں توقیمات و مجلسات کی دنیا سے شاید تین سال سے کنارہ کش ہوں، امر وہ کہ واقعہ اتفاق تھا، میں علی گڑھ جا رہا تھا کیچ میں یہ حادثہ پیش آیا،

آپ کی طرح میرے اکثر ملنے والوں نے امر وہ کے فیصلے کو میری قوتِ تقریر کا نتیجہ بنا کر

مورد الزام بنایا، غیر بحث تو انگ رہی کہ اس پر مورد الزام بنا نامناسب ہے یا مورد واکرام! بہر حال اگر یہ صحیح ہے تو مجھے مسزور ہونے دیجیے کہ میں اس قدر پرتاثر مقرر ہوں کہ حاضرین کو جدھر چاہوں جھونک دوں۔

آپ کے خط پر، خلافت کیٹن آفس کا پتہ پڑھ کر میں چونک گیا کہ بارالہا! میں اور خلافت کیٹن آپ نے دیکھا جس معاملے پر آپ کی خلافت کیٹن نے مجھے مطلع کیا، اس کا شریک ہوا، اور ابی سودے بگاڑ کر کیا پایا، یا کیا کر سکے! بہر حال گزشتہ آنچہ گزشتہ اب صرف اس کی تیغ یاد باقی رہ گئی ہے، زمانہ اس کو بھی مٹا دے گا۔

گھست میں کھنڈاگر میری زیارت آپ نہیں کر سکتے، اگر اس فرض کو ادا کرنا ہے تو اعظم گڑھ آنا پڑے گا۔ آپ والا خلافت سے جہاں چاہیں جاسکتے ہیں، مگر جہاں ہے وہ دارالخلافت نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے پرکیف حالات سے میں بے گانہ نہیں ہوں، اللہم زد فرما آپ نے مولویوں کو چھوڑ کر گورنمنٹوں سے عہدہ مانگا، کیا پوچھ سکتا ہوں — تو عہدہ باکر، واکر، گہستقی۔

بہر حال آپ نے جس معاملے کی نسبت لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سالہا سال کے تجربوں کے بعد بڑے کر لینا پڑا، انجینیئروں کا معاملہ سخت نقصان رساں ہے، بیسیوں واقعات پیش کیجئے، شروع میں جوش پیدا ہوا اور پھر جب مشکل آپڑی یا نقصان آیا تو کتا بوں تک کو واپس نہ کیا، سید جالب اور حانیہ بک ڈپو، زمانہ بک ڈپو، اور خدا جاتے کون کون، اکابر سے معاملہ پڑا اور سخت نقصان دار المعنفین نے اٹھایا۔ اس وقت سے ہم لوگوں نے یہ قاعدہ بتایا ہے کہ کسی کو ایجنسی اس طرح نہ دی جائے، آپ بھی اپنے دوست کا تجربہ کر لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے اہل ملک اور ہم قوم کہاں تک حسن معاملہ کی صلاحیت رکھتے ہیں، بہر حال چوں کہ آپ نے لکھا ہے، اس لیے ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ آپ ان سے سو روپیہ چگی، مجموعہ دیجیے، اور فہرست یہ بھی جاتی ہے اس میں سے وہ ایک کتاب کے جس کو وہ رکھنا پسند کریں، ایک ایک دو دو لکھ منگوا لیں اور ہر مہینہ کے آخر میں جو حساب و کتاب ہو وہ دیتے رہیں اور قیمت ادا کرتے رہیں، مولوی عبد الماجد کی تعنیفات بھی یہیں سے ملتی ہیں، اور ان کے لیے بھی یہی شرائط ہیں۔

براہ منایت اپنے دوست سے فرمائیے کہ آئندہ معاملات کے متعلق مولانا مسعود علی صاحب منبر دار المعنفین کو لکھیں اور ملے کریں۔

مولانا شوکت علی صاحب کو سلام فرادیجیے۔ والسلام

سید سلیمان - ۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء

مکتوب الیہ کے انتقال پر فاضل مکتوب نگار نے معارف میں ان الفاظ میں ان کا
اتم کیا:

ایک مجاہد کا اتم

مولانا محمد عرفان خاں صاحب محمد خلافت بیٹی کی ناگہانی وفات کی خبر اخباروں کے
ذریعے آپ تک پہنچی ہوگی۔ مرحوم ہزارہ سرحد کے رہتے واسے تھے، اور سلسلہ خیر آباد کے
عالم معقولات اور مدرس تھے۔ ۱۹۲۰ء کی قومی تحریکات نے درس و تدریس کی مسند سے اٹھا
کر قوم و ملت کے اعلیٰ کاموں سے ان کو وابستہ کر دیا۔ ان کی سب سے مخلصانہ خدمت
۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء میں ملکوں کے فتنہ ارتداد کے موقع پر ان کی جال بازی، ایثار و محنت ہے۔
ان کے علاقوں میں بیسوں میل پیادہ اور بھوکے پیاسے سفر کرنا اور ایک گھاؤں سے دوسرے
گھاؤں میں مارے مارے پھرنا، ان کی زندگی کا اہم کارنامہ ہے۔ اس کے بعد انھوں نے
جمیۃ العلماء ہند، دہلی سے وابستہ ہو کر جمیۃ کے کاموں کو کچھ زمانے تک انجام دیا، اور شرفیہ ہزار
اور ابن سود کی لڑائی کے زمانے میں جواز جاکر معاملات کی تحقیقات کے لیے نام زد ہوئے۔
پھر ۱۹۲۴ء میں موتر اسلام کی شرکت کے لیے گئے اور وہاں سے واپس پر وہ بیٹی کی مجلس
خلافت کے کاموں میں مصروف ہو گئے اور اسی مصروفیت میں ان کی زندگی کے آخر سال
بسر ہوئے۔ ان کی عمر اس وقت بچاس سے زیادہ نہ ہوگی، بلند وبالا، مضبوط و قوی تھے۔
ایک دفعہ وہ قومی تحریکوں کے سلسلے میں قید بھی ہوئے تھے، اور اسی قید میں انھوں نے یہ
سعادت پائی کہ حافظ قرآن ہوئے۔

مرحوم نہایت دوست چور، ہنس مکھ، ظریف اور فیاض تھے، محبوبہ سرحد سے وہ مقرر جلاوطن تھے۔
جلا وطنی کا دؤر ختم ہوا، تب بھی وہی جا کر اپنی خدمات کی وسعت کو انھوں نے محدود
کرنا پسند نہیں کیا۔ تمام عمر مجرور رہے اور اسی طرح پوری عمر گزار دی۔ ایک طرف وہ فقیر بے نوا
تھے، دوسری طرف حد درجہ مجبور و شریف۔ غالب کا شعر آج ہی صادق آیا ہے:
حق منفرت کرے مجھ پر آزاد مرو تھا (یاد رنگان)

مولانا محمد عرفان کا ۱۴ اپریل ۱۹۳۱ء کو انتقال ہوا تھا۔

خواجہ عبدالرحیم الہی

(۳۱)

دارالافتین اعظم گڑھ

۷ مئی ۱۹۲۶ء

محترم! علیکم السلام

آپ نے ۱۱ اپریل کو مجھے خط لکھا تھا، جو یہاں ۱۴ اپریل کو پہنچا تھا۔ میں اس سے پہلے یہاں سے لاہور کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ واپس کے بعد خط پڑھا۔ افسوس ہوا کہ آپ سے بروقت نیاز نہ ہو سکا، اور نہ الملاح دے سکا، واپس کے بعد پھر مجھے کی جلدی نہ رہی تاہم آپ کی یاد فرمائی کی عنایت، کا شکریہ ادا کرنا ضروری تھا۔ یا رزندہ صحبت، باقی۔ والسلام
سید سلیمان

(۳۲)

دارالافتین اعظم گڑھ

۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء

محترم! علیکم السلام

خط ملا، میں سفر میں تھا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ تاخیر کی معذرت قبول فرمائی۔ آپ کے اس مضمون کی تقریر میں نے سنی۔ آپ مضمون بیچ دیں۔ ترجمہ ہو کر شائع ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بات قابل بحث ہوگی، تو دریافت کر لوں گا۔ والسلام
سید سلیمان

(۳۳)

دارالافتین اعظم گڑھ

۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

کرم! علیکم السلام

میں کل پونے تین مہینوں کی گرماں تبلیل ایک گاؤں میں بسر کر کے اعظم گڑھ واپس آیا ہوں۔ الحمد للہ بخیریت ہوں۔

دے کر می گورو بس قیمت است

بارز الہیہ صاحب کا مضمون ایک ہی خبر میں تھا۔ آپ اس کا انگریزی ترجمہ شائع کر سکتے ہیں۔

آپ کا اسلام تحفہ ثابت ہو رہا ہے۔ مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں سلام
مسنون پہنچا دیجیے۔ میں نے ان کے پاس ان کے خواش قرآن پاک کے اثر پر ایک مضمون
دیباچہ کے طور پر لکھ کر بھیجا تھا۔ جس کو کسی سبب سے مولانا نے شائع نہیں کیا۔ اگر وہ مضمون
مولانا میرے پاس واپس فرما دیتے تو میرے کام آتا۔ آپ اس کا انگریزی ترجمہ بھی چھاپ
سکتے ہیں۔ والسلام

سید سلیمان

مضمون نگار کا پتہ یہ ہے:

سید مبارز الدین صاحب۔ قاضی پورہ ۹۷۸۹

حیدر آباد (دکن)

(۳۶)

دارالمتین اعظم خرم

۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء

خرم اسلام سکیم

ہاں صاحب! مدت کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ آپ نے میرے لاہور آنے کی خبر لیکر
خط تو لکھا۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ ”آپ میرے یہاں ٹھہریں“ اس لیے میں نے لاہور کا سفر متوی
کر دیا۔ سکرٹری صاحب نے میرے شکوک الفاظ کو یقین سمجھ کر اپنے پرد گرام میں نام شائع
کر دیا۔ اس پر بھی میں آمادہ تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ مجھے ۱۹ دسمبر کو پٹنہ کا سفر راست کو کرنا پڑا، راستہ
ہی میں زکام اور کھانسی اور گلے میں خراش ہو گیا۔ چوں کہ دو سال پہلے اسی تہید کے بعد میں
ذاتہ العجبہ میں مبتلا ہوا تھا اس لیے ہمت نہ پڑی اور سفر متوی کر دیا۔ اور میں دلی بھی
نہیں گیا۔ اب تک طبیعت صاف نہیں ہوئی صحت اب جاڑوں میں بڑے سفر کے
لائق نہیں رہی۔

الفاروق صفحہ ۸۲ جاپان کے قتل کا واقعہ صبح بے طبری صفحہ ۲۱۶۶ یورپ البتہ اس کے
قبل کی عبارت غلط اور زہم ہے۔ ”بین“ میں معرکہ میں گرفتار ہو گئے: اس سے شبہ ہوتا ہے کہ
جوشن شاہ اور مردان شاہ گرفتار ہو گئے۔ حالانکہ گرفتار ہوئے جاپان اور مردان شاہ مولانا

عہ انجمن خدام الدین کا دینی پندرہ روزہ انگریزی رسالہ جو مکتوب الیہ (خواجہ صاحب مرحوم) کی
ادارت میں جاری تھا

کے قتل کو بہت قس اس لئے کہ دیا کہ اس کو اسلام لانے یا کوئی اور مفید کام اس سے لینے کا موقع مسلمانوں کو نہیں ملا۔ بہر حال یہ تادیل ہے۔ صفحہ ۵ پر جو بھارت ہے جس میں حرکت کا لفظ ہے مولانا عبید الدین صاحب کو بھی یہ لفظ کھٹکتا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عزت و حرمت کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کے اس فعل پر حرکت کا اطلاق کر دیا۔ معافی کے قابل ہے۔

مولانا کی خدمت میں۔ لام محبت۔ غالباً ہمارے حلقے میں مولانا عبید اللہ صاحب کی تشریف آوری سے نئی روح پیدا ہو۔
بھائی میرا مضمون قرآن (کے متعلق) صبح دو تویں کوئی کام لوں۔ والسلام
سید سلیمان

(۲۷)

دارالافتین اعظم گڑھ
۲ جنوری ۱۹۳۹ء
مکرم! السلام علیکم

میرے لطیف سوال کا دلچسپ جواب موصول ہوا۔ مگر انھوں کا طریقہ یہ تھا کہ گفت وہاں نہ داشت خانہ بہ ہماں گزاشت۔ اس زمانے میں یہ اصول چنداں مفید نہیں۔ انشاء اللہ ۱۹۳۹ء راست آئے۔ اور آپ صاحب خانہ ہو جائیں۔
مضمون مرسلہ پہنچا شکریہ۔
اے صاحب! اگلے سال ادارہ کو کھنڈا آنے کی دعوت دی ہے۔ آپ کو ابھی سے دعوت ہے۔ والسلام

سید سلیمان

عجے برا! عبید اللہ صاحب، سندھی مرحوم کی طرف اغارہ ہے جو تقریباً چوبیس سال کی جلا وطنی کے بعد مارچ ۱۹۳۸ء میں سندھ کے وزیر اعلیٰ اللہ بخش سومرو شہید کا حکومت کے نلتے میں ہندوستان لوٹے تھے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ
۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء
مکرم! السلام علیکم

وعدہ ابھی یاد رہے۔ ایسا نہ ہو کہ دقت پر مکر جائیں۔ سیرت ابنی کے مقدمہ کا ترجمہ، اگر برحق ضرور شائع کیجیے۔ پوری اجازت ہے۔ ابھی آپ کے اس خط سے پہلے سیرت کمال کے بنگالی ترجمہ کی اجازت دی ہے۔ خدا توفیق بخشنے۔

سیرۃ کی حسین حلد محمد اللہ محبوب کر تیار ہو گئی ہے اس وفد اس کتاب کے متعلق اہل علم اور علمائے کرام کی آراء کی ضرورت ہے۔ جناب مولانا احمد علی کی خدمت میں بھیجوں گا کہ وہ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ اگر جناب مولانا عبید اللہ صاحب لاہور میں تشریف رکھتے ہوں تو میری طرف سے سلام مسنون عرض کر دیجیے۔ والسلام
سید سلیمان

دارالمصنفین اعظم گڑھ
۲۵ مارچ ۱۹۳۱ء
مکرم! السلام علیکم

اخبار لا۔ مضمون دیکھا۔ مجھ میں انگریزی کی اتنی صلاحیت کمال بخردہ گیری کروں۔ آپ نے جو کچھ کیا ہو گا اچھا ہی کیا ہو گا۔ امید کہ خبر ہوں گے۔ والسلام
سید سلیمان

دارالمصنفین اعظم گڑھ
۴ مارچ ۱۹۳۰ء
مکرم! السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۲۲ جنوری سفر کی حالت میں لا، دارالمصنفین اب ایسے مقام میں ہے جہاں انگریزی ٹائپ نہیں۔ اور نہ انگریزی کا اچھا مہلے ہے۔ اس لیے عرض ہے کہ آپ لاہور میں مقدمہ سیرت کے انگریزی ترجمہ کی چھاپی کا تحیہ بنو کر جموادیکھیے وہاں آپ جمع بھی کر سکیں گے یہ

میں پرسوں انعام اللہ یہاں سے پشاور کے ارادے سے نکلنے والا ہوں۔ اہلکے صبح
کو میل سے لاہور پہنچوں گا اور اسی وقت فریڈرل سے پشاور جاؤں گا۔ واپس میں شاید
ٹھہر دوں کیونکہ یہاں پور کا قصد ہے۔
کیا میں یہ امید رکھوں کہ آپ اہلکے صبح کو اسٹیشن پر ملیں گے؟ میل اور ایکسپریس دونوں
میں دیکھے گا۔ میرے پاس یہاں نیٹ ٹیبل نہیں۔ کمپنٹ سے بھارت ہوں گا۔ والسلام
سید سلیمان

(۴۱)

دارالمستفین اعظم گڑھ

۹ اپریل ۱۹۳۷ء

مکرم: اسعدکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم، شرمندہ ہوں کہ واپس کے بعد آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ آنے کے ساتھ ہی ہندو
دائستہ کا ٹکٹان بھی دور نہیں ہوا تھا کہ مسلسل کاموں میں مبتلا ہو گیا۔ آپ نے یہ خوشخبری سنی
ہوگی کہ مولانا فیل نے ۱۹۳۷ء میں جویشیل اسکول قائم کیا تھا اور جوان کی وفات کے بعد شبلی
اسکول کے نام سے مشہور ہوا اب ۱۹۳۷ء میں وہ انٹر کالج ہو گیا۔ اس کی رسم افتتاح مولانا
حبیب الرحمن خان خروانی ادا کرنے آئے تھے، پرسوں چوتھے روز واپس گئے۔

منون ہوں کہ آپ نے مسافر نوازی فرمائی، اور آپ کے بدولت بہت سے
بزرگوں اور دوستوں سے ملنے کا موقع ملا۔ جی چاہتا ہے کہ اس طرح میں بار بار آپ کو ٹھیک
دیا کروں، مگر از ضعف ہر جا کہ لشستم لشستم۔

تجیہ ملا، مگر اس میں یہ نہیں لکھا ہے کہ کتنی تعداد طبع پر یہ لاگت ہے؟ مہربانی فرما کر
اس کی تصریح فرمائیے۔

مولانا احمد علی کی خدمت میں سلام شوق۔ والسلام
سید سلیمان

(۴۲)

دارالمستفین اعظم گڑھ

۹ مئی ۱۹۳۷ء

محبت محترم ادا م لفظ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ انام ہوں کہ اب تک آپ کو خط نہ لکھ سکا، اور نہ آپ کے

عنایات کا شکریہ ادا کر سکا۔ میں علی گڑھ ہو کر جس دن یہاں پہنچا اس کے دوسرے ہی دن میری ایک سالہ بچی جس کے اضطراب میں میں جلد جلا آیا تھا اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ گویا اس کو میری ہی آخری ملاقات کا انتظار تھا۔ خیال ہوا کہ بیوی کی تغیرِ ماحول کے لیے وطن کا سفر کروں۔ یکم مئی کی تاریخ روانگی کی تھی کہ ۲۹ ماہریل ہی کو وطن کے عزیز کا اتارا آیا کہ سفر ملتوی کر دوں۔ بہار اور اس کے اطراف کے دیہات میں قتل و خون برپا ہے۔ سفر ملتوی کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ تھی کہ اسی رات کو مجھے دورانِ سر کا ایسا شدید عارضہ لاحق ہوا کہ گیارہ سے سڑاٹھا نا احوال ہو گیا۔ بارے چند روز میں افاقہ ہوا۔ مگر داغ میں ابھی تک، یہ کیفیت ہے۔ سر ہلتا ہے۔ بس ایک کارڈ صوفی صاحب کو لکھا سکا اور بس۔ خدا فضل فرمائے۔

بیرت کے انگریزی ترجمہ نسبت مفصل گفتگو زبانی نہ ہو سکی بہر حال یہ تو طے ہے کہ دیباچہ ایک، ہزار کی تعداد میں چھپنے کو دے دیں۔ اور جو کچھ معارفِ کابل ہو وہ دفتر بیرت میں چھپیں۔ اب انتظار کی ضرورت نہیں۔

اشنا سے قیام لاہور میں آپ اور آپ کے اجاب کی محبت بے حساب کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں آپ کی خاموش عنایات آپ کے اجاب کا سب سے بڑا گوشہ ہے۔

آپ کو یہ سن کر انوس ہو گا کہ خلفائے راشدین کے جوان معصفت حاجی معین الدین ندوی (پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ و سابق کٹلا گروہار لاٹری بری) جل بسے! والسلام
سید سلیمان

آپ کے گھر کا پتہ نہیں معلوم۔

(۴۲)

دارالمتین انکم گڑھ

۲۰ مئی ۱۹۳۱ء

مکرم السلام علیکم

میں بحمد اللہ اس وقت اچھا ہوں۔ آپ کی محبت و بندہ نوازی کے اثر سے میرا دل مسرور ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مزید نوازشوں سے سرفراز فرمائے۔

موجودہ دیباچہ بیرت جب تک چھپے گا کیا آپ مزید بچاس اوراق یا صفحات کا ترجمہ پورا نہ کر لیں گے۔ ظاہر ہے کہ میرا مقصد اس پرورے دیباچے سے ہے، جہاں تک میں نے آپ کو نشان دے کر بتایا تھا۔

جی چاہتا ہے کہ کبھی لاہور جی بھر کر رہوں اور اجباب کی خدمت کر سکوں یعنی قرآن پاک کا درس اپنے مذاق کے مطابق کچھ دن دے سکوں، مگر نفسِ آمارہ ہمت نہیں لینے دیتا۔

مرا اگر تو بگڑا رہی اے نفسِ طامع

بیسے بادشاہی کنم در گدائی!۔

ہاں جناب ندوہ کی ماہوار رسالہ امداد کا وعدہ اجباب کو یاد دلائیے۔ ناظم معین

الندوہ خود لاہور پہنچ گئے۔ میں آج ایک ماہ کے لیے وطن جا رہا ہوں۔ وہاں کا

پتا یہ ہے:

دینہ۔ ضلع پٹنہ والسلام

سید سلیمان

(۴۴)

دارالافتین اعظم گڑھ

۲۴ نومبر ۱۹۳۱ء

محبت کرم! السلام علیکم

آپ کی آمد بہار علیہ موجب اہساط: اللہ کرے آپ علی گڑھ کے مشرستان میں اپنا
صور پھرنک کر مردوں کو نشاتِ ثانیہ بخشیں۔

جواب میں دیر ہوئی میں الہ آباد تھا۔

آپ ۲ روکوہاں سے روانہ ہو کر ایک دو روز کے لیے لکھنؤ آئیں گے۔ خیر مقدم بہتر
یہ ہے کہ آپ علی گڑھ ایک دن اور رہیں اور میں ۵ دسمبر کی صبح کو چل کر شام کو لکھنؤ پہنچوں
اور لطفِ ملاقات حاصل کروں۔ مجھے ۸ روکوہاں علی گڑھ جانا ہے۔

یہاں نے ہتم دارالعلوم مولوی عمران خان صاحب کو لکھنؤ کھدیا ہے آپ لکھنؤ میں
ندوہ کے مہمان خانہ میں ٹھہریں۔ اگر آپ انہیں وقت اور تاریخ دے دیں تو اچھا ہے۔

میں نے رحمتِ عالم کی سوجدیں مولوی محمد حنیف صاحب ندوی کو بھیجی تھیں۔ ندوہ
روپیہ بھیجتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔ کیا مایوس ہو جانا چاہیے۔ والسلام

سید سلیمان

دارالمفتین اعظم گڑھ

۱۸ مارچ ۱۳۶۵ھ

مکرم : السلام علیکم

ایک شے مدت کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ میں اور دو تین برس سے ایک سخت درد سینہ کی تکلیف میں مبتلا تھا جس کا شدید علہ گزشتہ رمضان مبارک میں ہوا جس سے شفایاب ہونے کے بعد بحمد اللہ کہ اصل مرض بھی بفضلہ تعالیٰ دور ہو گیا۔ اس کے بعد کئی ماہ حسب تجویز الباء استراحت میں رہا اور اس کے لیے میرٹھ کا مقام پسند آیا جہاں میرے عزیز دادا دوبرسر کار ہیں۔ اب واپس آیا ہوں لیکن جلد ہی گمریموں میں وطن یعنی بہار کا قصد ہے جہاں سے جولاہی میں انشاء اللہ واپس ہوگی۔

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت کے والد ماجد کی مختلف روایات سیرۃ ابن ہشام میں ہیں مشہور ہیں کہ ان کی وفات کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز شکم مادر میں تھے چونکہ بحیثیت برہ کی کتاب کے یہ کتاب زیادہ تر مشہور ہے۔ اس لیے زبانون پر نہیں روایت ہے۔ مگر دوسری روایتیں بھی کتابوں میں موجود ہیں جن کے مآخذ میں سے وہ ہے جس کو مولانا شبلی نے ہدایہ الاسلام میں اختیار کیا تھا۔

۱۱ م سہیلی سیرۃ ابن ہشام کی شرح میں لکھتے ہیں:

وذكر انه ما استأبوه وهو حمل واكثر العلماء انه في المهد ذكر ابيه وولديه وغيره وقيل
بن شهر بن ذر ذكر ابن ابی خشبة، وقيل اكثر من ذلك وانه قيل مات ابيه وهو ابن ثمان وثمانين
شهرا من روض الانف سہیلی ص ۱۰۱

ترجمہ (ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے وفات پائی۔ اور اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارے میں تھے۔ اس کو محدث، دولابی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ دو مہینہ کے تھے اس کا ذکر محدث ابن ابی خثیمہ نے کیا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ اس وقت اٹھائیس مہینہ کے تھے۔)

حافظہ قانی مورب لدنیہ کی شرح میں اس مسئلے کی حسب ذیل تحقیق کرتے ہیں:

”اور جب حضرت پر حمل کے دو مہینے گزرے اور یہ بھی کہا گیا ہے سہ ماہی کو دود

ماہ بات تھے تو آپ کے والد نے وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی جیسا کہ داقہ کا بیان ہے۔ — یاتیس برس کے تھے جیسا کہ ابو احمد حاکم نے کہا ہے یا اٹھائیس برس کے تھے۔ اور اسی کو حاکم مغلطائی اور حافظ ابن عمر نے صحیح کہا ہے۔ اور اسی کو حافظ سیوطی نے پسند کیا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گھوڑہ طفولیت میں تھے۔ پہلی نے کہا ہے کہ یہی اکثر علما کا قول ہے محدثین و لابیان نے اسی کو کہا ہے۔۔۔۔۔ اب تو اس قول کے بعد کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گھوڑے میں تھے اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی۔ محدث ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ دو ماہ کے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۱۷ ماہ کے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۲۸ ماہ کے تھے۔ لیکن راجح اور شہور قول یہ ہے کہ جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے اور واقعہ ہی اور ابن سعد اور بلاذری اور ذہبی نے اس کو راجح کہا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور جس کو حاکم نے صحیح مسلم کی شرط کے مطابق کہا۔ اور امام ذہبی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے وفات پائی اور آپ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے ۱ (جلد اول صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳)۔

قیس بن حمزہ صحابی آپ کے خاندان کے تھے اور بالکل ہم عمر تھے یعنی اسی سال پیدا ہوئے جس سال آپ پیدا ہوئے۔ (مسند رک حاکم ج ۲ صفحہ ۴۰۴ حیدر آباد دکن) اس لیے یہی روایت صحیح ہے اور یہی علماء میں مقبر اور مسلمانوں میں شہر ہے حاکم کی یہ حدیث مسند رک (ج ۲ صفحہ ۵۰۵) میں ان لفظوں کے ساتھ ہے (دثنیٰ ابوہ دلمہ جلی ہم هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم)۔ آپ اسی رسالے پر یہ حاشیہ لکھ دیں کہ ایک روایت یہ بھی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ دلاوت سے پہلے ہی آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی جیسا کہ مصنف نے اپنی بعد کی تصنیف میں اختیار کیا ہے۔

انجن خدام الدین نے جس ترجمہ قرآن کا اہتمام کیا ہے اس میں آپ میرا نام کس حیثیت سے رکھنا چاہتے ہیں جب کہ میں انگریزی میں نہیں جانتا جو اس میں کام آئے۔ پھر سالہ حاشیہ کا شکل ہے حضرت مولانا کے جو حواشی اردو میں ہیں انگریزی میں ہوں گے تو مجھے اس سے اختلاف ہے اگر کوئی اور صورت ہے تو مطلع فرمایا جائے۔

ہاں خوب یاد آیا اگر گزشتہ رمضان المبارک میں حضرت مولانا سے میری مکاتبت حواشی تفسیری ترجمہ قرآن مرتبہ حضرت مولانا کی نسبت مل رہی۔ حضرت مولانا نے یہ پسند فرمایا کہ میں اپنے مشورے پیش کروں ایک دو پاروں کا کام کیا تھا کہ میں بیمار پڑ گیا اور پھر اس کے بعد اب اس قابل ہوا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں وہ تحریریں حضرت تکمیل پہنچیں یا نہیں۔ اور انھوں نے اس سے اتفاق کیا یا اختلاف کیا اور اب آئندہ مزید لکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ایسے عنوان سے جس میں مولانا کو ناگوار نہ ہو آپ استفسار کر کے مطلع کریں تو جی ہر بانی ہو، میں خود شرمندہ ہوں کہ اتنے دنوں خاموش رہا۔ لاہور آنے کو تو بہت جی چاہتا ہے لوگ جیسے جلسوں میں جاتے ہیں اور اب اس سے طبیعت سیر ہو چکی ہے اور اب نہ صحت ایسی ہے اور نہ قوت تقریر ہی ہے۔ والسلام
سید سلیمان

حواشی

۱۔ یہ مولانا مرحوم کا میرے نام پہلا خط ہے۔ مرحوم انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لادے تھے۔ میں نے انھیں لکھا کہ میں آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں اس لیے ملاقات کا وقت پہلے سے مقرر فرمادیں۔ لیکن میرا خط لے کر پہلے وہ لاہور کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ میں نے لاہور میں ان سے ملاقات کر لی۔ واپس پر جب انھیں میرا خط ملا تو انھوں نے یہ جواب دیا۔

۲۔ ۱۹۲۸ء میں اکل انڈیا اور نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تھا۔ میں نے اس کے خبیہ عربی و اسلامیات میں علانہ سرمدہ اقبال کے زیر صدارت ایک انگریزی مقالہ بعنوان ”قرآن اور سائنس“ پڑھا تھا۔ اس خط میں اسی مقالے کا ذکر ہے۔ بعد میں اس مقالے کا اردو ترجمہ معارف کے جنوری و فروری ۱۹۲۹ء کے پرچوں میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ مرحوم انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ اس سے پیشتر ۱۹۲۷ء جب وہ ادارہ معارف اسلامیہ کے جلسے میں تشریف لائے تھے تو وہ مع اپنے رفقاء کے میرے ہاں ہمان ہوئے تھے اور اس کے بعد جب

کبھی لاہور آئے تو میرے ہاں ہی فرودکش ہوئے۔ اس مرتبہ میں نے انھیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت ارادۂ نودی تھی۔ اس لیے کہ اب جس مکان میں میں رہتا تھا وہ تنگ، تنگ اور اس میں مہمانوں کے ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی۔ چنانچہ اس خط کے جواب میں میں نے انھیں یہی کھ دیا۔ جس پر ان کا وہ خط آیا جو اوپر درج ہے۔

مجھے اس رات میں ”الفاروق“ کا انگریزی ترجمہ مولانا غفر علی خاں مرحوم میر زمیندار کا کیا ہوا شیخ محمد اشرف ناجی کتب لاہور کے ہاں سے شائع ہونے والا تھا اور میں اس پر نظر پڑا کر رہا تھا۔ اس موقع پر حضرت مولانا شبلی کے ایک سوپر نظر پڑ گئی تو میں نے سید صاحب مرحوم سے اس کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جس کے جواب میں یہ خط آیا۔

”یہ مراد ادارہ معارف اسلامیہ لاہور سے ہے۔“

مجھے یہ وعدہ ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے مجوزہ اجلاس مکتبہ میں شرکت کے لیے تھا۔ مجھے لاہور سے انجمن خدام الدین کے زیر اہتمام ایک سہ ہند رہ روزہ انگریزی رسالہ ”اسلام“ نکلتا تھا۔ جس میں میں نے سیرۃ انبی کا انگریزی ترجمہ شائع کرنا چاہا تھا۔ یہ اجالات اسی کے لیے تھی۔ ”اسلام“ میں سیرۃ کے مقدمہ کا مکمل ترجمہ بالاقساط چھپ گیا تھا۔

مجھے میں نے مولانا مرحوم سے عرض کیا تھا کہ مقدمہ ”سیرۃ“ کا انگریزی ترجمہ ”اسلام“ میں مکمل چھپ چکا ہے اب مناسب ہو گا کہ دارالمفتین اس کو کتابی صورت میں چھاپ دے۔

یہ اسی کا جواب ہے۔

مجھے مولانا صدر یار جنگ بہادر مرحوم۔

”مجھے پشاور اور بہاولپور کے سفر میں مولانا لاہور بھی تشریف لائے تھے۔ اور حسب دستور میرے ہاں ہی فرودکش ہوئے تھے۔“

مجھے یہ تحفہ مقدمہ ”سیرۃ“ کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کا تھا۔

مجھے مراد صوفی غلام مصطفیٰ انیسٹم سے ہے۔

سالہ میں علی گڑھ یونیورسٹی کی مجلس اسلامیات میں کمری ڈاکٹر انصاف حسین قادری (حال ہریم کراچی یونیورسٹی) کی دعوت پر ایک انگریزی مقالہ جدیدہ سائنس کا اسلامی پس منظر پر پڑھنے جا رہا تھا۔ وہاں سے مکتبہ جانے کا ارادہ تھا۔ اس کی اطلاع میں نے مولانا مرحوم کو دی تھی۔ اس خط میں اسی کا ذکر ہے۔

۱۴۔ یہ میرے نام مولانا مرحوم کا آخری خط ہے۔

۱۵۔ مولانا شبلیؒ کا شہور عربی رسالہ۔ اس کا اردو ترجمہ دیکھتے وقت میں نے مولانا مرحوم کو لکھا تھا اے علامہ شبلیؒ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کی وفات آپؐ کی پیدائش کے بعد ہوئی تھی۔ یہ اسی کا جواب ہے۔ میرا ارادہ مولانا شبلیؒ کے رسالہ کا انگریزی ترجمہ کرنے کا تھا۔

۱۶۔ انجمن خدام الدین لاہور نے قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسے کام میرے پر دیا گیا تھا۔ تجویز تھی کہ میں جو کام کروں علامہ مرحوم اس پر نظر ثانی فرمائیں۔
۱۷۔ مراد حضرت الحاج مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور ہے۔

سید الملت کا ماتم

سید سلیمان ندوی مرحومؒ کے انتقال پر اخبارات و رسائل نے تعزیتی ادارے لکھے، علمی و ادبی اور تعلیمی اداروں نے تعزیت، کے چلنے کیسے اور قراردادیں پاس کیں۔ بہت سے لوگوں نے مرحوم کی بیوہ بیٹے، بیٹیوں اور والدہ سے ملی کر اور خطوط کے ذریعے تعزیت کی، بہت سے مولانا دارالعتقین اعظم گڑھ اور مرحوم کے دوست، مولانا عبدالعزیز آبادی سے تعزیت ملی، مولانا دریا آبادی کے نام تعزیت، کے جو خطوط پہنچے انہوں نے صدق جدید میں "سید الملت" کا ماتم کے عنوان سے ایک کالم ۱۱ دسمبر ۱۹۵۳ء سے قائم کر دیا تھا جو ۲۶ فروری ۱۹۵۴ء تک، ضرورتاً ختم ہوا لیکن اس کے بعد بھی یہ سلسلہ بڑھا ہو جو خاکسار کی نظر سے نہیں گزرا اس سلسلے میں سید صاحب مرحوم کے مکتوب الیہ خواجہ عبدالوحید نے بھی مولانا دریا آبادی سے تعزیت کی تھی مولانا نے یہ تعزیت نامہ صدق جدید کے ۱۹ فروری ۱۹۵۴ء کے شمارے میں چھاپ دیا تھا۔

مناسب معلوم ہوا کہ مکتوب نگار کے بارے میں مکتوب الیہ کے یہ تاثرات بھی اس مقام پر قابلِ کریہے جائیں درتیب،

پاکستان کے ممتاز انگریزی اہل قلم خواجہ عبدالوحید لاہوری خرم کراچی کے قلم ہے؛
حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی دنات، حسرت آیات نے جس قدر نقصان

پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بچایا اس سے کچھ کم نقصان دیا۔ اسے اسلام کو نہیں بچایا۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی بد بختی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر وہ بلند پایہ شخصیت جو ہم میں سے اٹھ جاتی ہے اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ نہ معلوم سید صاحب مرحوم و مغفور کا نعم البدل اس برصغیر میں کب پیدا ہو گا۔

سید صاحب میرے بہت قریبی ہمسایہ تھے۔ میرے اور ان کے مکانوں کا درمیانی فاصلہ دو تین سو گز سے زیادہ نہیں۔ جب سے وہ پاکستان تشریف لائے تھے۔ ان سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ دورانِ قیام پاکستان میں، دو بار ان کو میرے ہاں دعوتِ طعام میں شامل ہونے کا موقع ہوا۔ اور ان موقعوں پر ان کے علاوہ اور بزرگانِ دینی بھی موجود تھے جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا احمد علی صاحب وغیرہ۔ ان مجلسوں کی یادِ حیاتِ قلب پر قائم رہے گی۔ اول مرتبہ توسید صاحب تندرست تھے۔ انھوں نے گفتگو میں بھی خوب حصہ لیا۔ اور کھانے پینے میں بھی مگرمود سری مرتبہ ان کی صحتِ بواب دسے کچی تھی اور وہ دسترخوان پر رکھی ہوئی کھائی چیز نہ کھائے اس لیے کہ اس وقت ان کے لیے نمک کا استعمال ممنوع ہو چکا تھا۔ اس لیے اسی وقت ان کے لیے بانارس آٹھریلیا کا شہد ملگوا یا اور اسی سے لگا لگا کر انھوں نے چپاتی کھائی کیا معلوم تھا کہ اب اس سے بھی محرومی ہونے والی ہے،

ان دونوں دعوتوں کے درمیانی عرصے میں ایک بار میں نے ایک بزرگ سے یہ شکوہ کیا کہ سید صاحب میرے ہاں تشریف نہیں لاتے۔ انھوں نے خود سید صاحب سے میری موجودگی میں یہ بات کہہ دی۔ مرحوم کی بذلہ سخی فی الفور کار فرما ہوئی۔ فرامانے لگے۔ خواجہ صاحب نے کب دعوت کی جو میں آتا! یہ جلد ان کا اب نمک کانوں میں گونج رہا ہے۔

آپ حضرات کو مدتِ عمر کے رفیق کی رفاقت سے جو محرومی ہوئی وہ ناقابلِ بہشت ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کن الفاظ سے آپ لوگوں کے دلوں کو ڈھارس دلاؤں۔ یہ اسی مقلبِ القلوب کے قبضہ قدرت میں ہے کہ وہ آپ کے زخمی دلوں کے اندال کا سامان بہم پہنچائے۔

رہبِ اسلمین مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

○
ہمایوں مرزا بیر برٹر

(۴۶)

مترجم دام آسانی! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
حضرت شاد مرحوم کی وفات کا سانحہ گو غیر متوقع نہ تھا۔ مگر دل نہیں چاہتا تھا کہ مرحوم کبھی
بہم سے جدا ہوں۔ حضرت فریاد کی سوانح عمری کی طباعت کے متعلق شاد مرحوم کا بھی ایک
والا نامہ آیا تھا۔ اس کا جواب دیا گیا تھا۔ پھر سے کوئی اطلاع نہ آئی۔ شاید یہی علالت کا تسلسل
اس کا باعث ہو۔

بہر حال آپ کے والانہ نے عزت بخش اور بہت سے دل پراثر کرنے والے واقعات
سے واقفیت ہوئی۔ آپ مسودہ پر میری نظر ثانی اگر ضروری سمجھیں تو نہایت خوش سے ہیں اس
کے لیے وقت نکالوں گا۔ مگر مناسب یہ ہے کہ کسی کاتب سے مسودہ صاف کرایا جائے تاکہ
دیکھنے میں آسانی ہو اور اغلاط کم ہوں۔

طبیع کا نرخ طبع مرسل ہے ہمارے اہتم طبیع کا بیان ہے کہ کاغذ کی قیمت اور حساب میں
آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ بقیہ حساب ٹھیک ہے۔ اب آپ جب چاہیں مسودہ اللہ میسر ہو
دیں۔ انشاء اللہ! تمام اور توجہ سے چھاپی جائے گی۔ تنجینہ کے وقت سائز، ہر صفحہ کی سطروں کی تعداد
اور نسخوں کی تعداد بھی کیجیے گا۔ میسے خیال میں ۲۶x۲۰ کا کتابی سائز جو عموماً رائج ہے مناسب ہو
گا۔ ہر صفحہ میں ۱۷ یا ۱۹ سطروں ہوں۔ اور ۵۰۰ کاپیاں کافی ہوں گی۔

آئندہ اگر آپ حساب طبع دار سال زر و میرہ کے متعلق فیبر صاحب دارالافتحین کے نام
سے خط لکھیں گے تو آپ کو جوابات جلد ملتے رہیں گے۔ والسلام

سید سلیمان
۱۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء

ملہ میر علی محمد شاد عظیم آبادی نے ۸۲ سال کی عمر میں ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا تھا۔
۷۷ء حیات فریاد کے نام سے شاد مرحوم نے اپنے استاد الفت حسین فریاد کی سوانح عمری لکھی تھی۔ فریاد
مکتوب ایر ہمایوں مرزا بیر برٹر کے والد تھے۔ اب "حیات فریاد" کی اشاعت کا معاملہ درپیش تھا۔



صغراہایوں مرزا صاحبہ:

(۴۷)

۱۔ فقدانِ یوگان کا کام الحمد للہ رواج پذیر ہو رہا ہے اور میرا تو اس پر ذاتی عمل ہے۔ پنجاب صوبہ متحدہ، دہلی اور جو کہ صوبہ بہاولپور بھی شرفا کے خاندانوں میں اس کا رواج ہو رہا ہے اس کے لیے رسمی کیٹی کی چنداں ضرورت نہیں۔ علاوہ نیک خیال اصحاب اس کام کو پھیل رہے ہیں۔

۲۔ موجودہ سخت پردے کے بجائے اسلامی پردہ کا رواج بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اسلامی پردہ پر صبح طہر سے عمل کیا جائے۔ ہمارے ہاں گھروں میں جن سے پردہ ہے تو اس قدر سخت کر قدم قامت اور آواز کا بھی پردہ ہے اور جن سے علاوہ محرم کے پردہ نہیں اُن سے سرودوش کا بھی پردہ نہیں۔ عورت کا تمام جسم چہرہ اور ہاتھوں کے سوا سب ستر ہے۔ کسی عورت کا اس ستر کے ساتھ کسی جر محرم کے سامنے آنا گناہ نہیں۔ اسلامی حدود پردہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ضرورت ہے۔

۳۔ فضول رسوم اور ہندوانی طریقوں کو یقیناً چھوڑ دینا چاہیے۔

۴۔ یقیناً عورتوں کی تعلیم مردوں کی طرح ضروری ہے مگر عورتوں کے لیے نصاب تعلیم مہاز اسکولوں اور کالجوں سے الگ ہونا چاہیے۔ جو عورتوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہو۔

سید سلیمان ندوی

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی (لاہور)

ڈاکٹر چغتائی مرحوم نے اپنے نام حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کے تمام خطوط مرتبہ مدونہ کر کے سماجی اردو ادب (اعلیٰ گزٹ) کے شمارہ نمبر ۱۹۹ میں چھپوا دیے تھے ان کے خطوط کے آغاز میں انہوں نے ایک مقدمہ اور خطوط کے بعض اشارات کی وضاحت میں حواشی بھی تحریر کیے تھے۔ خطوط کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقدمہ سادہ محاشی میں مندرج کر دیے ہیں۔ اگر کسی مقام پر مزید حاشیے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو درجہ ذیل کے ساتھ حاشیہ نگار کا اشارہ موجود ہے۔ (۱۔ س. ش)

مقدمہ

میری زندگی میں کچھ لمحات ایسے بھی گزرے ہیں کہ چند نئے دانے جن سے علمی یادداشتہ مراہم تھے جیب اس دار فانی سے اپنی مستعار زندگی کے ایام و مراحل طے کر کے اعلیٰ العلیین سے جاملے تو میرے لیے ایک معجزہ سا بن گیا کہ اب ان مرحومین سے متعلق اپنے ذاتی غم و اندوہ اور ان کے خلائے تاثرات کا جو ان سے تعلقات کی نوعیت کے اعتبار سے بہ طور احساس ہی رہ گئے ہیں یکے اظہار کروں جب کہ خوشی سے وہ اپنا کام ضرور طبیعت پر ان کی یاد میں کرتے رہتے ہیں سے

خوش گفنگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

چنانچہ ان تعلقات و جذبات کے احساسات کے اظہار کی خاطر بالمخصوص جو قبلہ بید یلماں ندویؒ سے باہمی علمی استفادہ کے طور پر تھے ان کے چند خطوط کو یہاں مع مختصر مگر ضروری حواشی کے جن کے بغیر ان کا پورے طور پر سمجھنا کسی قدر دشوار امر ہو گا شائع کر کے ایک طرح ان احساسات کا اظہار کرنا ہے۔

راقم کا نظریہ ہے کہ خطوط میں انسان اپنے مافی الضمیر کو بلا تاثر فوراً بغیر کسی تصنع کے اپنے مکتوب الیہ سے بیان کر دیتا ہے جس کے عام طور پر اظہار کا کہیں موقع نہیں آتا اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑی بڑی ہستیوں کے خطوط نے ہی ان کی حیات کی بعض گم شدہ کڑیوں کو پورا کرنے میں مدد دی ہے۔ ان خطوط کا پس منظر سمجھنے کے لیے یہاں چند سطحوں میں مرحوم سید صاحب

موصوف کی زندگی کا خاکہ اور ان سے تعلقات کو بہ طور مقدمہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ برور محمد بہ تاریخ ۲۲ نومبر ۱۹۸۳ء مطابق ۲۲ صفر ۱۴۰۲ھ کو موضع دینہ (پٹنہ) صوبہ بہار میں پیدا ہوئے آپ کے والد سید ابوالحسن بڑے حبیب تھے۔ آپ زہد و تقویٰ کے جسر تھے شائستگی و نفاست کے نمونہ تھے۔ آپ بہار کے اکثر قدیم فرز کے مدارس سے مستفید ہو کر ۱۹۱۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء، مکنٹو میں داخل ہوئے شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم سے براہ راست مستفید ہوئے اور استاد کے رنگ میں خوب رنگے گئے جہاں سات سال متواتر تعلیم کے بعد فارغ التحصیل ہوئے معنوں نگاری کا شوق ابتداء ہی تھا۔ مگر ندوہ میں آکر پہلی مرتبہ ۱۹۱۸ء میں مضامین غزن لاہور جیسے پرچوں میں شائع کیے مولانا شبلی کی خدمت میں ۱۹۱۹ء میں ایک مرتبہ ندوہ میں ایک فارسی قصیدہ پیش کیا یعنی آپ نے ایک خطیبانہ انداز پیدا کیا رسالہ الندوۃ کے سب ایڈیٹر ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں ندوہ کے مدرسین میں شامل ہوئے ۱۹۱۸ء میں الہلال ابوالکلام آزاد کی ادارت میں بھی شامل ہوئے لیکن مولانا شبلیؒ کے ہمراہ سیرۃ النبیؐ کی تالیف میں بھی شرکت کی جو سلسلہ آپ کی وفات تک بھی جاری رہا مگر آپ ۱۹۲۰ء میں دکن کالج پونہ میں بھی پروفیسر ہوئے جہاں آپ کے رفیق کالج پروفیسر خان بہادر شیخ عبدالقادر سرفراز مرحوم بھی تھے اور راقم بھی اس کالج میں ۱۹۲۰ء سے پاکستان فلمورس آئے تک رہا مگر سید صاحب کو فدا مکنٹو واپس آنا پڑا جس کے بعد آپ کا تعینیت تالیف کا زمانہ شروع ہوا جو متواتر مادم واپسین قائم رہا ۱۹۲۳ء میں آپ یورپ وفد خلافت کے ہمراہ جو مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں گیا تھا تشریف لے گئے وفد عجاز ۱۹۲۴ء میں آپ حرمین شریفین گئے ۱۹۲۴ء میں آپ کو ہندوستانی اکیڈمی الدہ آباد نے ”مہربانہ ہند کے تعلقات“ پر ریکچرڈ دینے کے لیے مدعو کیا جو ایک مسودہ بہترین محقق کتاب کی صورت میں پیش ہو چکے ہیں۔ سراقبال، سید راس مسعود پروفیسر ڈاکٹر ادا حسن علی گڑھ کے ہمراہ ۱۹۲۳ء

۱۱ الہلال کا پہلا شمارہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا تھا اور دہر اول کا شمارہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء کے شمارے پر ہو گیا۔ سید صاحب کا تعلق الہلال سے مٹی یا جوڑن سمجھے لے کر انکو جو تک چند سینوں میں رہا۔ الہلال سے سید صاحب وابستگی اور ملاحدگی کی قطعی تاریخیں ابھی تک معلوم نہیں ہو سکیں۔ الہلال سے سید صاحب پونا کالج میں فارسی کے استاد کی حیثیت سے چلے گئے۔ یہ تعلق علامہ شبلی کی وفات تک رہا

میں افغانستان کے سفر پر گئے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ جون ۱۹۵۵ء میں پاکستان میں ہجرت کر کے آئے جہاں آپ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو عشا کی نماز کے بعد رحلت کر گئے۔

”جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمد کا“

علامہ سید سلیمان ندویؒ سے میری پہلی ملاقات لاہور میں مولانا ظفر علی خاں کے مسکن دفتر زمیندار میں اپریل ۱۹۶۷ء میں سر اقبال مرحوم کے توسط سے ہوئی جس کا ذکر آپ کے ہی ایک ذاتی خط یہاں شائع شدہ ۱۷۷ سے واضح ہے جسے راقم نے ایک مستقل مضمون کی صورت میں کہیں الگ بیان کیا ہے آپ اسی زمانہ میں لاہور میں انجمن حمایت الاسلام لاہور کی دعوت پر ایک تقریر کے لیے آئے ہوئے تھے آپ سے عس میرا سم اگرچہ اس سے قبل پیدا ہو چکے تھے اور اسی کی تصدیق مزید عزیز مقرر مہتمم جناب مولانا سعید احمد اکبر آبادی حال پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ کے ایک مضمون سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے بعنوان ”مولانا سید سلیمان ندوی میری نظر میں“ معارف کے سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ء میں لکھا ہے وہ کہتے ہیں:

”..... ۱۷۷..... چنانچہ راقم کو یاد ہے کہ ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ (غالباً ۱۳۷۵ھ میں) امرتسر میں منعقد ہوا تھا اس زمانہ میں طالب علم تھا اور لاہور میں مقیم تھا لاہور سے میں اور ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی جو ڈاکٹر اقبال مرحوم سے خاص تقرب رکھتے تھے اور ان کے ایڈیٹنگ کی حیثیت سے رہتے تھے اسی اجلاس میں شرکت کے لیے امرتسر پہنچے ڈاکٹر صاحب مرحوم کسی عذر کی بنا پر اس میں شرکت نہیں کر سکتے تھے میں اور چغتائی صاحب مغرب کے بعد مولانا سلیمان ندوی کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر مولانا سے ملے تو مولانا نے علیک سلیک کے بعد چغتائی صاحب سے خطاب کر کے پوچھا کیوں اسٹر صاحب ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر اقبال) تشریف نہیں لائیں گے چغتائی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے عذر بیان کیا تو مولانا نے فوراً اپنے خاص انداز میں مسکراتے ہوئے فرمایا اگر ڈاکٹر صاحب تشریف لے ہی آتے تو اچھا ہوتا۔ یہاں سب علما جمع ہوں گے ان کو ستانے کا اس سے بہتر اور کیا موقع ہوگا۔۔۔۔۔ جو حضرات اس وقت وہاں موجود تھے انھوں نے مولانا کے اس فقرے سے

بڑا لطف لیا۔۔۔۔۔

اس کے بعد آپ سے اکثر ملاقاتیں سفر و حضر میں ہوئیں اور آپ کو ہمیشہ اخلاق نازد و تقویٰ کا مجسمہ ہی پایا آپ کے علمی کارناموں سے اکثر مستفید ہونے کا موقع ملا بلکہ وہ فیضانِ کلامت ہوئے اور بعض اوقات ان سے بعض تحقیقات کے ضمن میں کسی قدر اختلاف بھی ہوا مگر وہ ہمیشہ علمی جستجو کی حد تک رہا آپ کا اخلاق بہت وسیع تھا اس کی ایک مثال مزور پیش کرتا ہوں یہ علمی دنیا کو خوب علم ہے کہ پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے شبلی مرحوم کی شہرہ آفاق تالیف ”شعرا لعم“ پر ایک تنقید کا ہے جس نے خاصا چرچا پیدا کر لیا تھا اور علمی حلقوں میں لوگ نہایت دلچسپی سے مطالعہ کرتے تھے جو آج بصورت کتاب بھی بیع ہر جگہ ہے اس اثنائیں ایک مرتبہ شیرانی صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہ اپنے ہم وطن مولانا حیدر حسن خاں ٹوکنی محدث ندوۃ العلماء کے ہمان ہوئے مگر حسن اتفاق سے اس زمانے میں سید صاحب بھی وہاں مقیم تھے جب ان کو علم ہوا تو مولانا حیدر حسن خاں کے توسط سے شیرانی صاحب سے وہاں ملاقات ہو گئی تو سید صاحب نے آپ کی اپنے خاص ملاقات میں ایک پر تکلف دعوت بھی کی جب لاہور واپس آئے تو شیرانی صاحب نے سبیلِ مذکورہ اس دعوت کا حال سنایا۔ اس کے بعد اکثر میں نے شیرانی صاحب کو شعرا لعم کی تنقید کو جاری رکھنے پر اکسایا مگر وہ یہی کہہ کر ڈال دیتے کہ یہ بچان (شیرانی) سید کی روٹیاں کھا آیا ہے اور ساتھ ہی ان کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف بھی ہویش کرتے۔ لاہور میں جب آپ تشریف لاتے تو اکثر شخصیات قائم ہوتیں ایسا معلوم ہوتا کہ ان قدیم زمانے کی علمی مجالس کا نقشہ سامنے آ گیا جن کا ذکر بعض علماء کے تذکرہ میں ملتا ہے اسوس آج وہ مجالس موجودہ مغربی تمدن کے سیلاب میں محو ہو گئی ہیں بلکہ یوں کہیے کہ یہ علمی حضرات اپنے ہمراہ ہی لے گئے ذکر کوئی آج ایسا محقق ہے اور نہ کوئی ہوجا، ایک مرتبہ ان سے ملتان کے ایشیئن پربائلکل اتفاق ملاقات ہو گئی ہم دونوں ایک ہی گاڑی میں کراچی سے لاہور آ رہے تھے اور علم نہیں تھا کہ وہ بھی اسی گاڑی میں ہیں خود اعلیٰ سلیک کے بعد انھوں نے راقم کے ایک مقالہ سلاطینِ بہمنی دکن کے نام و نسب کے متعلق استفسار فرمایا جو میں نے ۱۹۴۱ء میں جیہا آباد دکن میں ہندی کانفرنس کے موقع پر پیش کیا تھا اور یہ مضمون برہانِ دہلی میں بھی بیع ہو چکا تھا کیوں کہ آپ نے بھی اسی موضوع پر ایک مقالہ کراچی کے جملہ تاریخ و سیاست میں بیع کیا تھا۔ آپ نے اس خاندانِ بہمنی کو ہندی نژاد ثابت کرنے کی کوشش کی

حالات کہ یہ خانوادہ خالص ایرانی نژاد ہے۔ آپ سے جب پاکستان آنے پر پہلے لاہور میں ملاقات ہوئی تو بہت سرت اور عقیدت سے ملے۔ آپ اس وقت لاہور سے پروگرام سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے۔ میں نے کچھ بیزاری کے عالم میں پاکستان کے فہود میں آنے پر تاریخی رنگ میں ذکر شروع کیا کہ دیکھیے ایک زمانہ تھا کہ مسلمان ابتدا میں جب فتوحات کر رہے تھے اور غوری اور قطب الدین ایبک کے ہاتھوں دہلی فتح ہو رہی تھی تو مسلمان متوازی طور پر فتح کرتے ہوئے محمد بن قیاض کی قیادت میں ۵۹۹ھ میں مکینوٹی (بنگال) کو فتح کر چکے تھے۔ اور تمام ہندوستان پر چھا گئے تھے اور آج ہم ایک چھلترس نے کر مٹھن ہو گئے ہیں۔ اس پر ہم دونوں پر ایک سکتہ سا چھا گیا اور کچھ تاسف کی صورت میں ابدیدہ بھی ہوئے مگر زبان سے کوئی لفظ نہیں نکلے۔ غرض کہ نہایت درد مند انسان تھے۔

آپ کی ذات تھوہنات کے متعلق بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر میں محض ایک امر کی طرف قارئین کرام کی توجہ ضرور منعطف کرانا ہوں وہ آپ کی طرز نگارش یعنی اشافی خطوط نویسی ہے آپ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے جملے تحریر فرما کر ایک طرح کو زہ میں دریا بند کر دیتے اور نہایت معنی خیز الفاظ ہوتے صحیح معنوں میں محلِ دول کے مصداق ہوتے۔ مزید یہ بھی خوبی قابلِ بیان ہے کہ آپ ہمیشہ خط کا جواب نہایت پابندی سے دیتے خواہ کبھی حالات کے اعتبار سے دیر ہی کیوں نہ ہو جائے۔ آپ صحیح معنوں میں طالبِ علم تھے جہاں آپ سے سہو ہو جاتا اس کا نہایت عمدگی سے اقرار بھی کرتے میرے نزدیک یہی ایک بڑے آدمیوں کی نشانی ہے اور ہمیشہ جستجو علم میں ہی رہے اور ہمیشہ ماسبِ رائے سے مستفید فرماتے۔ یہ ضرور ہے کہ آپ نے بعض اوقات ایسے ایسے موضوعات پر بھی لکھا جو ظاہرہ آپ کا میدان نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مگر جب آپ نے لکھا پھر آپ ہی اس کے امام نظر آئے یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو صحیح طالبِ علم ہو آپ کی وفات سے جو نقصان عظیم ہوا ہے وہ واضح ہے۔ آپ سے جیب بھی لےنے کا اتفاق ہوا آپ کو ہمیشہ خاموش اور علم میں شہک اور ہمیشہ خندہ پیشانی یا اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے۔ مجھے توقع ہے کہ میرے یہاں شائع کردہ آپ کے چند خطوط بعض مہنات کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں گے جو میری غرض و غایت ہے۔ (محمد عبداللہ چغتائی)

مکاتیب:

(۴۸)

دیسند، بہار

محترم! دامت معالیکم

میں اس وقت مرکز سے دور ہوں، ڈاکٹر صاحب کے دو والانا نے میرے پاس بھی آئے ہیں، میں کیم اپریل کو اعظم گڑھ پہنچ سکوں گا، ڈاکٹر صاحب نے امام رازی کی مباحثہ شرقیہ کا خلاصہ طلب فرمایا ہے۔ اس کی تعمیل بھی وہیں سے ہو سکے گی ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دے دیجیے۔
 ائمہ مندلیب، خواجہ میرزا مراد، خواجہ میر درد کے والد بزرگوار تھے، بڑے پایہ کے صوفی تھے ان کی تصنیف ہے، ہمارے ہاں اعظم گڑھ میں یہ کتاب نہیں، یہاں دیسنہ لائبریری میں بھی کتاب تلاش کی بتو نہیں ملی، مجھے یاد آتا ہے، کہ یہ کتاب پرانے وقتوں میں ٹائپ میں چھپی ہے علم الکتاب بھی انہی کی یا خود خواجہ میر درد کی ہے، کتاب دیکھی ہے، مجددی تصوف

(۱) یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے درمیان بعض علمی امور میں خط و کتابت ہمیشہ رہی جیسا کہ علامہ کے اپنے ذاتی خطوط بنام قبلہ سید صاحب طبع ہو چکے ہیں جن خطوں کی طرف جناب سید صاحب مرحوم نے اشارہ کیا ہے وہ مجموعہ میں ص ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ پر طبع ہو چکے ہیں۔
 ان میں بہت سے علمی امور پر آپ سے خط و کتابت کا ذکر ملتا ہے اور ان میں علامہ نے خط ص ۲۷، ص ۲۸، ص ۲۹، ص ۳۰، ص ۳۱ پر بھی لکھا ہے کہ ”معاف فرمائیے گا مباحثہ شرقیہ“ کا جو میں دستیاب نہیں ہو سکتا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نعمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلم بند فرما کر مجھے ارسال فرمادیں۔ میں اس کا جواب نہیں چاہتا جس کے کچھ میں غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع ہو گا و یہی آپ نے سید صاحب سے بدلتے شرقیہ امام فرالدین رازی کی تصنیف مباحثہ شرقیہ کے حصہ بحث زمان کا غرض طلب کیا ہے اور یہی میرے خط میں بھی سید صاحب کی طرف سے مراجعت ہے کہ وہ اس پر کلمہ کا خلاصہ مجھ سے ارسال کریں گے۔
 اس سے ایک اور ضرور وضاحت طلب معلوم ہوتا ہے کہ راقم نے اکثر قبلہ علامہ مرحوم کی طرف سے بعض علماء و فضلاء خط و کتابت کی اور اکثر سے ملاقات بھی کی بلکہ بعض علماء کو آپ کی خدمت میں بلا کر حاضر کیا تاکہ آپ سے استفادہ بھی بعض مہترسی علمی امور پر گفتگو ہو جائے۔ راقم ان امور کو الگ الگ مستقل کتاب کی صورت میں ”مبہتان“ علامہ سواقبال مرحوم کی صحبت میں بیان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

پڑھ رہے۔

دوسرا کارڈ بھی آپ کا لا، میں انشاء اللہ کل پڑھ جاؤں گا اور تاج کے متعلق مشمولہ رسالہ دیکھوں گا تو مطلع کر دوں گا، آپ کا مضمون زیر طبع ہے۔

”تفریح البعرات“ تو بہت عام کتاب ہے، اگرچہ میں ایک ایک روپیہ کو ملا کرتی ہے مجھے تو گپ معلوم ہوتی ہے۔

واقلام

سید سلیمان

۳ شوال ۱۳۳۲ھ (۲۵ مارچ ۱۹۱۳ء)

(۴۹)

محترم ادا علیکم السلام ورحمۃ اللہ

میں پر رسول وطن سے واپس آیا، کتب خانہ انکی پور میں تاریخ اگرچہ کے متعلق تین کتابیں ہیں، ایک وہی بے نام کار سالہ جو ہمارے پاس بھی ہے، اور عام طور سے ملتا ہے، اس کا نام میں نے ”تفریح البعرات“ قیاساً لکھ دیا تھا، دوسری کتاب اس بے نام والی کتاب کا اضافہ شدہ بڑاڈیشن جس کا نام کتب خانہ میں ”تاریخ اگرچہ“ ہے اس میں دیگر عبارتوں کا بھی تذکرہ ہے، تیسری کتاب جو ضخیم ہے، لالہ بہل چند کی ہے، جو آغاز عہد انگریزی میں تھا، یہ کتاب اگرچہ ادب و عمارات اگرچہ کی تفصیل تاریخ ہے، مگر استاد غیبی اللہ کا حال صرف اولی و دوم لکھے اور اس کا بھی یہ حال ہے، کہ ایک نسخہ

سلطہ اس زمانے میں راقم نے اپنا مقالہ ”تاج محل اگرچہ“ لکھنا شروع کر دیا تھا اور تحقیقات کے ضمن میں مختلف لائبریریوں سے مواد کی تلاش شروع کر دی تھی چنانچہ سید صاحب نے پھر سے ایک استفسار کے جواب میں یہ جواب دیا اور ایک مخطوطہ عام طور پر تاج پر پیش کیا جاتا ہے جس میں عبارت ”تاج کی پیمائش اور کاریگریوں کی نہرست و سامان کی فرد بھی متی ہیں۔ مگر یہ سب بناوٹی ہیں چنانچہ سید صاحب کی مندرجہ اطلاع سے واضح ہے کہ ایک مخطوطہ میں استاد حسین کو باشندہ روم اور دوسرے میں چین کا باشندہ درج کیا ہے میں نے اپنی کتاب ”تاج“ میں اس پر منتقل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عین ممدار کا کوئی وجود نہیں تھا اور یہ مخطوطے اس وقت ۱۸۶۵ء کے بعد اگرچہ کالج کے طلبہ نے ایک اشتہار کے جواب میں تیار کیے تھے جس کی تصدیق برٹش میوزیم کے ایک ایسے ہی مخطوطے سے ہوتی ہے۔ ہاں ایک مخطوطہ ہیرس کے کتب خانہ میں الی میں ہے جو صحیح ہے راقم نے اسے مکمل ۱۹۳۳ء میں شائع کر دیا تھا جب کہ راقم کی کتاب ”تاج محل اگرچہ“ پر مکمل فرانسیسی زبان میں طبع ہوئی تھی۔

میں اس کو ساکن روم اور دوسرے میں ساکن چین لکھا ہے۔
 میرے پاس جو بے نام والی کتاب ہے وہ ”تفریح السمارات“ نہیں ہے، تفریح طبعیات
 ہانگ پور کے کتب خانہ میں ہے۔
 ڈاکٹر صاحب کو کل جواب لکھ دوں گا، آپ کا مضمون اپریل نمبر میں چھپ گیا ہے دو چار
 دن میں جائے گا۔

سید سلمان
 ۷ اپریل ۱۹۳۸ء

(۵۰)

۱۔ ”تفریح السمارات“ غالباً ابھی تک طبع نہیں ہوئی یہ دراصل انگریز کی تمام خدمات کی بطور کاغذ کے
 ایک ہنرست ہے اور اس کا مصنف ایک شخص مسی سیل چند ہے۔
 ۲۔ یہاں امام غزالی کے نام کی کتاب ”مباحث شرقیہ“ کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت ”بحث خانہ“
 کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم امام رازی کے خیالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے جس کے متعلق
 پہلے خط میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے کیوں کہ علامہ اقبال امام رازی کے خیالات متعلقہ زمانہ سے اپنے
 مداس کے پیکروں میں استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہاں یہ بیان کرنا مناسب ہو گا کہ جب آپ
 کی طرف سے سید صاحب کے اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے دیر ہوئی تو لاہور میں جناب یونیورسٹی
 لائبریری میں حیدر آباد کن دائرۃ المعارف سے ایک مکمل نسخہ مباحث شرقیہ کا منگوا لیا گیا اور اس
 کا ضروری حصہ زمانہ و مکان کا ایک نقلی ترجمہ راقم نے اور مولوی سعید احمد اکبر آبادی حال صدر
 مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے مل کر ایئر کیا۔ وہ ایئر کرتے تھے اور راقم کہتا تھا جس سے حدیث
 نے استفادہ کیا اور اس طرح مزید استفسار و مزید علامہ اکبر ہرذی علم سے کیا کرتے تھے۔
 ۳۔ راقم کا ایک مضمون بعنوان ”تاریخ ابن خلدون کے علمی فیض“ مارچ ۱۹۳۸ء کے معارف میں شائع
 ہوا تھا یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

بخدمت مولوی عبد اللہ صاحب چغتائی؛ دام لطفہ۔ السلام علیکم
 رقم ۱۱۱ آپ کے پہلے مضمون ۱۱۱ میں پشاور میں مسقف بازار بنانے کا جو ذکر ہے، ایک پشاور
 نے اس کو آپ کا خبر بتایا ہے اور کھا ہے کہ یہ بازار کابل میں ہے۔
 آپ احمد معمار سے واقف ہیں، اگر اس کا حال معلوم ہو تو پتا بتائیے، آپ نے تاج کے
 سلسلے میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔
 آپ کا دوسرا مضمون چھپ رہا ہے۔
 مکتوب کا شکر یہ چغتائی صاحب کو ادا کر چکا ہوں، آپ کا بھی شکریہ کہ روادری کے وعدہ
 کو یاد رکھا۔
 والسلام

سید سلیمان

۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء

۱۱ میرا ایک مختصر مضمون تاج پر معارف جنوری ۱۹۳۱ء کے پرچم میں طبع ہوا تھا جس میں میں نے
 علی مردان خان کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تعمیرات کے ضمن میں بیان کیا کہ اس نے ایک مسقف بازار
 پشاور میں تعمیر کیا تھا۔ جس کا اس نے ایک نقشہ کمرست خان شیرازی کو بھیج دیا تھا کہ اس کے مطابق
 ایک مسقف بازار دہلی میں تعمیر کرے اس کا حوالہ میں نے خانی خان کی منتخب الباب (صفحہ ۶۲ ج ۱ جلد اول)
 کا دیا تھا گوئیہ صاحب کو اس پر شک ہوا اور آپ نے پھر مارج سلسلے کے معارف کے شذرات میں وضاحت
 سے لکھ کر حمایت بھی کی۔

۱۲ سید صاحب کو احمد سمار کے لڑکے طفہ اللہ ہندس کا ایک دیوان کہیں سے ملا تھا جس میں طفہ اللہ
 نے اپنے باپ احمد کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ میرے باپ احمد نے علاوہ دیگر عملداریات عہد شاہجہانی کے
 تاج بھی تعمیر کیا تھا جس کے لیے آپ نے مزید حالات دہرائے دریافت کیے تھے۔ اس کے متعلق اگلے خطوط
 میں مفصل آئے گا۔

۱۳ راقم کا ایک اور مضمون بعنوان "اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی کے چند ہندو معبود زیر طبع
 تھا جو اپریل ۱۹۳۱ء معارف میں طبع ہوا جسے آل انڈیا اور شیل کانفرنس چٹنہ میں ۱۹۳۱ء میں پیش کیا گیا تھا
 یہ اشارہ اس کی طرف ہے۔

۱۴ گئے رقع چغتائی بین دیوان غالب کے معنوی ایڈیشن کی خاص اشاعت ۱۹۳۱ء میں لاہور سے ہو چکی تھی
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

مترادف علیکم السلام

سین ہفتوں سے پس پورنہ جموں پال کے سفر میں تھا، مرقع غالب پر رہی ہوگا، فنون لطیفہ پر کوئی عمل یا اثر کی کتاب ہے ہمارے کتب خانہ میں اور نہ خطاطی پر کوئی کتاب سوائے تذکرہ خوشنویسیاں ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ غلام رسول سورتی تاجر کتب ہندوئی بازار بیٹی سے فہرست کتب منگو کر دیکھیے، مجھے اپنی گفتگو یاد نہیں کہ کن مضامین یا رسائل کو خیال کر کے میں نے ایسا کہا تھا اگر آپ کو کچھ یاد ہو تو فرمائیے۔

آپ نے احمد مہار کا پستانہ دیا، اس کو بیٹا ہندوستان میں تھا، کہیں یہ نام آپ کی نظر سے گزرے ہیں۔

خطاطی کی فائیش کسی کا نفرنس کے ضمن میں حمایت اسلام یا انجور کیشنل کانفرنس ہو تو زیادہ کامیاب ہو، آپ کا مضمون چھپ گیا ہے۔ والسلام

بقیہ حاشیہ گذشتہ (۱)
گماں کا عام ایڈیشن میں اس کے بعد شائع کیا گیا تھا سید صاحب کا اس متاخر نمبر کی معرفت اشاعت ہے جس کی ایک جلد آپ کی خدمت میں ان کی ایک مجلس میں ملاقات میں بطور مسی طلب کے یاد دہانی کا نام پر بطور ہدیہ ارسال کر دی گئی تھی۔ غرض کہ یہ ایک طرح رہیدہ ہے اور آپ سے یہ ملاقات پڑ میں آئی اور نیشنل کانفرنس کے موقع پر ہوئی تھی جب کہ آپ نے وہاں ایک مہرکتہ الارامیون "مہر خیام" پر پڑھا تھا اور اس جلسہ کی مددات مرحوم فاضل صلاح الدین خدا بخش نے کی تھی۔

میں نے کچھ اکثر یہ خیال رہا ہے اور عقیدہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے فن خطاطی میں عداوت اسلامی ثقافت پنہاں ہے اور ہمیشہ سے خیال دامن گیر ہے کہ ایک نہایت شاندار فائیش کہ جائے چٹاں چہرہ اس ضمن میں آپ سے بھی اکثر تبادلہ خیال ہوتا رہا مگر یہ آرزو آج تک پوری نہیں ہوئی۔
لکھ احمد معاملہ کے حالات وغیرہ سے متعلق آپ نے پھر استفسار فرمایا جس پر بندہ نے ان سے بعض مزید امور دریافت کیے جن کا اشارہ اگلے خط میں بھی ہے۔

میں نے ایک نہایت نقاشی کلا بوری میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے کے موضوع پر لکھنا ہی کہ جلد ہی بہت سے نوجوان مسلمان معروہوں نے حصہ لیا اور خطاطی کے ضمن میں قابل ذکر کام ہر جہد المیہ بدوین رقم کا کام تھا جو اپنے زمانہ بہ نسبت مستقیم کھنچے میں خاص طرز رکھتے تھے اسی نائیک کا افتتاح سرچہ دہریا شہاب الدین صدیق غائب مجلس کو نسل نے کیا تھا اور ان کے عزیز خواہ احمد یا رخان دولہ زمر مرحوم و حکومتانہ نہ نے بہت سے نمونے خطاطی خرید کر جو ملا افزائی کی تھی۔

سید سلیمان
۱۱ اپریل ۱۹۳۱ء

(۵۲)

محرم! وعلیکم السلام

عنایت نامہ ملا، ناموں کا اشتباہ بھی عجیب چیز ہے، میں نے آپ کے مضمون کی رسید
کلمنٹ سے بھیجی، مگر وہ محمد عبداللہ قریشی کو چھ کمانگراں کا ایک خط آیا ہوا تھا، اس کے جواب
میں لکھ کر بھیجی آپ کو انتظار رہا ہو گا، اور ان کو میری اس بوالفصولی پر حیرت ہوئی بہ ہوال
دونوں صاحبوں سے خواستگار معافی ہوں۔

آپ کا رسلاکٹ موازی حمد قیمت کتاب پہنچ گیا، دفتر کے حوالہ کر دیا گیا معارف آپ
کے نام آپ کے مضامین کا مجبوراً دیا جائے گا یہ

آپ سے میں نے پوچھا تھا، اگر احمد معمار کا نام کس کتاب تاریخ میں آپ کو ملے؟ اور
آپ نے اپنے مضمون تاج میں اس کا نام کس سند کی بنا پر لیا ہے؟ وہ سند مجھے درکار ہے احمد
والا نوٹ اب میں شائع کر دوں گا، اُسے آپ ہی کے حوالے لینا ہے دیوبند والا نوٹ
ابھی نہیں دیتا ہوں، پہلے دسبر میں الملک عظیمؒ والا دیا جا رہا ہے۔ جنوری میں دیوبند والا

میں نے آپ سے سیرے ایک خط کا جواب سیرے ایک کرم فرما، نام کو ارسال کر دیا یہ اس طرف اشارہ ہے۔
یہ خط عبداللہ قریشی کے نام ہے اور اس مجموعے میں شامل ہے

میں نے ایک مرتبہ مولانا شبلی مہجور کی کتاب "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک تلخ نگاہ" بھی
اس کی قیمت بہ صورت ٹکٹ ادا کی تھی۔

محمد احمد معمار کے ضمن میں میں نے آپ کو مل صاحبؒ کو فیروز کے حوالے دیے تھے جس کے متعلق اگلے خطوط میں ذرا
وضاحت سے ملے گا۔

میں ایک مرتبہ استاد محترم و معظّم قدس حضرت سید انور شاہ صاحبؒ سے ملنے دیوبند گیا تو اتفاق سے
آپ مکان پر تشریف نہیں رکھتے تھے بمقام گئے ہوئے تھے مگر قیام وہیں ہوا تھا ناز عمر کے وقت ان
کے مکان کے قریب ایک مسجد جو شمال کی طرف تھی نماز ادا کی۔ اتفاق سے اس مسجد کی پیشانی پر ایک
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

آئے گا پرچہ آپ کے نام بھیج دیا جائے گا۔ والسلام

سید سلیمان
۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء

(۵۳)

مترجم! ولیکم السلام

مجھے ایک دیوان فارسی ہاتھ لگا ہے، اس میں احمد معمار کا نام ہے، اس کے لیے میں نے احمد معمار کا نام تلاش کرنا چاہا، چونکہ آپ کو اس قسم کے مضامین سے دلچسپی ہے اس لیے آپ سے پوچھا کہ آپ کی تلویح سمجھ سکتے ہیں یا شاید جہاں کے عداوتی سلسلے میں کہیں اس کا نام گزرا ہے جس سے اس کا پورا حال معلوم ہو سکے، یا یہ تصریح ملتی ہے کہ آج کی تعمیریں یہ بھی شامل تھا صرف حوالہ مقصود ہے، آپ جو حوالہ بتائیں گے، آپ کے نام کے اظہار و شکریہ کے بعد میں درج کروں گا۔

والسلام

سید سلیمان

۲۱ دسمبر ۱۹۳۱ء

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

تحریر پتھر پر نظر پڑی دیکھتے دیکھتے معلوم ہوا کہ کوئی قدیم کتبہ ہے جب میٹر میں لے کر اس کا کلیب چربایا تو معلوم ہوا کہ وہ اکبر کے عہد کا کتبہ ہے جس پر ایک مستقل مضمون لکھ کر معارف میں برائے طباعت ارسال کیا جو جنوری ۱۹۳۱ء میں طبع ہوا جیسا کہ سید صاحب کے اپنے الفاظ سے واضح ہے۔

۵۷۷ سرچاودا تھ سرکار پر و فیض تاریخ ایک مشہور ہستی تھی جس نے اورنگ زیب عالمگیر پر ۵ ضمیمہ جلدی لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک مختصر کتاب "احکام عالمگیری" لکھی تھی اصل فارسی میں طبع کی ہے جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی کر دیا ہے اس میں ایک جگہ بھی ہے جس میں کہا گیا ہے "مکہ الملک عظیم بادشاہت" جس کا عام ترجمہ قویہ ہے مثال "ملک" الخ ہے اس کو بد نظر رکھو مگر سرکار نے انگریزی میں جو ترجمہ کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے "کلمۃ الملک عظیم" بادشاہ کا لفظ (کلام)

بے معنی ہوتا ہے جو ایک فٹن غلطی ہے جس پر راقم نے ایک مستقل مضمون مبدل میں برائے اشاعت ارسال کیا چنانچہ یہ اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ مضمون طبع ہو چکا ہے۔

۵۷۸ اب اس خط میں سید صاحب نے احمد معمار سے متعلق کچھ وضاحت فرمائی جس کا جواب راقم نے مع حالات و انتباس کے ارسال کیا جس کی رسید ملے خط سے واضح ہے۔

محترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ کانگریز، مجھے آپ کی واپسی کا علم نہیں تھا، یہ ہر حال آپ کی اس کامیاب واپسی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

میرا مضمون احمد مختار مجد اللہ کہ پورا ہو گیا، اب بجا سے پتا چلا۔ انڈو کے کتابت میرے پاس تھے، جن کو فخر حسن صاحب نے شائع کیا ہے۔ لطف اللہ کی بہت سی تعانیف کا پتا لگا ہے۔

میں نے نواب جعفر خاں کے خط کے تعلق سے آپ کا حوالہ دیا ہے، مگر یہ آپ نے نہیں کھا کہ یہ مجموعہ خطوط کس کا ہے، آپ کے پاس جو نسخہ ہے اس کا سال کتابت کیسے؟ نواب جعفر خاں کا یہ خط کس کا ہے؟ یہ ہر حال اس خط کے وثوق کی ذمہ داری آپ پر ہے۔

یہ مضمون انشاء اللہ لاہور ہی میں اپریل میں پڑھا جائے گا، مطلع کیجیے کہ ادارہ معارف اسلامیہ کی حیثیت کیا ہے؟ اس کا کہاں تک وجود ہے؟ اُس نے اپنے اجلاس میں بلایا ہے۔

والسلام

سید سلیمان ۹ فروری ۱۹۳۳ء

سیدہ راقمہ ۱۹۳۳ء کے وسط میں یورپ بعض علمی تحقیقات کے ضمن میں گیا تھا اور وہاں سے آخر دسمبر ۱۹۳۳ء کو واپس آگیا یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

شہ آپ نے احمد سہل پر ایک مبوط مضمون لکھا اور اس میں آپ نے نواب جعفر خاں کے نام ایک خط کا اقتباس بھی دیا تھا جسے راقمہ نے آپ کو ارسال کیا تھا جس میں احمد سہل کا ذکر حسن ابدال کی تیسرات کے ضمن میں ملتا ہے اور مجھے ایک گرام مجموعہ خطوط میں ملا تھا جو عہد شاہجہاں سے تعلق رکھتا تھا جس پر آپ تاکید فرما رہے ہیں اور یہ مضمون آپ نے لاہور میں ہی اگر ادارہ معارف اسلامیہ کے جلسہ میں اپریل میں پڑھا تھا جس کے متعلق اگلے خط میں بھی درج ہے۔ یہ ادارہ حضرت علامہ اقبال کی صدارت میں خواجہ عبدالوحید مرحوم نے قائم کیا تھا۔ اپریل ۱۹۳۳ء میں جو اس کا جلسہ علمی ہوا تھا، خواجہ صاحب نے اس میں وقت کے کئی کامیابیوں کو بیان کیا تھا۔ جلسہ نہایت کامیاب ہوا۔ اس کی روداد و مقالات کے شائع ہو گئی تھی

محترم! اگر کم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم!

عنایت نامے کا شکریہ، آپ نے جہاں اتنا ممبر فرمایا ہے، ایک مہینہ اور ممبر فرماتے جس چیز کو آپ بہا مبرا چاہتے ہیں، وہی تو صرف مضمون میں جانِ سخن ہے، اگر اسی کی تشبیر قبل از وقت کر دی جائے تو اس مردہ اور بے جان مضمون کی حیثیت کیا رہ جائے گی۔ ایہ ہے کہ اپریل میں آپ سے ملاقات ہو سکے گی۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۸ فروری ۱۹۳۳ء

لے میں نے آپ سے ذرا بے مبر بوجہ ایسے عملی کام کرنے والوں کا بیوہ ہے آپ کے نتائج نمونہ سے متعلق دریافت کیا جس کا جواب آپ نے اس طرح دیا کہ اب مضمون میں اصل میں لینا جو لاہور میں اپریل ۱۹۳۳ء میں پڑھا جانے والا تھا چنانچہ یہ جلسہ نہایت شان و شوکت سے لاہور میں منعقد ہوا۔ علامہ سر محمد اقبال ہوا یہ عمل جلسہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہماری طبعی جدوجہد کی تاریخ میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے کیونکہ اس میں اراکین مضمون سید سلیمان ندوی، سید ریاست علی نور محمد، احمد علی نے بھی شرکت کر کے مضامین پڑھے تھے اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم حضرات نے بھی خوب حصہ لیا یعنی نواب صدر الصدور حبیب الرحمن خاں شروانی جیسوں نے بھی شرکت کی تھی۔ آپ نے اپنا مکتبہ الامام مضمون بعنوان ”لاہور کا ایک ہندوستان“ میں نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا۔ پڑھا اور راقم کا بھی اس خط و فیروہ کے ضمن میں باقاعدہ حوالہ تھا جب آپ نے مضمون ختم کیا تو راقم نے بھی باجائز مرحوم علامہ اقبال صدر جلسہ آپ کے مضمون پر کچھ تبصرہ کیا اور ساتھ ہی احمد حامد کا ذکر بھی ہوا ”عمل صالح ہمیں کیوں کہ مطلوبہ نفع“ عمل صالح میں غلطی سے احمد کا ہی ذکر ہوتا ہے مگر آپ نے نہایت خوبی سے ہردو مہاروں کا ذکر خوب کیا تھا ویسے میں نے اس وقت شک ظاہر کیا تھا کہ ”احمد کو میں فوراً اس کے لڑکے کی محض ایک شہادت پر مہار تاج قرار دیتے ہیں ذرا تامل کرنا چاہیے اور کسی مزید شہادت کا انتظار کرنا چاہیے چنانچہ آج تک بھی کوئی اور شہادت میری نہیں آئی۔ حال ہی میں ڈاکٹر نذیر احمد کھنویو نور علی نے ایک محققانہ مضمون احمد صاحب کے پوتے امام الدین دہلوی کی ایک تصنیف ”مذکرہ پاکستان“ پر منقول لکھا ہے (رسالہ اردو دانش ترقی اردو ہند) جس سے اس خاندان کے نامور حالات پر مزید روشنی ڈال گئی ہے مگر اس میں اس کا قرار نہیں تھا کہ احمد صاحب تاج بھی تھا اس جلسہ ۱۹۳۳ء اور وہ معارف اسلامیہ کی کئی روٹیں دہلی ہے۔

محبتِ محرم: دام لطفِ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ نے مغفرتِ کیا میں سفر میں تھا، گجرات کے بعض مقامات کی سیاحت میں معروف تھا، ۱۶ کو واپس آیا، اس سفر میں زبرد پر ایک چھوٹی سی نظم کہی گئی ہے۔ اگر فرمائیں تو وہ کاروانِ محسنے لیے حاضر کردوں یا کوئی اور نظم۔

بیرالصحابہ حصہ ششم اور تاریخِ مقلیہ حصہ اول اس سال نئی کتابیں چھپی ہیں، مرسل خدمت ہیں۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام

سید سلیمان

۱۶ جولائی ۱۹۳۳ء

محبتِ محرم: دام لطف

اسلام علیکم، جی ہاں آپ کی فرمائش نظم زبرد کی نسبت موصول ہوئی تھی، لیکن میں ڈر رہا تھا کہ آیا یہ بھیجنے کے قابل بھی ہے یا نہیں اب اب کے اصرار سے مجبور ہو کر بھیج رہا ہوں۔ تاریخِ مقلیہ کی عبارت مذکورہ میں جو کڑا ابجی اشیر سے منقول ہے اس میں پنجہوں کی بجائے

لے راقم نے سالانہ کاروان کی خاطر آپ سے کوئی معنون یا نظم طلب کی جس کے جواب میں آپ نے نظم زبرد کا ذکر کیا ہے۔

عہ کاروان والا ہو کر پلا پلا کر ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر اشیر کی ادارت میں نکلا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں اس کا دوسرا شمارہ جمید ملک کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔
تھے آپ اکثر کتابیں اور سال کر دیا کرتے تھے۔

میں نے آپ نے میرے اصرار پر آخر یہ نظم ارسال کر دی جسے ہم نے سالانہ کاروان میں طبع کیا یہ سالنامہ اپنی نوعیت کا اقتدار سے ایک عجیب و غریب مرقع علم ادب و فن کا تھا اس کے صرف دو شمارے شائع ہوئے۔

تھے اس کتاب میں میرے پر کچھ عبارت ابجی اشیر سے نقل کر کے استنباط کیا گیا ہے اور اس کے مفہوم کو ادراک میں رکھ کر اور ہونا چاہیے جس طرف آپ کی توجہ دلائی گئی تھی چنانچہ اس کا جواب تھا اور آپ نے اس کی وضاحت بھی کر دی۔

نمون چھپ گیا ہے، حاصل ترجمہ صحیح ہے، مگر نقلی ترجموں پر جوکا۔

اور عقلیہ دالے، عقلیہ اور قلوبیہ کے ان حصوں پر جو روسیوں کے ہاتھوں میں تھے، حملہ کرتے رہے اور ان کو لوٹتے اور ویران کرتے رہے۔

کچھ خبر ہے کہ ادارہ معارف اسلامیہ کی روداد اور مجموعہ مضامین کی اشاعت کب ہوگی
دوستوں کو سلام۔ والسلام

سید سلیمان ۱۷ اگست ۱۹۳۳ء

(۵۸)

مکرم! السلام علیکم

یاد فرمائی کا شکریہ، عقلیہ دوم ارسال خدمت کی گئی، رسید کا انتظار رہے گا۔
مجھے مدت سے آپ کی تلاش تھی، (ماتے بھروسہ آپ پھرتے ہیں، گو کبھی دلہا معنیفین
کے بھونپڑے میں آپ قدم نہیں رکھتے۔

دارالمعنیفین میں اسلامی تدن ہند کی تاریخ زیر تحریر ہے، چاہتا ہوں کہ اس کے مختلف
ابواب مختلف اصحاب اپنے اپنے دائرہ کے لکھیں، اسلامی فن تعمیر، تصویر اور خوش خطی
پر تین ابواب کی ضرورت ہے، مضامین معقنہ ہوں، یہ مضامین انھیں اصحاب کے نام
سے اس مجموعہ میں چھپیں گے۔

کیا آپ ان تینوں پر بیان میں سے کسی ایک پر لکھیں گے؟ خوش خطی اور تاریخ خط و ہند
پر تو پروفیسر محفوظ الحق بھی لکھ سکتے ہیں، یا کسی اور کا نام بتائیے، بڑے لوگ تو خطوں کا جواب

لے خط کے حاشیے میں واضح کر دیا ہے کہ آپ نے لاہور میں اگر معنیفین پڑھا اب آپ کو اس کی
طاعت کا انتظار ہے جو جلسہ ادارہ معارف اسلامیہ کی رو واد میں طبع ہوگا۔

میں اسلامی ہند کی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کی پندرہ جلدوں پر مشتمل ایک جامع تاریخ
کی تالیف و تدوین کا ادارہ معنیفین نے ۱۹۳۴ء میں ایک منصوبہ بنایا تھا۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر
عبداللہ چشتی سے مقالے کی فرمائش کی تھی۔ اس منصوبے کا ذکر فیصل الدین اٹھی کے نام خط میں ذکر آیا ہے
اور وہاں اس پر ایک حاشیہ بھی ہے۔

میں آپ کی اس دعوت پر میں نے کھٹا شروع کیا مگر اسی سال بھے پھر دسمبر ۱۹۳۳ء میں یورپ
جانے کا اتفاق ہو گیا اور اس کے لیے میں نے کچھ مزید وضاحت کی خاطر خط لکھا جیسا کہ اگلے خط
سے واضح ہو جائے گا۔

بھی نہیں دیتے، اتنا قدیمہ کے محققین کا بھی تجربہ ناکام رہا، یا یوں کہیے کہ بڑی تنخواہوں کے مل جانے کے بعد پھر کام کا حوصلہ جاتا رہتا ہے۔

والسلام

الحمد للہ اب اچھا ہوں۔

سید سلیمان

۲۷ اگست ۱۹۲۶ء

(۵۹)

مکرم! السلام علیکم

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ کی مشغولیتیں بے حد مبارک ہیں۔ جمع آثار کا کام بے حد ضروری ہے۔ آپ مصوری اور تعمیرات صرف دو مضامین لیں اور پوری تاریخ غزنویہ سے بے کرا آخر تک نچوڑ کر رکھ دیں۔ عہد بہ عہد کی ترقیاں اور مداح دیکھنا ہے۔ پچاس پچاس صفحہ غالباً کافی ہوں تصاویر کا انتظام ہو سکا تو کیا جائے گا۔ مدت ایک سال۔

آپ کے مذاق کی ایک چیز ہاتھ آئی ہے۔ ایسے الحجاج ملازمین صفی قزوینی مصنف دربار زیب النساء میگم معقود، بندر سورت، منی تاجدہ منی، حجاج ممالک اسلامیہ اور دیگر مناظر کی دستی تصاویر۔ ان تصاویر کی دستی قدر و قیمت آپ جانیے۔

جی ہاں ادارہٴ سعادت کے جلسے میں عدم حاضری کے سبب آپ کی کوششوں کا نظارہ نہ کر سکا۔

والسلام

یار زندہ صحبت باقی۔

سید سلیمان

۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۶۰)

مکرم! السلام علیکم

آپ کے خطوط موصول ہوئے۔ میں کئی ہفتے سے سفر میں تھا۔ آپ کا مضمون جو علی مردان خان پر ہے ضرور شائع ہوگا، وہ اس لیے رکھا تھا کہ اس کے ساتھ کار سالہ تصدیق طلب

تھا، میں رسالہ مذکور آپ نے پاس بھیجتا ہوں، اس کو صیغ کر کے بھیج دیجیے یا اس کی اشاعت
ملوث کر دیجیے، اس میں بہ کثرت غلطیاں ہیں۔

میں نے جس عنوان پر لکھنے کی آپ سے فرمائش کی تھی، وہ درخواست اب بھی اسی طرح
ہے اسلامی تمدن ہند کی تاریخ کے سلسلے میں میں دو باب چاہتا ہوں، پہلے اگر لکھ سکیں تو دو چار
مہینوں میں لکھ کر بھیج دیں۔

- (۱) مسلمانوں کی تعمیرات ہند پر تبصرہ اور موجودہ مشہور عمارات کی نسبت فنی آراء وغیرہ۔
- (۲) مسلمانوں کی تصاویر و نقاشی و فیروزہ اور خط کی تاریخ اور مشہور مصوروں کی نقاشیوں
اور خطاطوں کے حالات و کارنامے۔

۳۔ میرے خیال میں ان دونوں پر سو سو صفحے کافی ہوں گے، یا جتنا آپ اپنے پیش نظر مولو
کے لحاظ سے لکھ سکیں، مگر جو کچھ لکھا جائے معتقدانہ و مستند ہو۔ حوالے فٹ نوٹس میں ہوں
اور اس طرح لکھا جائے کہ معلوم ہو کہ ہندوستان کی قدیم صنعتوں میں اسلامی عہد میں کیا
ترقیات ہوئیں، ہر باب کے لیے سو روپے کی نذر کرنا ہوں، مطلع فرما دیجیے۔ والسلام

سید سلیمان

۱۲ اپریل ۱۳۲۸ھ



مکرم! السلام علیکم

آپ کی تحریریت اور کامیاب واپسی پر مبارکباد۔ ابی چند ہفتے ہوئے کہ آپ کے
بھیجے ہوئے ایک فریج مراکش پروفیسر سے علی گڑھ میں ملاقات ہوئی تھی، اور آپ کی تحریریت

۱۔ میرا ایک مضمون علی مروان خاں ہمدانی میں ہمارے اشاعت آپ کے پاس پڑا تھا جس کا ذکر آپ
نے فرمایا ہے میں نے اس کے ساتھ ایک فارسی زبان میں رسالہ بھی ارسال کیا جس میں علی مروان خاں
کی اولاد و امجاد کا ذکر تھا میں چاہتا تھا کہ یہ بھی مضمون کے ساتھ فٹ نوٹس میں شائع ہو جائے مگر
آپ نے دیکھا کہ وہ کافی غلط تھا اس لیے آپ نے اسے واپس کر دیا اور مضمون کو شائع کر دیا۔
۲۔ آپ نے میرے استفسار پر اس کتاب کی وضاحت فرمائی۔

معلوم ہوئی تھی بلکہ

میری اور آپ کی ملاقات مرحوم ڈاکٹر اقبال ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی، اس لیے آپ کے اور میرے خطوں کے تبادلہ میں اس سانحہ عظیم کا ذکر منہدی ہے، مرحوم کی وفات پر چند رسمی غلین لفظوں کا اظہار نا کافی ہے۔ یہ وہ غم ہے جس کے اظہار کے لیے الفاظ نا کافی ہیں۔

آپ کے خطوط اور ایک تاریخی مضمون مع رسالہ تلی موصول ہوا، مضمون مذکور میں اور اس سے زیادہ اس فارسی رسالہ میں سید غللیاں ہیں اس لیے ان کو چھاپنا چاہا گیا۔ میں آج کل ایک دور افتادہ دیہات میں مقیم ہوں، اور گرمیوں بھر یہیں رہوں گا،

برادر سید نجیب اشرف سے پٹنہ میں ملاقات ہوئی تھی، اور آپ کے واپس آنے کی خبر پہلے انھیں سے معلوم ہوئی تھی۔

لے بندہ ۱۹۳۸ء میں ماہ اپریل کے وسط میں یورپ سے پیرس یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر واپس آیا اس لیے آپ مبارک باد دے رہے ہیں۔ اس اثنائے ایک پروفیسر پیرس سے ہندوستان کی سیاحت پر آیا جس کا نام ”جوئارا“ تھا اس نے تمام ہندوستان کے ان مقامات کی سیاحت کی جہاں علوم عربیہ و فارسی ذرا زیادہ اعلیٰ طریق پر پڑھائے جاتے تھے۔

لے میں نے ابتدائی سطور میں یہ واضح کیا ہے کہ قبلہ سید صاحب مرحوم سے میری ملاقات علامہ مراقبال کی معرفت لاہور میں ہوئی تھی چنانچہ آپ نے اقبال کی وفات ۱۹۲۸ء پر یونیورسٹی کو جو ہوئی مرحوم کی تعزیت بھی میرے ساتھ ہی کی یہ وہی معاملہ ہے جو میں نے ابتدا میں لکھا ہے کہ بعض اوقات کسی کی وفات کی تعزیت کرنا مرحوم کے پس ماندگان سے معما ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ مرحوم کے ان محفلت سے تعلقات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لیے غالباً آپ نے علامہ کی تعزیت میرے ساتھ کی ویلے آپ نے معارف کے شذرات میں بھی اس کا اظہار فرمایا تھا۔

ملے یہ میرا مضمون ملی مردان خاں تھا جس کے ساتھ میں نے ایک رسالہ بھی جو قدیم لکھا ہوا تھا گروہ قابل ہند نہیں تھا یہ اس کی طرف اشارہ ہے اور آخری مضمون طبع ہوا جیسا کہ پچھلے خط سے واضح ہے۔

ملے پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب آج بمبئی و سمنٹ کالج اندھیری میں رہتے ہیں ان کے ساتھ ملے سفر پر

کیا آپ کی کتاب سماج کے کسی گوشہ میں میرا بھی ذکر ہے؟
 اسید کو ادارہ معارف کے آئندہ جلسہ میں ملاقات ہو۔ والسلام
 سید سلمان
 ۱۲ مئی ۱۹۳۸ء

(۶۲)

مکرم: السلام علیکم،

عنایت نامہ ملا،

(۱) سند کے کتبہ کے سلسلے میں میں نے وہی لکھا جو پردخیر شفیع صاحب نے مجھے لکھا تھا، اس کے علاوہ مجھے کچھ علم نہیں ہے۔

(۲) معارف کے جن ہنر دانوں میں آپ کے مضمون چھپے ہیں، ان کے لیے دفتر میں لکھیں۔

(۳) مناسب ہے کہ ہم سب لوگ آپس میں مواصلت رکھیں اور کام کرنے والوں کی مدد کریں۔ مگر ضرورت ہے کہ کام کرنے والے دیانت سے کام کریں اور استحقاق سے زیادہ کی توقع نہ کریں یہ فقرہ تھوڑی سی تفصیل کا محتاج ہے بلکہ

پردخیر اردو میں آپ سید صاحب مرحوم کے قریبی عزیز ہیں، سید نجیب اشرف سے راقم کے دو بار تعلقات یکے کے بعد سے ہیں۔

آج آپ کو یہ علم ہے کہ میری کتاب سماج مل اگرچہ پرانے میں فروغ زبان میں جمع ہو چکی تھی چونکہ اس سے پیشتر میرے اور آپ کے درمیان احمد سار کے ضمن میں خاصی خلوت کا بت رہی جیسا کہ بعض خطوط سے واضح ہے اس لیے لازمی تھا کہ توقع تھا کہ میں آپ کی تحقیقات کا ذکر بھی کرتا چنانچہ میں نے جہاں سے سہار کی سواری ملاقات بیان کیے ہیں وہاں اس کے لڑکے لطف اللہ کے دیوان کا حوالہ آپ کے نام سے ہی دیا ہے۔

مجھے بلکہ کوئی کہ شفیع صاحب مدظلہ العالی نے کچھ کتابیں سندھ مقام سہوان سے جمع کیے تھے (اور شیل کالج میگزین میں) جن میں آپ نے سلطان محمد تھکن کی وفات اور قبر کے متعلق نہایت مفید اطلاع بہم پہنچائی تھی یہ تمام اس کی طرف اشارہ ہے۔

مجھے راقم کا ارادہ یہ تھا کہ آج میں تمام تحقیق کام کرنے والوں کے درمیان ایک (بقیہ حاشیہ) اعلیٰ سے ہر

(۴) آپ کا مضمون علی مردان خان اعظم گڑھ میں ہے، اس کی تعمیل واپسی کے بعد ہو سکتی ہے۔

(۵) آپ کا رسالہ "یادداشت تاج محل" مجھے نہیں ملا، مجھ کو دیجیے۔

(۶) آپ نے ہماری کتاب کے کچھ ابواب اگر لکھے ہوں تو میرے پاس مجھ کو دیجیے، دارالمعتضین اپنی استطاعت کے مطابق ان اوراق کی قیمت ادا کرے گا، اور وہ اوراق آپ ہی کے نام سے طبع ہوں گے۔

ادائل جرنلانی میں حیدر آباد کا قصد ہے۔

والسلام

سید سلیمان

۲۹ مئی ۱۹۳۹ء

(۶۲)

کرم! السلام علیکم

سفر میں آپ کا عنایت نامہ ملا اور سینوں مطبوعہ رسالے بھی ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خوشن

اخرت اور تعاون کا جذبہ بھونا چاہیے، تاکہ ایک دوسرے کے تعاون و اطلاع سے علمی کارنامے مکمل ہو جائیں۔

راقم کا ایک طویل مضمون بعنوان "ایراناظر علی مردان خان" معارف ۱۹۳۳ء جلد ۳۲ میں دو قسطوں میں طبع ہوا تھا یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

میں نے ایک مخطوط فارسی میں ہیرس کے کتب خانہ بنی اللہ سے متعلقہ "تاج محل اگرہ" جسے مرثیہ میں یادداشت تاج محل کے نام سے لکھا جاتا ہے تلاش کر کے طبع کیا تھا اور اپنے مقالہ تاج محل کے ساتھ وہاں ہیرس یونیورسٹی میں داخل کیا تھا۔ اس کے عرض میں ہیرس یونیورسٹی نے ایک خاص انعام بھی دیا تھا جس سے اصل کتاب تاج محل کی طباعت میں خاصی سہولت بھی ہوئی تھی چنانچہ آپ نے اسے طلب فرمایا کہ نہایت مدد و تھک پر لاہور میں اردو نیشنل کالونیگز کے ضمیمہ کے طبع پر اسے شائع کیا گیا تھا اس لیے ذرا مشکل سے سیر آیا۔

میں یہ اس کتاب کی طرف اشارہ ہے جو سید صاحب نے راقم کو بعنوان فن تعمیر اور مصوری لکھنے کے لیے کہا تھا جس کا ذکر پچھلے خطوط میں آچکا ہے اور میں نے ہر چند آپ سے خواہش کی کہ اس کتب کو مع تصاویر

میں برکت دے کر آپ ایسے مفید کام بہت سے انجام دے سکیں۔ آپ ان معارف کے رسالہ کو صحیح سمجھتے ہیں مجھے تو فرضی معلوم ہوتا ہے،
میں سفر میں تھا، اور کل سے پھر سفر درمیش ہے، دائرۃ المعارف حمید آباد دکن کے
جلد مضامین میں جا رہا ہوں،

آپ سے دارالمصنفین جن مضامین پر ایک تالیف مانگ رہا ہے اس کو کب تک
تیار کریں گے یہ

والسلام

سید سلیمان

۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (۲۵ جون ۱۹۳۷ء)

(۳)

کرم السلام علیکم،

میں دو مہینوں سے مرکز سے باہر گرمیوں میں ایک گاؤں میں مقیم ہوں، جو شہری ہنگاموں
سے کبیر خال ہے۔

آپ کے والانا مے لے۔ میں نے اپنا مقصد بار بار آپ کے سامنے ظاہر کر دیا، مضمون
کی تفصیل کر دی، آپ پھر اس کی تفصیل اور مزید تفصیل میں معروف ہیں، مہربانی فرما کر اگر
آپ کام کو ناپسند فرماتے ہوں تو مضمون کچھ کر عنایت فرمائیں، اور معاوضہ قبول فرمائیں
کوئی رقم پیشگی بھیجنا میرے امکان سے باہر ہے اور نہ کوئی سفر خرچ ممکن ہے۔

شائع ہونا چاہیے مگر آپ سے اس ضمن میں معاملہ نہیں ہوا۔

میں نے آپ کی خدمت میں تاج محل سے متعلق یادداشت مطلوبہ ارسال کی اور اس کے ساتھ
اور بھی مواد تھا آپ اس پر تبصرہ فرما رہے ہیں کہ بعض حصے فرضی ہیں مگر وہ رسالہ بطور یادداشت
تاج محل جو راقم نے پیرس کے کتب خانہ میں الفی سے دریافت کر کے طبع کی تھا وہ نہایت صحیح
اور اصل ہے اس کے متعلق میں نے اپنی کتاب تاج محل میں مفصل لکھا ہے۔

یہ یہ کتاب مضمون تو ایسی کہ جسے رہی کریں مہر چند آپ سے پوچھنا کہ اگر ایسی تالیف کے لیے
تعداد پر لازمی ہیں تو آپ اس کے متعلق کوئی جواب ہی نہ دیتے یا آپ ایسی کتاب کے لیے تعداد
کی اہمیت کو مد نظر رکھ کر زیادہ خرچ سے تالیف فرماتے۔

میں نے معاملہ کو داغ کر دیا ہے، اب اس کے بعد کچھ مزید توضیح بیکار ہے امید
کہ مزاج بخیر ہو گا۔

والسلام

سید سلیمان

۲۴ جون ۱۹۳۹ء

یہ دونوں خط اگرچہ سید صاحب کے قلم سے نہیں لیکن دراصل اسی مکاتبت کا ایک حصہ ہیں۔
ایک خط تو سید صاحب ہی کے ایما سے لکھا گیا ہے۔ دوسرا خط بھی سید صاحب کے ذکر سے خالی
نہیں۔ اس لیے انہیں بھی اس سلسلے میں شامل کیا جاتا ہے۔

(۴۵)

محترم! زاد لطفہ

السلام علیکم۔ آپ کی کتاب اور معنون موصول ہوئے شکریہ۔ جناب سید صاحب کے
ارشادِ گرامی کے مطابق تاریخِ عقیدہ جلد دوم روانہ شدہ مت ہے۔ اب خدا کے فضل و کرم

لے راقم سے آپ کی فرمائش کتابِ تعمیراتِ اسلامی اور معنوی رہبر جو آپ نے میرے ذمہ لگائی تھی
و مباحثہ کے متن میں خط و کتابت، جو ترقی رہی اور یہ آپ کا اس طرف اشارہ ہے، مگر آج تک بھی
یہ کام بعض رکاوٹوں کی بنا پر نہیں ہوا۔ پاکستان بننے پر میں نے آپ کے دارالمعتنفین کو لکھا تھا کہ اگر وہ
فرمائش تو میں اپنے موجودہ مقالات پیش کر سکتا ہوں مگر کسی قسم کی ترقیب نہیں دلائی گئی۔

حضرت سید صاحب اس خط میں جھنجھوٹے جوابے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں اس منصوبے کا اعلان
کیا گیا تھا۔ اگست ۱۹۳۶ء سے چشتانی صاحب سے فنونِ لطیفہ میں سے تعمیرات، خوش فہمی یا
معنوی پر لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اب تین سال ہونے والے تھے اور معاملہ و مباحثوں سے آگے
نہ بڑھا تھا۔ سید صاحب جس گرد و پیش میں زندگی گزار رہے تھے، اس میں تصویروں کے جوڑ کی
گنجائش نہ تھی، وہ کتاب میں تصویروں کی شمولیت سے انکار کر کے اپنے ذوقِ لطیف کی نفی ہی نہیں
کرنا چاہتے تھے۔ معصوم کی کتاب تصویروں کی شمولیت کے بغیر علم و فن کی دنیا میں قبول ہی نہیں کی
جاسکتی۔ اس لیے اس بارے میں وہ کوئی ممانعت نہ دیتے تھے، صرف معنوں کا مطالبہ فرماتے تھے۔
اور تصویروں کے بغیر فنونِ لطیفہ کے کسی پہلو پر خصوصاً معنوی، رقص و عجزہ پر صرف معنوں کو دینا
فنونِ لطیفہ کے ذوق آشنا معنف کے لیے ممکن نہ تھا۔

سے وہ بالکل بغیر و عافیت ہیں اور اپنے کاموں میں مصروف۔ ان کی طرف سے سلام قبول فرمائیے۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میں ادھر ایک ماہ سے تنفس اور نزلہ میں گرفتار ہوں۔ آپ لائق مبارک باد ہیں کہ کچھ نہ کچھ کرتے جاتے ہیں۔ اس مفید کتاب کی اشاعت پر میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔ والسلام

سید ریاست علی ندوی

۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(۶۶)

محترم! السلام علیکم

گرامی نامہ ملا۔ معارف کی زبان اردو ہے۔ یہ بدعت آپ نے کیوں کی۔ مدت کے بعد آپ نے معارف کو نواز تو زبان اعلیٰ میں۔ بہتر ہوتا کہ اس مقالہ کا خلاصہ آپ اردو میں بھیج کر ہمیں شکر گزار فرماتے۔

کتاب کے متعلق میں کیا عرض کروں۔ افسوس کہ یہ میرے فرائض و اختیارات سے بالاتر ہے۔ اگر میرے ذاتی نسخے بھی باقی رہ گئے ہوتے تو روانہ خدمت کرتا۔ یہاں کی کتابیں اولاً ریویو کے لیے بھیجی جاتی ہیں اور جو چند پرچوں میں باقی ہیں وہ جناب سید صاحب کی اجازت سے۔ وہ ان دونوں یہاں تشریف فرما نہیں کیا اچھا ہوتا کہ آپ انہیں براہ راست تحریر فرماتے۔ ان کا پتہ نمبر ۱۰۲ اندر روڈ۔ دہرہ دون ہے۔

امید ہے کہ یہ جواب ذاتی طور پر آپ کے لیے بارخاطر نہ ہوگا خصوصاً اس مرتبہ میں آپ کے اظلام و صداقت کا تحفہ آپ سے رخصت ہو کر نہایت لایا ہوں۔ والسلام

سید ریاست علی ندوی

۶ مئی ۱۹۳۹ء

حفیظ جالندھری:

۹۷

مکرمی دام الملکم! اسلام میکم۔ مخزن کی اپیل پر اپنی سخت حدیم الفرمقی کے باوجود اپنی سرگزشت کی چند سطریں بھیجتا ہوں۔ قبول ہوں۔ آپ کے اسلامی شاہنامہ کی تعریفیں سن رہا ہوں خدا کرے اپنے کانوں سے سننے کا اتفاق ہو۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام
سنہ ۱۳۹۲ھ۔ ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء

سید صاحب علیہ الرحمہ نے اس مکتوب کے ساتھ مندرجہ ذیل تحریر بھیجی تھی جو مخزن لاہور کے سالانہ میں اس خط کے ساتھ شائع ہوئی تھی:
میری اور مخزن کی تباریح

غالباً ۱۹۷۹ء تھا، مذہب العلماء کا سب سے عظیم الشان اجلاس عظیم آباد پٹنہ میں منعقد تھا۔ اس وقت میری عمر کم و بیش سولہ برس کی تھی، نایہ قومی اجلاس میری زندگی کا پہلا جلسہ تھا۔ اس اجلاس کے سب سے ممتاز مقرر شیخ عبدالقادر صاحب تھے، انھوں نے مکتب خانہ کی مزدورت پر ایک تحریر ایسی دلاویز صورت میں پڑھی تھی کہ سارا جلسہ احسنت و آفریں کے ہنگامے سے پڑھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس جلسہ میں دو اہم اردو صحیفوں کے اجراء کا اعلان ہوا تھا جن میں ایک اس زمانے کے ہر دلنیز اتحاد اسلامی دعوت کے اول داعی انشاء اللہ خان مرحوم کے ”وطن“ کا اور دوسرے شیخ عبدالقادر کے ”مخزن“ کا۔

اجلاس کے بعد ہی مجھے گھنٹوں میں بغرض تعلیم ”مذہب“ آنے کا اتفاق ہوا اور ادھر لاہور سے مخزن نکلا اور اس شان سے نکلا کہ تمام اہل نظر پکارا تھے:

اس طرح کا جمال ہو، ایسا شباب ہو!

اس وقت تک اگر یہی تعلیم یافتہ اصحاب اردو انشا پردازی سے نا آشنا تھے۔ ”مخزن“ پہلی بزم سخن تھی جس میں نئے اور پرانے انشا پرداز اکٹھا ہوئے۔ جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے اردو میں سخن درسی اور سخن سرائی کی طرف توجہ کی۔ اس عہد کے پرلے تجربہ کار اہل قلم اس

زمانے کے شوخ اور البیلے مضمون نگار اور شاعر تھے۔ ڈاکٹر اقبال، چودھری خوضی محمد ناظر میر نیرنگ، سید حسرت موہانی، مولانا محی الدین آزاد المعروف مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا غلام یسین آہ دہلوی (برادر مولانا ابوالکلام) وغیرہ اس بزم کے سخن ور اور مشار تھے۔ یہ پہلا رسالہ تھا جو میرے علمی و ادبی ہوش و تیز کے عہد میں نکلا۔ اس کو دیکھ دیکھ کر میری طبیعت نے بھی جھلانی دکھائی اور اس روش پر بے اختیار قدم پڑنے لگے۔ آخر وقت کے عنوان سے عمر میں پہلا مضمون لکھا جس تے "غزن" کے صفحات میں جگہ پائی۔ اس کے بعد ایک قلم لکھ بھی جو انتخاب میں نہ آئی کہیں کہیں اچھا شاعر نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد جیب حماسہ میرے درس میں تھی، ایک مضمون "معشوقہ مرثیہ کی یاد" لکھا، جس کو پھر "غزن" نے قبول کیا۔ اور یہی غزن میں میری آخری تحریر تھی۔

آہ! آج ان واقعات پر چوتھا صدی کا زمانہ گزر گیا۔ اس عرصے میں قلم نے ہزاروں صفحات سیاہ کیے، سیکڑوں معنائیں لکھے، ملک کے بڑے بڑے رسائل نے میرے حوصلے سے زیادہ قدر افزائی کی۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ وہ خوشی جو "غزن" میں اپنے ابتدائی مضمون کے شائع ہونے سے ہوئی تھی، پھر حاصل نہ ہوئی اور جیسے زمانہ گزرتا جا رہا ہے وہ چیز جو کبھی دنیا کی خوشی اور مسرت کا سرچشمہ معلوم ہوتی تھی، آج اس کی حیثیت سرابِ سنیاہ نظر نہیں آتی۔ پھر دنیا میں حقیقی خوشی کیا ہے۔

غیرالدین ہاشمی (حیدر آباد دکن)

(۹۹)

مقام و کرم دامت مکارکم! السلام علیکم

والا نامہ نے عزت بڑھائی۔ معارف کو نہ صرف اٹھایا آفس لائبریری کی فہرست پیش کرنے کہ پہلی عزت حاصل ہے۔ بلکہ نفس اٹھایا آفس لائبریری کے اردو سیکشن، علم بھی لوگوں کو ان کے ذریعے سے ہوا۔ سب سے پہلے جب ۱۹۳۲ء میں اٹھایا آفس لائبریری کے دیکھنے کا مجھے موقع ملا تو اس کی اردو کتابوں پر ایک مختصر مضمون معارف میں لکھ کر بھیجا تھا۔ اور انسی زمانے میں اس میں چسپ لکھا تھا۔

اب آپ نے میرے ادھر سے کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ

ہاشمی صاحب کو یہ حکم کار کام سبب ہمہ کن مکتوبات کے نام شائع ہو چکا ہے

وہاں رنگین کی تصنیفات کی تعداد کچھ زیادہ ہیں۔ بہر حال آپ تو اس مسند کی تھانہ لے ہی رہے ہیں۔ میں ساحل پر بیٹھا منجد صاحب کے مسافر کو کیا بتاؤں۔

آپ کا مضمون بھی پہنچا ہے۔ اس کی تہنید میں آپ کی کوششوں کا حوالہ دوں گا۔ اور شذرات میں بھی ذکر کروں گا۔ اگر آپ بجائے متفرق پرچون میں لکھنے کے کسی ایک ہی پرچہ میں لکھا کریں تو علم کی وسعت اور پختگی اور حفاظت کی خدمت بہتر ہو سکے گی۔

معارف کا محولہ نمبر جاتا ہے۔ اسٹوری صاحب کو دکھا دیجیے۔ والسلام

سید سلیمان

۳۰ اپریل ۱۹۲۹ء



دارالمصنفین انجم حرم

مترجم دام لفظکم۔ السلام علیکم!

میرا مضمون اشتم علی برہان پوری "ہند ستانی" میں چھپ گیا ہے۔ اس کی ایک کاپی مرسل ہے۔

۱۔ شائع شدہ کتابوں اور رسالوں کا دوبارہ طبع کراتا معارف کے حدود سے باہر ہے۔
۲۔ آپ کے فاضلانہ مضامین قابل اشاعت ضرور ہیں مگر دارالمصنفین کو اپنے اصول کی بنا پر معذوری ہے۔ مدت سے آپ نے معارف کو یاد نہیں فرمایا۔

سید سلیمان

۱۹ فروری ۱۹۳۷ء

(۷۰)

صاحب الفضل۔ وعلیکم السلام!

عنایت نامہ کا شکریہ۔ سفر نامہ افغانستان آپ کو پسند آیا تو اس میں آپ کی محبت کی نظر کو دخل ہے۔ حسن بیلی میں نہیں۔ چشم بھون میں ہے۔

مے بند ستانی اکبر علی والد آباد کا علی جلا

مے بیت الفضل ہاشمی مرحوم کے مکان کا نام تھا جو بعد میں فروخت کر دیا گیا۔

مے سید صاحب مرحوم کا مشہور سفر نامہ یہ سفر نامہ اقبال مرحوم کی قیادت اور مرزا مسعودیت میں ۱۹۲۲ء میں نادر شاہ کی درخواست پر کیا تھا۔

دسبر کے معارف میں بعض شذرات تاریخ ہندوستان کی جلدوں کی تعداد و ترتیب لکھی گئی ہے۔ دسویں جلد ہندیہ و سلطنت ہائے دکن سے متعلق ہوگی۔ مگر پروفیسر عبد المجید صاحب مدنی اس جلد کو لکھنا چاہیں تو آپ دریافت کر کے مطلع فرمائیے۔ اگر وہ اس جلد کا کام اپنے ذمہ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

عبد الصنی کے لیے سراج الدین صاحب مالتب اور آرکاٹ کے لیے محمد غوث صاحب لکھ سکتے ہیں۔ گمران کے لیے چودھویں جلد میں صفات محدودوں کے زیادہ سے زیادہ پچیس پچیس تیس تیس صفحے۔

”محیات شبلی“ کھس پڑی تھی اور میری فرست کی منتظر ہے۔ حضرت امجد کی شاعری پر آپ کا رسالہ طاریو یو ہوگا۔ آپ کی عنایات کا شکریہ۔ تاریخ ہند کی طرف توجہ کیے آپ کی پیشگی قیمتوں کے وصول کرنے سے بڑی ذمہ داری آجاتی ہے۔ جس سے ڈرتا ہوں۔ والسلام۔
۱۱ دسمبر ۱۹۳۳ء
سید سلیمان

دارالمصنفین اعظم گروہ
مکرم دام لطفکم اسلام علیکم

عنایت نامہ فارسی پر سبش احوال کا شکریہ ادا ہے۔ اپنی طالت سے جانبر نہ ہو سکی،

لے دارالمصنفین نے اسلامی ہند کی سیاسی، قومی و ملی، تمدنی تاریخ کی تدوین کا ایک منصوبہ بنایا تھا، جس کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ تاریخ پندرہ جلدوں میں تجویز کی گئی تھی۔ یہ منصوبہ بالکل اعلان و تجویز کے مطابق تو انجام نہیں پاسکا لیکن کئی نہایت مفید کام انجام دینے گئے ہیں۔

لے یہ کس طرح جمع نہیں کر دیا محیات شبلی کھس پڑی ہے۔ اس وقت مجھ سے کام شروع ہو گیا تھا۔ البتہ کہنے کا ارادہ تو شبلی کی وفات کے بعد ہی ہے تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے نام پر ستمبر ۱۹۳۳ء کے خط میں کہتے ہیں ”سوانح شبلی جداول ختم ہو رہی ہے۔ پھر اس کتاب کے خط میں تحریر فرماتے ہیں: ”محیات شبلی ابھی تک سودے کی صورت میں ہے، مگر الحمد للہ کہ قریب نصف ختم ہو چکا ہے۔ سید صاحب مجرم کے عزیز و محقق سید صباح الدین صاحب (مجموع) لکھتے ہیں: ”چنانچہ ۱۹۳۳ء میں اس کام کو شروع کر دیا اور تین برس کی جاں کاد محنت کے بعد فروری ۱۹۳۵ء میں ۱۲۰ صفحے کی ”محیات شبلی“ لکھ کر اہل علم کے سامنے پیش کر دی۔“ (اعظم گروہ مدینہ منورہ ۱۹۳۵ء) ۱۹۳۶ء

اس کی وفات کی اطلاع مجھے حیدر آباد ہی میں ملی چکی تھی اس لیے جلد چل پڑا۔ میرے حسن سیرت کے ساتھ اگر وہ ہے، آپ کی گرویدگی خود آپ کے حسن سیرت کی دلیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس دفعہ اجاب دکن کی محبتوں کا اپنے حد ممنون رہا۔ خاص کر یہ نیاز امجد کی نیاز مندی کے شرف کو اس سفر کا حاصل سمجھتا ہوں یہ بھی بات امجد کی ترتیب بنا ضروری ہے۔ یہ امجد کے چمکانے کے لیے نہیں بلکہ امجد کے وجود سے دنیا کو مستفید ہونے کے لیے۔

جی ہاں! جن کتب خانوں کی کتابوں کی فہرستیں نوٹ کی ہیں ان کا ذکر سفر دکن کے فوائد میں آئے گا۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کی فہرست چھپ جائے، تو بہتر ہے۔

میں نے غلام غوث صاحب کو ایک کتاب سر حلال مصنفہ ولید احمد معمار کے متعلق متنبہ کیا۔ مداس سے دریافت کی فہمائش کی تھی، آپ سے ملاقات ہو تو پھر فرمائش کر دیجیے کہ کتاب کا پہلا صفحہ مجھے نقل کر کے بھیج دیں۔

جشن سین کی شرکت بعض حالات پر مشروط ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام
 یکم ستمبر ۱۹۳۵ء
 سید سلیمان

(۷۲)

دارالمصنفین اعظم گڑھ
 مکرئی السلام علیکم۔

میں اپریل سے خانہ بدوش تھا۔ اب تک مرکز پر پاؤں نہیں جھے ہیں۔ حیدر آباد کی واپسی کے بعد بہت کچھ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر میں ایسا بیمار پڑا کہ جینے کے لئے پڑ گئے، اب اچھا ہوا تو اکثر باتیں حافظہ سے نکل گئیں۔

کلام امجد کی حمد وین و ترتیب ضروری فرض ہے، مکاتیب شبلی کی تیسری جلد کا ارادہ نہیں۔ سابقہ جلدیں دوبارہ بیع ہو چکی ہیں۔

یہ سن کر کہ سراج الدین صاحب مرحوم کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا افسوس ہوا، بظاہر خیریت ہے۔ امد کا حال خدا جانے۔ والسلام۔

سید سلیمان

۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

مکرم السلام علیکم۔

جواباً عرض ہے۔ جہاں تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے گھر سے باہر کوئی چار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی۔ اور نہ مساجد میں اور نہ کتاب بینی مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ وہ نظر آئیں۔ صرف سواحلی ہند میں ایک ساحلی شہر تھا۔ جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیوں کے مکاتب نظر آئے۔ اس کا بیان ہے کہ سواحلی ہند میں ہنود کے مقام میں ۱۲ مکتب لڑکیوں کے تھے (جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ مصر)۔

علی تو ان سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو اصغر علی خانم کے مدرسہ کلم ہے۔ یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیوں کے لیے کوئی معلم یا مستعد و ثقہ و معر معلم بہ پابندی پردہ مقرر کرتے تھے جیسا کہ سلاطین منغل کی خواتین زحیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے۔ بے شبہ اعلیٰ ٹیلم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے اطراف میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں اور روایت کرتی تھیں۔ بلکہ وہ بھی مجلس میں بیٹھ کر احادیث کرتی تھیں۔ اور مرد ظالمہ و سامعین ان کو سنتے تھے۔ لیکن پہلی صورت میں عورتوں کا انتظام نشست الگ تھا۔ اختلاط نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ عورتوں کے لیے الگ انتظام ہوتا تھا۔ اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حامل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے احوال میں ہے۔ یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھیں تو کشف و جذب بھی کرتی ہوں گی۔ مگر تصریح میری نظر میں نہیں ہے۔

یہ بھی تنگدہاں آپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ اور اس کی مثالیں بہ کثرت ہندوستان میں پہلے بھی تھیں اور اب بھی ہیں۔ اور بعض فقیہات اسلام کے تذکروں میں بھی ہے۔ بعض اپنے شوہروں سے علم حاصل کرتی تھیں۔ والسلام

سید سلیمان

۱۵ شہر ۱۹۴۳ء

بھوپال

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

قرآن پاک کے اس مبارک نسخہ کا مقدمہ ہے کہ آپ کا سوا اظہان فدا فی حرفوں میں تکرار
۱۔ الحمد للہ بغیر ہوں۔ اور داعی غیر۔

ملکا پوری صاحب کا بیان جیت نکم کسی قدیم سند پر مبنی نہ ہو و توفیق کے قابل نہیں۔
سلاطین کے کتب خانوں میں عموماً ان کے کتب خانوں کی کتابوں پر مہریں ہوتی تھیں۔ ان مہروں
سے اس نسخہ پاک کا خالی ہونا اس کی نصیبت کو مشکوک بتاتا ہے۔

نسخے کی اس طرح کی عبارت "ضعیف عباد اللہ" اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے۔
افعت عباد اللہ چاہیے۔ جیسے اس کے بعد واعلم خلق اللہ ہے۔ پھر نام کے آخر میں الحسن
الحسین لکھا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے طریق کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی
تصفیقات غنیۃ السالین وغیرہ میں اس طرح نہیں کہیں لکھا گیا ہے۔ علمائے عراق عربی و فارسی
دونوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تاہم ان اشعار کی زبان میں کس قدامت عہد کا اثر نہیں معلوم ہوتا۔
اصل شے خط اور کاغذ کی پہچان ہے۔ یہ اشعار اگر نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں تو وہ پھر حضرت
سیدنا شیخ جیلانی قدس سرہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ یہ خط نویں صدی میں ایجاد ہوا
ہے۔ عربی خط سے بھی کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۰ جنوری ۱۹۴۷ء

(۵۷)

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا والا نام ملا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کے لیے معلومات کا تحفہ پیش کروں۔
مگر یہاں کتابیں نہ میرے پاس ہیں نہ دوسروں کے پاس ہیں۔ اس لیے معذوری رہی۔ اور
امروز فردا میں معاملہ ملتا رہا۔ بہتر ہے کہ آپ سید صباح الدین عبدالرحمان رفیق دالہ العتیین
اعظم گڑھ سے مفید دور کی کوٹوالی کے فرائض کے متعلق دریافت کریں۔ وہ ان چیزوں پر
کتاب لکھ رہے ہیں اور وہاں مآخذ بھی موجود ہیں۔

خواصی کا دیوان بڑی خواصی کے بعد آپ کو ہاتھ آیا۔ اب یہ ڈرنا یا اب آپ کو مبارک۔
معارف کے نمائش خانہ میں ہیں بھی اس کو دیکھوں گا۔

حیدر آباد آنا لانا تقریب تو ہوتا نہیں۔ اور کوئی مستقل تقریب ابھی تک پیدا ہوئی نہیں۔

ادیوں بھابہ وہ آزادی نہیں۔ پابندی ہے۔ والسلام

سید سلیمان

بھوپال۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء

مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۷۶)

خانقاہ تھانہ جھون سے سید صاحب کی خدمت میں ایک رسالہ تقریظ کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہ مکتوب اسی سلسلے میں ہے۔

حضرت العلامة الغفرال متبع اللہ السلیب بلول بقاؤکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رسالہ انور متقن رسالہ کشف الدجے "مع ہدایت نامہ سرفرازی کا باعث ہوا۔ میں اس کو اپنے لیے سعادت کا طعنی سمجھتا ہوں کہ آپ اس ظلم و جہول سے تقریظ لکھنے کو فرمائیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے کو اس سے کمتر سمجھتا ہوں کہ آپ کی کسی تحریر پر تقریظ لکھوں۔ مجھے یہ بھی شک ہے کہ میرا طریقہ تحریر اور طرز استدلال پسند خاطر اشرف ہو، مگر بحکم لام فوق الادب قلیل کوں گا۔ اگر میرا یہ عند قابل پذیرائی نہ ٹھیرا۔ ساتھ ہی زبان کے متعلق فیصلہ ہو کر عربی ہو یا اردو، جواب کے لیے لفاظ و کلمات کی حاجت نہیں۔

حضرت مفتی میرے استاد و شیخ ہیں۔ یہ رسالہ انھوں نے مجھے حیدر آباد (دکن) میں خود دیکھنے کے لیے دیا تھا اور میں اس کو بغور پڑھنے کے لیے ساتھ لایا تھا، بڑھ کر میں نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ اس کو واپس کیا کہ آپ جس کو مکروہ سمجھتے ہیں میں اس کو عین رجحان ہوں اور میرے نزدیک تو قلیل و قال و روایت سے زیادہ مستحکم دلیل مل سکتی ہے کہ یہ ایسا کھلا اور شدید الاحتیاج مسئلہ ہونے کے باوجود کسی نے اس کو جائز نہیں بتایا اور نہ اس پر کبھی عمل کیا، لفظ بیح و دین و قرض کے اصطلاح سے بڑھ کر نکتہ کا فیصلہ ہے۔

رسالہ کشف الدجے کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا، طرزِ عبارت اور انشاء کی سلاست

سے مفتی عبد اللطیف صاحب مفتی ریاست حیدر آباد دکن نے یکسر سادہ شائع فرمایا تاکہ راسخ و صرف بیح و خرامین متحقق ہے قرض میں نہیں۔ سید صاحب نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت تھانوی نے اس کے جواب میں اپنے بھائی مولانا غفر احمد عثمانی سے یہ رسالہ لکھوایا تھا۔ یہ رسالہ مکتوب الیہ کا نہیں بلکہ مکتوب سے خبر ہوتا ہے۔

اور جاذبیت نور علی نور ہے۔

بار بار میرا دل جب زمانے کے فتن و حوادث سے گھبرا اٹھتا ہے اور بے اختیار کس سکینت و طمانیت کی تلاش ہوتی ہے تو خالقہ امدادیہ کی یاد آتی ہے۔ لیکن ڈرتا کہ معلوم نہیں کہ اجنبیت و بیگانگی سے میرے متعلق کیا کیا اب تک پہنچا ہوا اور آپ مجھے مخاطب کا اہل بھی سمجھیں یا نہیں! میں تو اس رسالہ استفتاء کا ممنون ہوں کہ اجنبیت و بیگانگی کی جگہ اس کی بدولت دانست و یک جہتی کی صورت پیدا ہوئی، اب میں اس کشمکش کی منزل میں ہوں جس میں علوم ظاہری شکیں کا باعث نہیں بنتے۔

دعا کا طالب و ہمت کا خواستگار ہوں۔ والسلام
سلیمان ندوی

(۷۷)

حضرت ہادیؑ طریقت متع اللہ السلیب بطول بقائم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ جو لطف و عنایت سے بھرا ہوا تھا، درد فرما ہوا، اس سے ایک پریشان حال و تششت ابال کی سکینت ہوئی۔

مولانا! میں آپ کی دعا و دعوت کا بہترین مستحق ہوں مسائل علی کی الجھن سے نجات کا خواستگار نہیں بلکہ روح کی الجھن سے نجات کے لیے دعا و ہمت کا طالب ہوں۔

میں نے اعتراف سے لے کر سلفیت تک بدراج ترقی کی ہے، عقائد میں امام اہلک کے اس اصول کا پیرو ہوں: الاستقویٰ معلومہ والکیف مجھول والا یمان ب واجب والسوال عنہ مدعۃ۔ سیرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام وحمد ویں میں خواہ مجھ سے غلطیاں ہوتی ہوں مگر اس مصروفیت نے ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جذبہ محبت پیدا کر دیا ہے، ولینہ الحمد، فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں، مگر اجدادیت بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، الحمد للہ تعالیٰ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی راے میں کلیتہً اُن سے عدول حق نہیں سمجھتا،

میرا خاندان صوبہ بہار میں علم ظاہر و باطن کا جامع رہا ہے۔ والد مرحوم ابوالعلائی انصاری تھے، بھائی صاحب مرحوم مجددی تھے اور دونوں صاحبِ حال و نسبت تھے۔ بچپن ان

بزرگوں کے آغوش میں بسر ہوا، ذکر و مراقبہ اُسی سن سے شروع کر دیا گیا، مگر بُرا ہو علم باطل کا کہ جس نے مدتوں کے لیے اس راہ سے ہٹا دیا اور خدا جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائیں اور اب جب مرحلہ اربعین سے گزر کر ہوش آیا ہے تو ان بزرگوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے میں نے یہ کیفیت اس لیے لکھ دی تاکہ جناب میرے مستقبل کی اصلاح میں میرے ہمنی سے باخبر رہیں۔

میرے لیے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیں کہ مجھ میں استقامت و ثبوت اور رغبت الی اللہ پیدا ہو۔ فراغی کا پابند ہوں، بدعات سے نفور ہوں، کبھی کبھی ذوقِ سجدہ کی لذت بھی پاتا ہوں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلے سے عقیدت نامہ رکھتا ہوں، خرافات و ظلماتِ صوفیہ کا دل سے منکر ہوں، صالح نہیں لیکن صلاح حال کا دل سے خواستگار ہوں، یورپ کے مذہبی و علمی حلقوں کے مقابلے میں اسلام کی خدمت کا دلولہ ہے اور اب تک بچپن میں برس کا زمانہ انہی مشاغل میں گزرا اب آپ سے دعا کا غالب ہمت کا خواستگار اور حصولِ اخلاص اور اصلاحِ قلب کے لیے کسی نسخے کا سائل ہوں۔

رسالہ کشف الدجئے پر قلم نے جویاوری کی ہے، مولوی ظفر احمد صاحب کی خدمت میں ارسال ہے۔

سلیمان ندوی
۲۱ شعبان ۱۳۳۳ھ

(۷۸)

حضرت اقدس دامِ فضلكم۔ اسلام میکم و درمنا اللہ
نادم ہوں کہ دیر کے بعد حاضر ہو رہا ہوں، رمضان المبارک سے کچھ دن پہلے والا نامہ مع رسالہ تسہیل قصد السبیل شرف افزا ہوا تھا، رسالہ تو اسی زمانے میں ایک روز میں پڑھ لیا اور اس کے مطالب کو سمجھ لیا، رمضان المبارک کے ایام مبارک میں تکلیف دینے سے احتراز کیا اور مولوی ظفر احمد صاحب کو اس کی اطلاع اور رسالے کی رسید بھیج دی۔ شوال میں خط لکھنے کا ارادہ تھا گمراہی شوال سے آج سے چند روز پیشتر تک سفر میں گورے اور موقع نہ ملا۔ رسالہ تسہیل کو پڑھ کر سب سے پہلا اثر جو دل پر ہوا یہ تھا کہ یہ راہِ سخت مشکل ہے دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ ان جزئیات فقہیہ کا جس کا اس میں ذکر ہے میرے لیے تحقیق طلب

لے مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۳۳ء

تھا۔ میں نے بات صفائی سے لکھ دی۔ ان اللہ لایستی من الحق ۔

رمضان المبارک کے عشرہ آخر میں بعد سحر و نماز صبح میں کچھ دیر کے لیے سوتا تھا، میں نے اس میں دو خواب دیکھے، اپنے کو دیکھا کہ میں مدراس میں ہوں، حضرت والا بھی مع اپنے ہمراہیوں کے ایک مکان میں فروکش ہیں، آپ کے ہاتھ میں بہت بڑی تسبیح ہے آپ کے ایک ہمراہی مولوی فخر احمد صاحب جو انگلیٹھے میں جن کی وضع قلع، داڑھی کی تراش خراش اہل پنجاب کی سی ہے انھوں نے مجھ سے کچھ اردو ادبیات پر گفتگو کی، مگر آپ کے دوسرے ہمراہی جو ضعیف العمر معلوم ہوئے وہ معلیٰ پچھائے نہایت خضوع کے ساتھ سرورن نمازیں، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ آپ کے خادم خاص ہیں۔

اس کے دو دن بعد ۲۲ کو پھر اسی وقت خواب دیکھا کہ میں ریل میں سوار کہیں جا رہا ہوں کہ ایک جگہ گاڑی کھڑی ہو گئی، معلوم ہوا کہ یہ تھانہ بھون ہے، جہاں آئی کہ اتر جاؤں، چنانچہ اتر گیا اور سامان لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہاں تو جگہ بہت کم ہے یہاں نہیں ٹھہر سکتے، میں نے عرض کیا کہ اس کی فکر نہ فرمائیے۔ میں نے راستہ میں ایک مسجد دیکھی ہے میں اس میں ٹھہر جاؤں گا۔

میری حالت میں استقامت نہیں ہے اور اسی کی مجھے فکر رہتی ہے۔ میری حالت یہ ہے۔
گے بر ملازم اعلیٰ نشین گے بر پشت پاے خود نہ بینم
اس کے لیے دعا فرمائیے۔

کسی مناسب و مایا و رد کی تلقین فرمائیے۔

مولوی عبدالحی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے دم آخر آپ کا ایک رسالہ بھیجا،
”آئینہ تربیت“ اور ساتھ دوسرے تیسرے دن وفات کی اطلاع ملی، غفرلہ الاحد
والسلام

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے انتقال پر حضرت سید صاحب نے معارف
میں بہ تقریب تعزیت جو مضمون تحریر فرمایا تھا اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ اتنے زور و
الفاظ میں اور اس شان دار اسلوب بیان میں اپنے استاد حضرت علامہ شبلی کے سوا انھوں نے
کس ’ہی علم کا ماتم نہیں کیا۔ سید صاحب کا یہ مضمون ”یادِ رنگین“ ہے نقل کیا جا رہا ہے ملاحظہ ہو:

مَوْتُ الْعَالَمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

مغل دوشیں کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ چکا
کو سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲ سال ۱۰۵۳ھ ۱۰ روز جل کر ۱۵ رجب ۱۲۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے
لیے بجھ گیا،

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ہاکِ شمع رہ گئی تھی سودہ بھی غموش ہے
یعنی حکیم امت، مجددِ طریقت، شیخِ الملک حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
نے مرضِ ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ جولائی کی درمیانی شب کو ایکے نماز
عشاء کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا، اور اپنے لاکھوں متقدموں اور مریدوں اور مستفیدوں
کو انگلیں و مہجور پھوٹا، اَللّٰهُمَّ اِنَّا الْبِدْرُ الْجَوْنُ، اب اس دور کا بالکل خاتمہ ہو گیا، جو حضرت
شاہِ امداد اللہ صاحبِ مہاجر گئی، مولانا یعقوب صاحبِ نانوتوی، مولانا شیخ محمد صاحبِ تھانوی
کی یادگار تھا، اور جس کی ذات میں حضراتِ چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سیدہ
برہموی کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین
تھا، جس کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ و تصوف کو ایک
مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باجم ہم آغوش کیا تھا، اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی
تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو
مستفید بنا رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر و تقریر سے حقائقِ ایمانی، دقائقِ فقہی، اسرارِ احسانی اور
رموزِ حکمتِ ربانی کو برفلا فاش کیا تھا اور اسی لیے دنیائے اس کو حکیم الامت کہہ کر پکارا، اور حقیقت
یہ ہے کہ اس اشرفِ زمانہ کے لیے یہ خطاب میں حقیقت تھا۔

سوانح

حضرت کی پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۲۰۰ھ کو چہار شنبہ کے دن ہوئی، ابتدائی عربی تعلیم
تھانہ جھون میں مولانا شیخ محمد صاحبِ تھانوی سے حاصل کی، ۱۲۰۵ھ سے شروع ۱۲۱۱ھ تک مدبر
دیوبند رہ کر مولانا یعقوب صاحب کے حلقہ میں تکمیل کی، فراغت کے بعد ہی ۱۲۱۱ھ میں
مدس ہو کر کا پور آ گئے۔ اور چودہ سال وہاں مقیم رہے اور اپنے درس، مواظب اور فتاویٰ سے

لوگوں کو مستفید کیا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے بر واسطہ مظل کے غائبانہ بیعت مہاجر الی اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کئی سے ۱۲۹۹ھ میں ہو چکی تھی، لیکن ۱۳۰۱ھ کے آخر میں ایام حج میں بعد حج حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اخذ فیض فرمایا، اور واپس آکر ۱۳۰۲ھ تک علمی مشاغل، تصنیف و تالیف اور تدریس کے ساتھ ذکر و شغل بھی ضمتاً معمول رہا، مگر ۱۳۰۴ھ میں رنگ نے پٹنٹا کھایا اور یہ رنگ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ ۱۳۱۰ھ میں مفطر بانہ اور والہانہ حج کا دوبارہ ارادہ کیا اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر دوبارہ ایک زمانہ خاص تک رہ کر استفادہ باطنی فرمایا، واپس آکر ۱۳۱۲ھ تک پھر کان پور میں رہے۔ آخر حضرت حاجی صاحب کے مشورے کے مطابق ۱۳۱۵ھ میں کان پور سے ترک تعلق فرما کر تنھانہ بمون میں متوطنانہ اقامت فرمائی اور اس وقت سے لے کر اخیر وقت تک یعنی اس ۱۳۲۲ھ تک اس شان سے خانقاہ امدادیہ کی سروری میں بیٹھ کر افادہ و افاضہ میں برابر معروف رہے اور ایک خلق کو اپنی برکات سے بہرہ مند فرمایا، اسی اثنا میں اپنے مواعظ، تصانیف اور لغو ظلمات سے لاکھوں کو انسان ہزاروں کو سلطان، اور سیکڑوں کو متقی کامل بنادیا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعایا پیشین گوئی پوری ہوئی:

”بہتر ہوا کہ آپ تنھانہ بمون تشریف لے گئے۔ امید ہے کہ آپ سے خلائق

کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا، اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کا زمرہ آباد

کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے“

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ

تفانیف:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفانیف و رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے، اور کل کی کل تحقیقات علمیہ حقائق و فیہ اور نکات احسانہ سے لبریز ہیں۔ ان میں تفسیر البیان، شرح شریٰ فتاویٰ امدادیہ، التعرف الی التصوف، اور ہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، لغو ظلمات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے۔ ان تفانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریفہ کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب،

سلوک و طریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل و رذائل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول و ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں، تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علاحدہ و علاحدہ کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائیں، چنانچہ حضرت کے ترمیم یافتہ اس قسم کے بیسویں مجموعے تیار کیے ہیں۔ سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ بوادر الانوار کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک یہ اہتمام رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لیے اٹھانہ رکھا جائے، عظیم الشان دفتر الہام ہے۔

تفسیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہو گا کہ گو یا مصنف کے سامنے سارے مسائل و مواد یک جا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے، اس کو اس میں ایسا غلو ہوتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اُس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک کی احتیاط اور رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ حضرت کا ترجمہ قرآن پاک تاثر، سہولت، بیان اور موضوع مطالب میں اپنا آپ لے لیا ہے۔ بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں کی کتاب ہے، مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لیے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے۔ تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہیے کہ روح المعانی اور تفسیر ماسبق کی اردو میں حد درجہ محتاطانہ ترجمان ہے، سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔

حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ طریقت کو جو ایک زمانہ سے صرف چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی، زدامت و حواشی سے صاف کر کے قدما اور سلف صالحین کے رنگ پر ملے آئے۔

کبھی فرصت سے مٹ لینا بڑھ ہے داستانِ دہری

علاستِ طبع :

حضرت کی صحت اور صحتِ سال سے رو بہ انحطاط تھی، دو دفعہ خاص علاج کی غرض سے مکھنو تشریف لانا ہوا اور دونوں دفعہ صحت و عافیت کے ساتھ مراجعت ہوئی۔

علاّت اصلی یہ تھی کہ معدہ و جگر کا فعل صحیح نہیں رہا تھا۔ علاج سے طبع مبارک اصلاح پذیر ہو جاتی تھی، مگر بالکل ازالہ نہیں ہوتا تھا۔ اس دفعہ دو تین ماہ سے طبیعت پر اضحلال طاری تھا، چنانچہ علاج کے لیے سہارنپور تشریف لے گئے اور چند روز قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے، لیکن طبیعت صاف نہیں ہوئی، وطن میں حکیم سعید صاحب گنگوہی کا علاج شروع ہوا اور دم جگر و معدہ کا مرض تشفی ہوا، مگر فائدہ نہ ہوا، اشتہا ساقط تھی، روزانہ اسہال کی تعداد پچاس پچاس تک پہنچ گئی اور صُغف روز بروز بڑھتا گیا، وصال سے قریب بیس روز پہلے حکیم منیل صاحب سہارنپوری کا علاج شروع ہوا، ضعف معدہ اور ضعف جگر کی تجویز تھی۔ حکیم صاحب کے علاج سے دستوں میں کمی آگئی، مگر اشتہا بالکل ہی ساقط تھی اور ضعف میں ترقی ہی ہو رہی تھی۔

میری آخری حاضری:

خاکسار جون کے آغوش اپنے مستقر سے تھانہ بھون اور پھر بھوپال کے ارادے سے روانہ ہوا، لیکن کسنو پہنچ کر دارالعلوم ندوہ کے معاملات نے الجھایا۔ لکھنؤ میں ہر روز حضرت کی شدتِ علالت کی اطلاعیں آرہی تھیں۔ حضرت کے ہزاروں معتقدوں کی طرح خاکسار بھی زیارت کے لیے بے چین تھا۔ حضرت کی طرف سے سخت قدغن تھی کہ باہر لوگوں کو اس شدتِ علالت اور کیفیتِ مزاج کی کوئی اطلاع نہ دی جائے تاکہ غمخیزان میں اضطراب نہ پیدا ہو اور وہ سفر کی زحمت نہ اٹھائیں، جو پہنچ جاتے تھے عام طور سے یہ طور تنبیہ ان کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔ اس پر بھی خاکسار خلاف دستور بے اطلاع ۶ جولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا، اور رے، رک و پھر کوئین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پہلہ پا بیگتے ہوئے پہنچا۔ دریافت حال سے معلوم ہوا کہ افاق کی صورت ہے، جس سے تسکین ہوئی۔ میرا اس طرح طلاف دستور بے اطلاع اچانک پہنچ جانا حضرت کے لیے تعجب کا موجب ہوا میری آمد کے خبر دینے والے سے پوچھا کہ تم مولوی سلیمان کو پہچانتے ہو یا نہیں کہہ رہے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو ارشاد ہوا کہ ان کی عادت ہے بے اطلاع آنے کی نہ تھی۔ حضرت کے عزیز خاص مولانا جمیل احمد صاحب نے عرض کی علالت کی خبر سن کر پلے آگئے ہوں گے، نماز ظہر کے بعد مجلس میں حاضری ہوئی، ضعف سے بستر پر لیٹے تھے۔ معائنہ فرمایا۔ خاکسار نے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ حقیقت سے بشارت ظاہر فرمائی۔ سفر کا حال پوچھا کسی خادم کے ساتھ نہ لینے پر نصیحت فرمائی۔ قیام کے دن پوچھے۔ خاکسار نے بھوپال کے سفر کی ضرورت ظاہر

کی کہ نیکار بھوپال نے اپنی ریاست میں مسلمان عورتوں کے طلاق و تفریق کے مسائل کے طے کرنے کے لیے علما و اہل قانون کی ایک مجلس مقرر کی ہے، اس کی شرکت کے لیے مع مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب یہاں سے جانا چاہتا ہوں اس لیے مجلس کی تاریخ کی اطلاع تک یہاں چند روز رہنا چاہتا ہوں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ والیہ بھوپال پر رحمت فرمائے کہ انہوں نے مسلمان عورتوں کے حال پر رحم کیا۔ خاکسار نے عرض کی کہ حضرت وہاں اب والیہ نہیں، والی ہیں۔ فرمایا، ٹھیک ہے۔ عرض اس حالت میں بھی کہ ضعف پوری شدت پر تھا، تنکیم میں تکلف تھا، پھر بھی حاضرین مجلس پر شفقت فرما کہ ملفوظات سے ذرا، تم تم کو بہرہ ور کر رہے تھے، اور لوگوں کے آئے ہوئے خطوط سن رہے تھے، اور بہ دستور جواب لکھوا رہے تھے، بلکہ بعض بعض خطوط پر خود دست مبارک سے بھی لکھ دیتے تھے۔ کہیں جو قوت پاتے اور اس وقت کام کرنے لگتے، یا ملفوظات ارشاد فرمانے لگتے، تو تھوڑی دیر کے لیے حاضرین کو یہ خیال ہونے لگتا کہ حضرت بیمار ہی نہیں، مراد صر جوش بیان کم ہوا اور ادھر سرنگیہ پر رکھ دیا، ہمیشہ کی عادت یہ تھی کہ بڑا اکیہ بیٹھ سے لگا کر سر کو بے سہارے ادبچار کھتے تھے۔ یہی حال اس وقت بھی تھا، دیکھنے والوں کو تکلیف معلوم ہوتی اور اس مشورے کو بھی چاہتا تھا کہ دوسرا اکیہ اور رکھ کر اس پر حضرت سر مبارک کو رکھ لیں، چٹاں چہ میں نے اس سلسلے میں یہ عرض کیا تو ارشاد ہوا نہیں، اس کی حاجت نہیں۔ بعد کو خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب خومی ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکولس یوپی جو حضرت کے خلیفہ خاص، مہرم خاص بلکہ خادم خاص ہیں) نے فرمایا کہ حضرت کی ہمیشہ کی عادت یہی ہے، اس ضعف و اضمحال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار، نظم و ضبط، اور اصول و قواعد کی پابندی بکھ نہ جاری تھی اور اخیر لمحہ میاست تک اس میں فرق نہیں آیا۔

عصر کے وقت مجلس برخاست ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ کھانے کے الگ انتظام کی ضرورت نہیں۔ چند روز کے مہانوں کے لیے اس کی ضرورت نہیں، بڑے گھر سے کھانا جائے گا، اور ایک خادم خاص کو اس کی ہدایت فرمائی۔ اسی ناسزا دار کے لیے تو یہ غیر و برکت کا سامان تھا، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب چاہا ہو اور جس وقت چاہا ہو آسکتے ہو، کوئی قید نہیں، یہاں سے اٹھ کر چپ خانقاہ پہنچا تو بعد نماز حضرت والا کی طرف سے حضرت کی اخیر تعزیت ہوا اور انہوں نے ایک نسخہ مولانا جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامیہ پہنچایا کہ میرے مضامین

سے اقتباسات جمع کرنے شائع کرو۔ اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی معاد کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمایا چاہا تو خاکسار نے حضرت کی زحمت تنگم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولانا جمیل احمد صاحب کے ذریعے پہنچ چکا۔ مگر وہاں سے اُٹھنے کے بعد مولانا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، میں اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے! انہوں نے فرمایا اس کو میں نے اچھی طرح خود بھی نہیں سمجھا، بعد کی حاضری میں موقع پا کر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا نہیں، عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں، ان کو یک جا کر لیا کرو۔

آخری حالات:

میری حاضری ۷ جولائی سے ۱۱ جولائی کی دوپہر تک رہی۔ اشتہاء کا سقوط اور ضعف کا استیلا۔ اپنی حالت پر رہا۔ دست پا پنج پھ، سات تک آتے رہے۔ مزید یہ کہ ہاتھوں اور پاؤں پر درم تھا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں میں نیلا ہٹ نمودار ہو گئی تھی جو باعث تشویش تھی، دو روز کے بعد اس میں کمی آگئی، مگر وفات کے چند روز پیش تر وہ پھر عود کر آئی تھی۔

خدمت اور خاص کمرات کی دقت نہ نوبت بہ نوبت جاگ کر خدمت کی سعادت خدام خاص کی قسمت میں آئی، جن میں پہلا درجہ خواجہ صاحب کا ہے۔ ان کے علاوہ مولانا جمیل احمد صاحب، جمدیہاں (لازم ثواب صاحب باغیچہ)، اور مولوی شبلی صاحب جو پوری نے اس خدمت خاص کی سعادت اخیر تک پائی۔ بعد کو مولانا فقر احمد صاحب بھی ڈھاکہ سے آکر اس میں شامل ہو گئے۔

حاضری کے دوسرے یا تیسرے دن استفسار ہوا کہ کھانا تو مزاج کے موافق ہو رہا ہے؟ عرض کی کہ بالکل مطابق ہے۔ کس تواضع اور کس شفقت اور کس بلاغت سے ارشاد ہوا کہ میں معافی کا خواہگار نہیں مستحق ہوں۔ اس تشاہد اہل ذوق نے عین کی سعادت پائی کہ ضعف و نفاہت کے اس عالم میں بھی دل و دماغ ناقصوں کی تربیت میں مصروف ہیں اور اکرام ضعیف کا بخور پیش کیا جا رہا ہے۔

دو تین دقیقے ذکر کے قابل ہیں، اسی اثنائے حاضری میں بنگال سے ایک معتقد باخلاص

لا خط آیا، جس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبیؐ کی وفات کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا یہ تمہید لکھ کر اس میں تھا کہ میرے اعتقاد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین خاص کو بھی اس اختیار خاص سے حسب استعداد حصہ ملتا ہو گا، اس لیے عرض ہے کہ ہم ناقصوں کی تربیت کے لیے حضرت والا چند روز اور اس دنیا میں قیام منظور فرمائیں، خط کے جواب میں لکھوا دیا تم اپنے دماغ کا کسی حاذق لمبیب سے علاج کراؤ، پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا اقل تو یہ ثابت نہیں کہ جو انبیاء (علیہم السلام) کو ملتا ہے، اس میں اولیاء و مشائخ کو بھی حصہ منود ہی ملتا ہے، اور اس کے بعد فرمایا اور اگر ایسا ہی ہو تو انبیاء نے کیا کیا؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ہی کو حیات دنیا پر ترجیح دی)۔

ایک دفعہ نہ ظہر خط لکھوا کر فارغ ہو چکے تھے کہ اونگھ اٹھی۔ ہشیار ہوئے تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوا کہ اس تخت پر ایک لفظ نہ لکھا ہے جس پر عبدالعزیز لکھا ہے خواجہ صاحب نے عرض کی ابھی حضرت نے خطوط لکھوائے ہیں وہی خیال قائم رہا۔ ارشاد ہوا ہاں یہ سچ ہے، مگر عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی عمر کیا تھی؟ میں نے کہا اٹھ بیاسی برس یا دہا ہے داب دارا معتنفین اگر دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عمر شریف اسی برس کے قریب یعنی اسی برس کچھ مہینے ہوئے تھے۔ بہر حال اس سے خواجہ صاحب کی نکتہ شناس نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تشابہ حال پر سچ ہو گئی،

ہر چند یہ تاکید تھی کہ شدت ملائت کی اطلاع باہر کسی کو نہ دی جائے، احباب اخارت و لمیمات اور اصطلاحات میں اپنے متعلقین اور دوستوں کو اطلاع دیتے تھے۔ عرض یہ تھی کہ (آخرین ہجوم نہ کریں۔ اس پر بھی دور دور سے معتقدین آجاتے تھے۔ ایک صاحب نے پٹا اور سے آنے کی اطلاع کرائی، دوسرے نے گور کچور سے، کسی نے کسی اور دور مقام سے، مگر ہر ایک سے یہی ارشاد ہوا کہ اجازت نامہ کہاں ہے۔ جب وہ معذوری ظاہر کرتے اور اجازت تصور کرتے تو فرماتے تمہاری فطرت کا خیال نہیں کریں، اٹھاؤں، پھر حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا ان کو میں محروم کر کے بھی محروم نہیں کرتا ہوں، ایک سبق دے رہا ہوں، پھر اسی معنی کا خواجہ صاحب کا ایک مصرع پڑھا، پھر ارشاد فرمایا کہ ان کے ناکام واپس جانے کا بڑا اثر ہو گا کہ اس کو سن کر دوسرے لوگ آنے سے رک جائیں گے، اور اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا یہ عرض یہ

تھی کہ لوگ اس بیکار کی زحمت اور تکلیف سے خود بھی بچیں اور حضرت کو بھی جو مے پچائیں۔

ایک روز بعد مغرب یاد فرمایا اور مشورہ چاہا کہ اشتہا مطلق نہیں اور ضعف بڑھ رہا ہے، گوہیں اس کے نتیجے پر راضی ہوں، مگر بہر حال اگر اس کی تدبیر کوئی ضروری ہو تو مگر ناچاہیے، اس اثنا میں خیال ظاہر فرمایا کہ لکھنؤ میں ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب (ناظم ندوہ) کو جو مزاج شناس تھے، لکھا جائے کہ صرف اشتہا پیدا ہونے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کریں؛ خاکسار نے عرض کی کہ حضرت چار روز خط کے جانے میں اور چار روز آنے میں لگیں گے، اتنی دیر بہت ہے پھر رائے ہوئی کہ سہارن پور میں کوئی اچھا ڈاکٹر ہو تو بلایا جائے۔ مگر دوسرے ہی دن مولوی محمد حسن صاحب اور دوسرے احباب لکھنؤ کا خط آیا کہ حکیم عبدالمجید صاحب لکھنؤی جن کے علاج سے پہلے بھی فائدہ ہو چکا تھا، اگر اجازت ہو تو ان کو لے کر حاضر ہوں، چنانچہ اجازت کا خط لکھا گیا۔ طالبین کے خطوط بہ دستور آرہے تھے، لوگ حسب دستور ہدایا منی آرڈر سے بھیج رہے تھے، مگر شدت احتیاط بدستور قائم تھی اور وہ واپس ہو رہے تھے، مگر اخلاص و محبت کے سراپہ کو بہت خوشی سے قبول فرمایا لیتے تھے، ایک قریب کے نواب صاحب کی ایک رقم آئی تو قبول فرما کر ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کا منون ہوں کہ وہ دے کر اٹھے خود منون ہوتے ہیں کہ اس نے (اپنی ذات کی طرف اشارہ) قبول کیا، ایک غریب نے کچھ پیش کیا تو اللہ اکبر اس کو آنکھوں سے لگایا،

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی بجائے ہے

حضرت گو ضبط و صبر، اور استقامت سے اپنی تکلیف ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ آئندہ کے خطرے کو زبان پر لاتے تھے کہ دوسروں کو بے مبری نہ ہو۔ گویا بات بات سے سفر کی آمادگی ظاہر ہوتی تھی۔ جوان کی زندگی اور طرز زندگی جس صفائی، پاکیزگی اور باتا دنگ کی عادی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ وقت اخیر کے لیے کوئی کام اٹھانہیں رکھا، کہ سالک کا دل ہر لمحے کو محض اخیر سمجھتا ہے اور اسی کی تیاری رکھتا ہے، یہی حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، کوئی چیز کرنی باقی نہ تھی، تمام انتظامات، حساب و کتاب اور دیواریاں سے پوری پوری فراغت تھی۔ عادت شریف تھی کہ آج کا کام کبھی کل پر اٹھا کر نہیں رکھا، گویا ہر وقت آمادہ سفر تھے۔

غاسکار کو بھوپال کی مجلس کی تاریخ ۹ کو تار سے معلوم ہو چکی تھی، اگر کو رفیق سفر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا بھی کمر مت نامہ آگیا، اگر کی صبح کی مجلس کے بعد رخصت کی درخواست پیش کی، ہاں میں ہر ضعت و قوت بیٹے ہی بیٹے دونوں ہاتھ رخصت کے لیے بڑھاے۔ حقیر نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دست مبارک کو بوسہ دیا اور انکھوں کو ملا، آہ! کس بلا کا رختنا نہ تھا، فرمایا، ”جاؤ خدا کے سپرد کیا“ یہ لفظ کانوں سے پہلے نہیں سنے تھے، انکھیں ڈبڑبڈاٹیں اور دیر تک چہرہ مبارک پر جھریں، کہ یہ جال جہاں آرا شاہ پھر دیکھنے کو نہ لے سوا یا ہی ہوا،

بعد کے اخیر حالات:

غاسکار کے جانے کے دو ایک روز کے بعد حکیم عبد المجید صاحب قشربیت لے آئے اور علاج اپنے ہاتھ میں لیا۔ پہلے روز عرق دانہ انا روایا، دوسرے روز ایک شیر کی بخنی دوا لیں تیسرے روز دھڑیروں کی، مگر یکسوں کی ہر سیمائی تدبیر ممکنہ تقدیر سے رد ہوئی رہی، حکیم صاحب کا ایک ہفتہ علاج رہا، مگر حالت میں تغیر نہیں ہوا، میں نے بھوپال سے مولانا جیل د صاحب کو طلب خیریت کا خط لکھا، جس کے جواب میں دو شبہ کے روز یعنی جس کی آنے والی شب میں وفات ہوئی، یہ تحریر فرمایا:

”حکیم عبد المجید صاحب آئے تھے، ہفتہ پورا کر کے کل واپس جا رہے ہیں۔ حکیم سیح اللہ (حضرت کے خلیفہ حق داو داں صاحب لکھنؤی کے صاحبزادہ) رہیں گے۔ علاج ان ہی دونوں کا ہے۔ اتفاق کی صورت نہیں، دست بہت ہیں، ضعف بے حد ہے، سانس میں تکلیف ہے، بائیں پاؤں میں کل سے سخت درد ہے، ہم سب پریشان ہیں۔ (جیل احمد دو شبہ)

لکھنؤ میں شحات سے جو حاضر تھے، معلوم ہوا کہ دو شبہ کے روز دست زیادہ آئے، ظہر کے بعد ضعف زیادہ محسوس ہوا، عصر کے بعد مولانا شیر علی صاحب کو جو حضرت کے بھتیجے اور تمام امور خانقاہ و مدرسہ کے مہتمم و متوفی تھے، یاد فرمایا۔ اطلاع دی گئی کہ وہ سہارنپور دوا لینے گئے ہیں۔ محلّٰ خور سے فرمایا کہ اماتوں کا صندوق اٹھا لو، امانتیں وہ رقیب تھیں بھی کو اہل غیر حضرت کو وکیل بنا کر کار خیر کے لیے بھیجتے تھے، مختلف تھیلیاں مدد دار ہوتی تھیں، ایک تھیل میں بی بی صاحبہ نے مرض کی کہ پانچ روپے ہیں۔ فرمایا، پھر ہوں گے، چنانچہ ہاتھ

والا تو ایک روپیہ کا نوٹ اور نکلا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کل رقیں ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ یہ اس مسئلہ شرعی پر عمل تھا کہ وکیل یا موکل کی موت کے بعد وکالت ختم ہو جاتی ہے اور ملک مالک کے تقرب میں واپس جانی چاہیے۔ مولانا قفر احمد صاحب کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک کاغذ پر یہ بشارت نامہ لکھ کر بوجھنا تھا وَابْتَحَا اٰیۃً لِّتَعْلَمُوْا دِیَاغُلَاکَ کو بعد کو مولانا قفر احمد صاحب کے والا نامہ سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ وفات سے دو دن پہلے کا ہے

مغرب کے بعد حالت اور زیادہ نازک ہوئی، سانس کی تلکی موسوس تھی، مولانا قفر احمد صاحب نے ڈھاکہ واپس جا کر لکھا:

مد آپ تھانہ بھون سے بھوپال گئے اور یہاں سخت بھونچال آگیا کہ حضرت حکیم الامتہ قدس اللہ سرہ نے دار البقا کی طرف ارتحال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کادت لہا شتم الجبال تنزول

یہ ناچیز اخیر وقت تک حاضر خدمت رہا۔ دل پر پتھر رکھ کر بیٹھا رہا قلب اطہر کی طرف متوجہ رہا، تشنگی رفع کرنے کے لیے آب زمزم دیتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری سانس میرے سامنے ختم ہوا، یلین اور کلہ کی تلمیقیں کرتا رہا، غسل بھی دیا، نماز بھی پڑھائی۔

راست کے دس بیچے تھے کہ مشاء کی نماز کے لیے خدام قریب کی حوض کی مسجد میں گئے، کہ اس اثنا میں وہ دم آگیا جس دم کے لیے ہر دم تیاری رہتی تھی، اور ودیۃ حیات کی آخری سانس اس دنیا میں لے کر واصل بہ حق ہوئے۔ اللہ ما منزل علیہ شائبہ ورحمتک وارقم درجاتہ وادقنا من برکاتہ۔

اس وقت خدام خاص کی کیفیت خیال کے قابل ہے، جو ایک طرف اپنے محبوب کے فراق میں بے قرار تھے اور دوسری طرف مقام مبرور فنا کی تعلیم سے بہرہ ور تھے اور حق تھا کہ حضرت سرور انبیاء مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں وہ کہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب فرزند ابراہیم کی وفات کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ ”اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔ لیکن زبان سے ہم وہ ہی کہیں گے جس میں ہمارے پروردگار کی رضا مندی ہو تاکہ محبت اور تسلیم و رضادونوں کا حق ادا ہو۔

تجزیہ و تکفین کے متعلق یہی فیصلہ ہوا کہ صبح کو ہو، صبح کے وقت خبر کے لیے دو آدمی ہانڈپور بھیجے گئے، ایک مدرسہ مظاہر العلوم میں جس سے حضرت کو بہت روحانی تعلق تھا، اور دوسرا سہارن پور کے اجباب کے پاس۔ اس صبح کی جانوالا اور آنے والی گاڑیوں میں آدھ ہن گئے، لافصل ہوتا ہے، اس لیے جو لوگ سننے کے ساتھ جس حال میں تھے اسکو مال میں چل پڑے، وہ تو پہلی گاڑی سے روانہ ہو سکے، مگر اس کے بعد بھی سیکڑوں آدمی اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ چنانچہ دوسری اسپیشل ٹرین چھوڑی گئی، اور قریب ڈیڑھ ہزار آدمی کے جنازہ کے وقت تک پہنچ سکے۔

حضرت نے ہر چیز کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا، یعنی ایک زمین لے کر اس کو کیر یا قبرستان خاص بنا کر وقف کر دیا تھا۔ ایک مختصر سے احاطہ کے اندر ایک زمین تعمیر دی گئی تھی، جس میں کچھ درخت بھی لگا دیے گئے تھے، چھوٹی سی مسجد اور ایک مختصر سا سائبان بھی اس میں ہے، اسی میں دوسرے اعزہ اور خدام بھی آسودہ ہیں، اسی کے بیچ میں اس کے مکی استراحت آبادی کے لیے زمین چنی گئی۔

جنازے کی نماز کے لیے مولانا شبیر علی صاحب نے مولانا غفر احمد صاحب کو اشارہ کیا، مجھے معلوم ہوا کہ پہلے تو مولانا غفر احمد صاحب نے تواضع کرنا چاہا مگر انہیں اپنا خواب یاد آیا تو آگے بڑھ گئے، اور نماز جنازہ ادا کی۔ میں نے سنا کہ مولانا غفر احمد صاحب ڈھاکہ میں تھے اور حضرت کی شدت علالت کی خبریں جاری تھیں، اور مگر سے آنے کے لیے شدید تقاضا بھی ہو رہا تھا، تواضعوں نے خواب دیکھا کہ وہ تھانہ بمون پہنچے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایک نماز پڑھانے والا آگیا۔

یہ واقعات تھانہ بمون میں ۱۹ اور ۲۰ جولائی کو پیش آئے۔ مگر ہمدردوں کو اطلاع دو دن بعد ملی۔ دہلی میں ۲۱ کو اور لکھنؤ میں ۲۲ کو مذہبی حلقوں میں اور عربی مدرسوں میں منام چھائی۔

خاکسار اب تک بمبو پال میں تھا، عنایت الہی دیکھیے کہ علی شب وصال کو خواب دیکھا کہ مولانا شبیر علی صاحب مجھ سے فرما رہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری رحمت ہو گئی۔ صبح اٹھ کر میں نے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے خواب بیان کیا، وہ بھی کہ چپ رہے۔ مفتی صاحب ۲۱ جولائی کو اور خاکسار ۲۲ جولائی کو بمبو پال سے روانہ ہوئے۔ میں ۲۳ کی

دو پہر کو کھنٹو چنچا، اور ندوہ آیا، حادثے سے بالکل بے خبر تھا۔ مدرسہ پہنچنے کے ساتھ میرے بچہ سلمان سلمہ نے سب سے پہلے خبر دی، اور اتفاق دیکھیے کہ بھوپال سے خط نویس نے خبر خیریت کے لیے مولانا جیل احمد کو لکھا تھا، چنانچہ انھوں نے دوشنبے کے روز شدتِ علامت اور مایوسی کی اطلاع لکھی اور اس کی دوسری طرف بلا توقع مولانا شبیر علی صاحب کے قلم کی عبارت یہ تھی۔

حضرت مخدوم معظم دام ظلمک العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ بعد تحریر خط ہذا۔

۱۹ اور ۲۰ جولائی کی درمیانی شب میں حضرت والا کا وصال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون
بخراطلاع کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں، کیوں کہ الفاظ اظہار کے لیے نہیں ملے،
معصیت زدہ شبیر علی عفی عنہ از تھا نہ بھون

۲۲ کو سہارن پور اور دہلی سے مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور
اور مولانا الیاس صاحب کاندھلوی لکھنؤ دارالعلوم میں آئے، تو مزید اطلاعات اور تفصیلات
معلوم ہوئیں۔ ۲۶ جولائی کا لکھا ہوا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا غم نامہ ملا،
مکرم عزم دامت معالیہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ اب آپ بھوپال سے واپس آگئے
ہوں گے، میں نے دہلی پہنچ کر حضرت مولانا تھانوی کے وصال کی خبر سنی، آنکھوں
کے نیچے اندھیرا چھا گیا۔ خوراً یاد آیا کہ جس شب کو مولانا نے دنیا کو چھوڑا، یعنی
دوشنبہ کی درمیانی شب، اس رات کی صبح کو جناب نے بھوپال میں مجھ سے
ڈکر کیا تھا کہ آپ نے مولوی شبیر علی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے
ہیں حضرت مولانا بالکل صحت یاب ہو گئے۔ آپ کا خواب سچا ہوا۔ مولانا
نے دنیاوی تکالیف سے بالکل صحت پائی اور رفیقِ اعلیٰ سے جاملے، اِنَّا لِلّٰہِ
وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ واسکۃ الفردوس الاعلیٰ، ہندوستان
ایک حکیم الامتہ مجدد الملتہ سے محروم ہو گیا۔

حضرت کے ایک خلیفہ نے جن کو صدق رویا کی نعمت ملی ہے، وصال کی دوسری یا تیسری
شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ میرے فیوض اب بھی جاری رہیں گے، اللہ تعالیٰ
نے مجھے مقامِ شہداء (فرمایا یا مقامِ شہود) عطا فرمایا، حضرت نے اسہال کے مرض سے وفات

فرمائی اور حدیث نبوی ہے والمبطلون شہید، (پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے) مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب کا کوروی (علیگ) مالک انوار المطابع کھنڈ نے جو حضرت کے خدام قدیم میں سے ہیں بیان کیا، اور انہوں نے خواجہ عزیز الحسن صاحب عورسی بی، اے (علیگ) سے سنانا کو چھوٹی پیرانی صاحب سے معلوم ہوا (خواجہ صاحب کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں) کہ جس وقت روح مبارک پرواز کر رہی تھی حضرت کے واسطے اٹھ کی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے بیچ میں ایک ٹھیکہ سا چمکتا معلوم ہوتا تھا، جس کو انہوں نے دیکھا اور دوسری عورتوں نے بھی دیکھا، مگر خاص حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ چوں کہ جو نوہرہ ایت حضرت کے ذریعے پھیلا وہ زیادہ تران کی انگلیوں یعنی تعینات کے ذریعہ سے پھیلا، اس لیے وہ نور انگلیوں ہی کے درمیان مثل ہو کر نظر آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت کے ہیبت سے محبت کی طرح ایک محبت خاص مولانا مسعود علی صاحب ندوی کو اس عقیدت و عظمت کی بنا پر جو ان کے دل میں تھی حضرت کی مغفرت کے لیے دعا مانگنے میں دلی کشمکش محسوس ہوتی تھی۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ تھانہ جون میں حاضر ہیں کہ دفعۃً حضرت تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا کہ میری صحت کے لیے دعا مانگا کرو:

عَلَّ اٰیْنَ نَمَتَہُمْ اَزْوَیۡے نَکَّارَ اَفْرَشَدَ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و درجہ کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانے میں نوز کے لیے پیدا کیا، وہ آئی اور ساٹھ برس کے ہمارے کانٹوں دکھا کر واپس گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وادخلہ اعلیٰ علیین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین والہ واصحابہ اجمعین وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(یاد و رفقاں)

علامہ امتیاز علی خاں عرشی (درام پور)

(۷۹)

اعظم جڑھ

عزری دام لفظ! اسلام علیکم۔

آپ کا مضمون مارچ میں نہ آ سکا۔ شاید اپریل میں آئے۔ پرچہ چھپنے کے بعد آپ کے پاس بھیجے جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنا پورا نام لکھیے۔

فروری ۱۹۲۹ء کے معارف میں جس مضمون سے آپ کو اختلاف ہے کیا اس کے خلاف کچھ واقعاتی دلائل آپ کے پاس ہیں۔ اگر ہوں تو مطلع فرمائیے۔

سیدنا عرفاروقؒ کے مکاتبات و خطبات جمع کیجیے۔ کنز العمال، موطا امام مالک، مسند احمد، تو لم یومہ میں باقی معصفت عبدالرزاق اور معصفت ابن ابی شیبہ نقلی باقی صحاح و سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔ علاوہ ازہر طبری اور بلاذری بھی ملاحظہ ہو۔

سید سلیمان

۲۲ مارچ ۱۳۴۸ھ

(۸۰)

دفتر دارالمصنفین اعظم جڑھ

مکرم اسلام علیکم!

دو ہفتوں سے زیادہ ہوا کہ آپ سے کتاب خانے کی دو کتابوں کے متعلق دریافت کیا تھا کہ ان کا موضوع کیا ہے۔ مگر ہنوز جواب سے محروم رہا وہ کتابیں فن ریاضی عربی زیر ملاحظہ کیجیے۔ ہر سنت کتب خانہ جلد اول ۱۳۴۸ھ تک کے بعد اور ۱۳۵۵ھ۔

اب یہ اتنا سہل ہے کہ آیا ہوں کہ فن متفرق میں عربی کے ساتھ صفحہ ۸۔ ۷ پر رسالہ فی الوجود فارسی کا نام ہے اس رسالے کی چند ابتدائی اور چند آخری سطریں مناسبت فرمائیں مضمون ہوں گا۔

۱۔ عرشی صاحب نے عرقیام کا ایک نادر نمونہ دریافت کیا تھا۔ اس پر مضمون معارف کے شمارہ بابت ماہ اکتوبر تا دسمبر ۱۳۴۸ھ۔

پہلا خط کتب خانے کے پتے سے بھیجا تھا اب آپ کے محلے کے پتے سے بھیجتا ہوں۔
 شاید یہ فال نیک ثابت ہو۔
 ۲۰ جنوری ۱۹۲۳ء

سید سلیمان

(۸۴)

دفتر دارالمعتنفین اعظم گروہ
 مکرم وعلیکم اسلام ورحمۃ اللہ!
 محرمت نامہ کا شکریہ آپ کی امداد نے عہد نامہ پہنچایا اور مجھے ایک منالطے سے محفوظ
 رکھا گیا اگر میں اپنی کتاب میں آپ کی اس امداد کا شکریہ ادا کروں تو کیا ریاستی پالیٹکس کے
 خلاف تو نہ ہوگا۔

کیا کتاب خانے میں کوئی قدیم کتبہ یا اصل لابلاب ہے اگر ہے تو اس پر اس کے
 صانع کا نام ہے اگر ہے تو نام دالی پوری عبارت حروف مع تاریخ نقل فرما کر
 بھیج دیجیے۔

تفسیر سفیان پر اگر آپ کچھ لکھ سکتے ہوں تو لکھیے۔ بیامن صاحب پر آپ کی تحریر
 کا اشتہار رہا۔ والسلام
 ۱۲ جنوری ۱۹۲۳ء

سید سلیمان

(۸۵)

دفتر دارالمعتنفین اعظم گروہ
 مکرم وعلیکم اسلام ورحمۃ اللہ!

میں یہاں نہ تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مرقع بڑا دلچسپ ہے کیا تصویروں کی
 صورت اور لباس سے ہندو مسلم کا فرق نمایاں نہیں ہوتا؟ میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میرے
 علم میں کوئی ایسا واقعہ جس سے اس مرقع کا معاملہ ہو سکے نہیں ہے۔

برادر محاجی معین الدین صاحب ندوی رامپور میں بہتم تالیفات ہیں۔ میں اس عہدہ
 کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ انہوں نے خود کھادہ ان باتوں میں مسرت ہیں۔ ہارے آپ نے
 معنوں کو سمجھا ہے۔ اگر آپ اس نئی چیز کی تفصیل بتا سکیں تو میرا دل کیا عہدہ ہے کیا تنخواہ
 ہے کس کی ماتحت ہے کتنے دنوں کی جگہ ہے؟

آپ رامپور آنے کی پُر اصرار دعوت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ رامپور کے کتب خانہ سے محروم رہ جاتا ہوں۔ والسلام

سید سلیمان

۲۰ جون ۱۹۳۳ء

میراث متعلق کتب خانہ رامپور آپ کے وزیروں کی فکر سے بھی گزرا؟ یا یہ تیر یوں ہی اچٹ کر رہ گیا۔ سلیمان

(۸۳)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ

مکرم سلام مسنون!

ایک صفحہ کا مضمون چنپا۔ عبادت کا مطلب آپ نے صحیح سمجھا عربی طباعت کا آغاز سو لھویں صدی سے شروع ہوا ہے۔ ۱۵۹۳ء میں روم میں قانون شیخ طبع ہوا تھا۔ پبلک لائبریری کے لیے فہرست کتب مرسل ہے اس کے ساتھ ہی رعایت ممکن ہے کہ قیمت میں تاجرانہ کمیشن ۲۵ فی صد دیا جائے۔ اس کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب مدوی منبر دارالمعتنفین کو لکھیے۔

میں شاید ۱۸-۲۰ اکتوبر کو بخوند ایک دوست کے اصرار پر جا رہا ہوں۔ مزائے تو حاضر ہوں؟ اردو ادب پر نواب غلام اشیاں کے دربار کا اثر اچھا موضوع ہے مگر شرط یہ ہے کہ طبیعت حاضر ہو۔ والسلام

۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء

سید سلیمان

(۸۴)

مکرم السلام علیکم!

عنایت نامہ ملا۔ میں نے علی گڑھ کے پچھلے سفر میں رام پور آنے کی اجازت چاہی تھی آپ کا خط میری روانگی کے بعد آیا۔ اور واپسی پر ملا۔ افسوس ہوا۔ اب دوبارہ عرض ہے کہ ۵ مئی علی گڑھ پہنچنا ہے۔ کورٹ کا اجلاس ہے۔ میں ۷ کو یا شاید ۶ کو رام پور آسکتا ہوں۔ مہربانی کر کے اس پتے سے خط کا جواب دیجیے جو مسط مولانا ابو بکر صاحب مسلم پرنٹرز علی گڑھ۔

حاجی معین الدین صاحبؒ تو روانہ ہو گئے شہر خود روم و شہر یا خود باشم۔ اب ان کی جگہ پر کیا انتظام ہوا ایک صاحب جو میرے پیش نظر ہیں کیا موقع ہے؟ آپ کا مضمون دسم میں جا رہا ہے۔

سید سلیمان

۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء

(۸۵)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
مکرم السلام علیکم۔

حنایت نامہ ملا۔ فائز شاکر میرا ارادہ معصم تھا کہ حاضر ہوں مگر انوس کہ یہاں اگر بیمار ہو گیا۔ ۲۴ گھنٹے کے فاقہ کے بعد آج کچھ دسی ملی ہے اور کوئی وقت مناسب راپور پہنچنے یا یہاں سے روانہ ہونے کا نہیں لانا اس لیے بعد انوس اس وقت سفر راپور کو ملتوی کرنا ہوں اور آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ عرفت میں نے بعض العزائم یا زندہ صحبت باقی۔ والسلام

سید سلیمان

۲۶ نومبر ۱۹۳۲ء

(۸۶)

دارالمصنفین اعظم گڑھ
مکرم السلام علیکم۔

آپ کے مجھ پر طرح طرح کے الزام ہوں گے۔ اور کم از کم بے اعتنائی اور بے رخی کی تہمت تو مجھ پر قدرۃ قائم ہونی چاہیے گو میرا دانا منہا بڑا تہا شذ۔ آپ کا پنجاب والا خط میرے پنجاب سے واپس آنے کے بعد اعظم گڑھ واپس ہو کر ملا۔ میری نیت ہمیشہ درست لیکن ارادہ ہمیشہ غلط ہوتا ہے اور اس ارادے کی غلطی کے سبب سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ارادے کی غلطی کے معنی یہ ہیں کہ صحت کی خرابی کے سبب سے اکثر سفروں میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اور واپس میں فسخ ارادہ کرنا ہوتا ہے کتاب خانہ رام پور

(۱۱) مولانا حاجی معین الدین ندوی صاحبؒ غلامی و دیگر کتب، دارالمصنفین میں رفیق ملی تھے۔ کتب خانہ ندوۃ العلماء کی ترتیب کے لیے لکھنؤ چلے گئے تھے۔ بعد وہاں رہے اگلے محلے پر

کی زیارت کس کو آپ کی طرف نہ کیجئے گی۔ لیکن مجھے یقین آگیا ہے کہ ضمنی سفر کے بجائے جب
 ایک وہاں کے لیے مستقل سفر کی نیت نہ کی جائے گی، تنگن ٹھیک نہ ہوگا۔
 امید ہے کہ ۲۵ ستمبر میں اگر زندہ رہا تو اپنے شوق کی تسکین اور آپ کے حکم کی تعمیل اسی سال
 کروں گا۔ عرفت ربی بفسح العن انہ کا فقرہ نہیں پڑھتا۔ والسلام
 سید سلیمان

۱۹ مئی ۱۹۳۵ء

ساعر نظامی

(۸۷)

محترم دام لطفہ۔ السلام علیکم
 والا نامہ اور صبحی کا شکریہ، صبحی کے چند جام پیے۔ اس کے اشعار بلند اور قابل داد ہیں۔
 جن سے آپ کی شاعرانہ بلند پروازی ظاہر ہوتی ہے۔
 آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور وہ عام شاہراہ سے الگ ہے۔ والسلام
 سید سلیمان
 ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء

گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ

امیریل لاہوری بکھڑے، خدا بخش لاہوری بانکی پور (پنڈ ۱)، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں
 خدمات انجام دیں۔ آخر میں بہار کی مشہور درس گاہ "مدرسہ شمس الہدیٰ (پنڈ ۱) کے پرنسپل
 ہو گئے تھے۔ ۲۔ مئی ۱۹۴۱ء کو ولادت پائی۔ سید سلیمان ندوی نے معارف اعظم غرہ بابت
 ماہ مئی ۱۹۴۱ء میں ان کی ولادت کا ماتم کیا ہے۔



مہربانی من! شاد باد! زندہ باد

کل آپ کا خط ملا پڑھ کر بے انتہا خوش ہوئی۔ انسانوں کی کمی نہیں، انسانیت کی کمی ہے۔ آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، متواضع خور و شرین طبیعت کا اندازہ ہوا۔ آپ میرے الفاظ سے مایوس نہ ہوں، ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے۔ آپ کے مشورہ دینے میں کمی کی ہے۔ آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے۔

میرا مقدمہ تیار ہو چکا تھا مگر آپ کے انتظار میں بھیج نہیں رہا تھا۔ اب آپ کا جواب آیا اور آپ کے طرز اخلاق سے اطمینان ہوا۔ آپ ان صفوں کو بڑھیں جہاں کہیں آپ کو اتفاق نہ ہو آپ مجھے اطلاع دیں میں خود کروں گا اور تخریر کروں گا۔

اپنے والد ماجد کو میرا سلام کہیے سبھی آپ کے اس رشتہ اور نسبت پمدی کی خبر نہ تھی، تو گویا آپ ہمارے مفدوم مولانا ابوالہیام صاحب سیالکوٹی کے عزیز ہیں کیا یہ میں صحیح سمجھا۔

میں نے اپنی تصویر خود کبھی نہیں کھنچوائی لیکن اگر کسی نے لے لی تو میں نے مزاحمت ہی نہیں کی۔ والسلام

سید سلیمان
۱۵ ستمبر ۱۳۲۲ھ

مولوی اجید الدین نظامی

(۸۹)

دفتر دارالمعتفین، اعظم گڑھ
محترم ادا مطلق

عنایت نامہ موصول ہوا: کتابی دنیا کا ایک نمبر بھی ملا۔ ہمارے ہاں ایجنسیوں کے جو تجربات اب تک ہوئے ہیں۔ وہ سب ناکام ہوئے ہیں اور ہتھوں کے ذمے بہت کچھ بقیارہ گئی۔ اس لیے سب ایجنسیاں توڑ دیں۔ اب بہتر صورت تو یہ ہے کہ آپ نقد خرید کر رکھیں اور اگر اس پر عمل نہ ہو سکتا ہو تو یہ کیجیے کہ نصف قیمت اس وقت ادا کر دیجیے اور نصف بعد وضع کمیشن۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ سو دو روپے ضمانت کے طور پر جمع کرادیں اور پھر اس کے اندازے سے کتابیں طلب فرمائیں۔ حساب نہر خشمایہ پر ہوا کرے گا۔

بالفعل کمیشن سیرت پر مصلحت فیصدی اور دوسری مطبوعات دارالمعتفین پر مصلحت فیصدی دیا جائے گا۔ اور مصارف پبلنگ دریل و ڈاک آپ کے ذمے ہوں گے۔ ہرانی فرما کر آئندہ ان امور کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب منیجر دارالمعتفین کے نام خط و کتابت فرمائیں۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۳ء

براہ کرم آئندہ خط و کتابت میں اس خط کا حوالہ ضرور دیجیے

بخدمت جناب اجید نظامی صاحب

نظامی پریس۔ بدایوں

خطر پر حواشی مولانا غلام رسول مہر کے قلم سے ہیں !

دارالمنفقین اعظم گڑھ (یوپی)
مکرم و عظیم السلام

یاد آوری کا شکریہ، کامیاب سفر مبارک باد دیتا ہوں، میرا سفر نامہ کیا وہ تو پختے پھرتے معلومات کا بیان ہے۔ پہلے سے اس کا خیال بھی نہ تھا۔ اہم حضرت خواجہ صاحب تقاضی کے سفر نامے سے تو زیادہ مکمل صیح اور پُر معلومات ہے۔ آپ کا سفر نامہ بھی یقیناً دلچسپ ہے۔ اور پُر معلومات ہوتا تو اس کا تاثر ہے۔ میں نے جس دواوردی میں یہ سفر کیا، اس میں اتنا کچھ کہنا بھی غنیمت ہے۔

”چہل زینہ“ کے متعلق مجھے غلطی ہوئی ہوگی، مغرب کا وقت تھا۔ میں پوری عبارت بھی پڑھ نہیں سکا ابھی کل پرسوں اصلاح میں اس کا جو حال نکلا ہے اس میں بھی سپائش و پمانہ ہی سے بحث ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری عبارت کا محققانہ مطالعہ کیا جائے۔ میرے احباب افغانستان کو جب آپ خط لکھیں تو میرا بھی جوابی سلام پہنچا دیں۔ ”سیرۃ ابنی“ جلد چہارم کی دو جلدیں بذریعہ ریلوے پارسل مرسل ہیں۔ مولوی بشیر صاحب اور طر حنیف صاحب کو بھجوا دیجیے۔ ظفر حسن صاحب کو یہ بھی کہیے کہ اس کی بیع دوم چھپ رہی ہے جس میں بعض تبدیلیاں اور اضافے ہیں، وہ ترجیحاً بالفعل شروع کریں۔ مگر بیع دوم سے بعد کو ملائیں۔ بیع دوم ان کے پاس بھیجوں گا، ان کے پتے سے مطلع فرمائیے۔ میں نے ان کے شریک حرمہ کے نام حسب طلب سیرۃ چہارم تسلیم کی بھی تھی۔ مگر واپس آگئی اور کسٹم گھر سے دینا پڑا۔ کچھ دفعہ لاہور ایسا سرسری گیا کہ آپ کے دفتر تک بھی پہنچ نہ سکا، جس کا افسوس ہے۔

امید ہے کہ دریائے کابل کی (جو تنگ چشمان سمرقند و بخارا کی طرح تنگ ہے) زیارت

سے آشوب چشم جاں مارا ہو گا۔ والسلام۔

سید سلیمان ندوی

۹ نومبر ۱۹۳۳ء

لہ میں نے سید سلیمان مرحوم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ان کے سفر نامے میں جو بلا قضا "معارف میں چھپا تھا" پہلے "زینتہ" (قندھار) کے ذکر میں ایک فرد گلاشت ہوئی۔
 کہ مولانا محمد بشیر شہید رئیس مجاہدین حیرکنڈہ۔

کہہ فخر حسن صاحب ایک۔ یہ ان طلبہ میں سے تھے جو فروری ۱۹۱۱ء میں لاہور سے ہجرت کر کے پہلے سرحد آنکلا
 ہیں پیرافغانستان چلے گئے تھے۔ فخر حسن صاحب بعد ازاں روس ہو گئے۔ سوئے ترکی پہنچ گئے اور کالج
 کا امتحان پاس کر کے فوج میں معزز عہدے پر مامور ہوئے انھوں نے ترکی میں تو قن اختیار کر لیا، میں ۱۹۲۳ء میں کابل گیا
 تھا۔ تو وہاں آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے مولانا شبلی کی سیرت النبی کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا تھا جو تھیں جلد
 انھیں نہیں ملی تھیں۔ میں نے مولانا سید سلیمان سے منگوا کر انھیں اور مولانا محمد بشیر کو بھیجوا دی۔

سید رئیس احمد جعفری

(۹۱)

عزیز می! سلم اللہ تعالیٰ
اسلام علیکم، ہاں بے شک رمضان المبارک میں بھی تمہارا ایک خط آیا تھا، اور اب پھر
تمہارا مفصل خط ملا، جس منزل میں اب تم ہو، یہ منزل ہر ایک طالب علم کی راہ میں ملتی ہے،
اُس وقت تک چوں کہ دنیا کے نشیب و فراز اور کاموں کے عملی تجربوں اور خیالات کی
عملی دقتوں سے واقفیت نہیں ہوتی، اس لیے وہ اپنے لیے ہر طرف اپنے کام کے لیے
آزاد میدان پاتا ہے اور سب کچھ سوچتا ہے اور سب کو کرنا چاہتا ہے، لیکن جب الامید
ہوتی ہے، ٹھوکریں کھاتا ہے، تب ہٹ کر ایک راستہ پر چلتا ہے اور دنیا کو دارالخیال نہیں
بلکہ دارالعمل سمجھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کام کا خیالی خاکہ ہمیشہ عالم گریز ہن میں آتا ہے، اور یہی وہ
چیز ہے کہ ہماری ہر چیز آل انڈیا ہوتی ہے، ہم سمندر میں حرکت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو
ناممکن ہے اور اسی لیے ہمارا کوئی کام جو آل انڈیا کی صورت میں ہے کامیاب نہیں، اگر
کوئی ایک جگہ، ایک مرکز پر کسی ایک کام لے کر بیٹھے اور سب کچھ اس پر نثار کر دے تو
سب کچھ ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کی حالت جیسی منتشر، پراگندہ اور غیر منظم اس وقت ہے جیسی کبھی بھی نہ
تھی، ہم میں کوئی "مسلمان رہنما" نہیں، سب کسی نہ کسی چیز کے جموے میں، ایک ایک روٹی کے
لیے آپس میں لڑتے ہیں جو کل کہتے ہیں وہ آج نہیں، اور جو آج کہہ رہے ہیں وہ کل نہیں کہیں
گے۔ ذاتی اغراض کو قومیت کا لباس پہنا کر منہ شہرت پر جلوہ دیتے ہیں، اور ہم احسن ت اور
جواک کا طور نہیں بلند کرتے ہیں۔

عزیز من! ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل تمام دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ خور
کے حائق ہے۔ ہندوستان کا سیاسی مستقبل کچھ بھی ہو مگر ہر حال میں اسلامی سلطنت نہ ہوگی
نیز یہ بھی مسلم ہے کہ اکثریت کا قانون اکثریت کو حکمراں طبقہ بنا دیتا ہے، ایسی حالت میں

ہندوستان میں مسلمانوں کی ہر چیز کس پرسی میں پڑ کر فنا ہو جائے گی، اگر اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کا سامان نہ ہو، ہمارے لیے "اسلام" اصلی چیز ہے اس کے وجود کا نام مسلمانوں کا وجود اور اس کی ترقی کا نام مسلمانوں کی ترقی ہے، بنا بریں ہماری اصلی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کو زندہ، باقی اور ترقی دینے کی کوشش کریں، اسی سے اکثریت کا مسئلہ بھی حل ہوگا، یعنی اب ہندوستان کی فتح، محمود غزنوی کی طرح ملکوں، شہروں اور قلعوں کی فتح سے نہ ہوگی، بلکہ اہل ہند کے قلوب کی فتح سے ہوگی یہی اس دور کا اصلی کام ہے۔

تقلم امامت و امارت کا میں خود معتقد ہوں، اور اس کو بہت بڑا کام سمجھتا ہوں، مگر یہ چیز کم از کم صوبہ متحدہ میں جہاں سیکڑوں دیوتا ہیں قائم نہیں ہو سکتی ورنہ ان کے موروثی آبائی بت خانوں میں خزاں آجائے گا۔

مجھے اخبار کی اشاعت بہت مفید و کار آمد آلہ کار ہے، بشرطے کہ یہی اصل مقصد قرار نہ پا جائے، مگر اس کے لیے بڑے سراپہ کی ضرورت ہے۔ اور انگریزی داں اشاف بھی چاہیے، اس کا کچھ بند دلبست ہے؟

میرے ذہن میں آتا ہے کہ ندوہ کے ماتحت "الگ دارالاشاد" قائم کروں، جس میں دارالمستفین کی طرح چند خلع افراد اپنے چوہیں گھنٹے پورے اخلاص، ایثار اور انہماک کے ساتھ کام کریں، چھوٹے چھوٹے ایسے رسالے لکھیں جو اردو، ہندی، انگریزی میں بیع ہوں، اس کا اپنے مذاق کا ایک تجارتی دارالاشاعت ہو جس میں اس قسم کا تمام منجیدہ لٹریچر جمع ہو، ماہوار رسالہ ہو، جو انگریزی میں بھی ہو تو کیا کہنا، اس کے ماتحت یہ تحریک ہو کہ "انجمن شبان المسلمین" شہر شہر طلبہ قائم کریں جس میں کھیل اور کلب کے دوسرے سامانوں کے ساتھ اسلامی لٹریچر کا کتب خانہ بھی ہو، ہر ہفتہ داں ایک اسلامی وعظ ہو، قرآن پاک کا مسلسل درس ہو اور اس طرح نوجوانوں کو نوجوان مسلمان ہندوستانی بنایا جائے۔

میں کوشش کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ کچھ دنوں میں یہ بھی ایک مستقل صیغہ ہو جائے گا، اس تجویز پر تم اور تمہارے ہم خیال عزیز خود کریں، لعل اللہ یشرح لذلک صدور کم۔ یہ جاننے کے لیے کہ قوم تم سے کیا چاہتی ہے، ایک خط بھیجتا ہوں۔ والسلام۔

ستید سلیمان
۲۵ اپریل ۱۹۳۵ء

نواب سید شمس الحسن صاحب

(۹۲)

صحنہ الدور حسام الملک نواب سید علی حسن خاں مرحوم کے انتقال پر ان کے صاحبزادہ مرحوم
نواب سید شمس الحسن کے نام تعزیت کا خط

برادرِ مہر اللہ تعالیٰ! السلام علیکم

ابھی آپ کا تار ملا! تار کیا تھا! بلی تھی جو دلوں پر گری۔ ہاے اُن کا آخری دیدار کتنا غمِ نصیب ہوا
وہ نہ موت آپ کے باپ، بلکہ ہم سب کے بزرگ تھے اور میں اسی نظر سے ان کو دیکھتا تھا اُن کا
وجود بزرگوں کی نشانی تھی۔ اور ہمارے لیے بڑا سہارا تھے۔ آہ آپ اور برادرِ امیرِ حسن خاں
اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو کیا کمسوں اور کیوں کر صبر کی تلقین کروں، ان کا سایہ آپ
لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت تھی جس سے افسوس کہ آپ لوگ مرحوم ہو
گئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں تعزیت کن نغظوں میں پیش کروں زبان و بیان قاصر ہے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جو ابر رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبرِ جیل عطا فرمائے
تعزیت کے لیے میں خود حاضر ہوتا مگر رمضان اور اہلیہ کی ملائت کے سبب سے قاصر رہا۔ بہ حال
بچھے امید ہے کہ آپ لوگ جب تک میں جیتا ہوں اس رشتہ کو شکست نہ ہونے دیں گے۔

والسلام

سید سلیمان - ۱۹ نومبر ۱۹۳۶ء

(۹۳)

برادرِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔ ادارہٴ معارفِ اسلامیہ کا جو اجلاس مکتبہ میں آپ لوگ کر رہے
ہیں، ادارہ کی طرف سے ایک مشاعرہ بھی ترتیب دیا جائے۔ جس میں ممتاز شعرا شریک ہوں۔
میرے خیال میں اس کام کی اہلیت آپ ہی کو ہے۔ آپ اس شعبہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں
غالباً اس تجویز میں کسی کو اختلاف نہ ہو گا۔ کام صبرِ ذیل ہے۔

۱۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ یا ۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء کو رات کے وقت ایک مشاعرہ کا انعقاد۔ تاریخ و وقت
و مقام متعین کیے۔

۲۔ ریڈیو آفس سے دریافت کیجیے کہ کیا وہ "سے" کریں گے۔ اور اگر اس کے لیے ٹیلی فون کی ضرورت ہو تو وہ ندوہ میں نہیں یونیورسٹی میں ہے تو پھر یونیورسٹی میں انتظام اور گزٹنگا کر یہاں انتظام کر سکتے ہیں تو خیر ندوہ ہی میں۔

۳۔ شعرا کا انتخاب: (ملحد بشوئیک شاعر کو تہہ بلایئے) اتنے نام یاد آتے ہیں، مگر صاحب، روش صدیقی صاحب، حفیظ جالندھری لاہور، پروفیسر اکبر، شیر ہوشیار پوری گورنمنٹ کالج اور لکھنؤ کے شعرا کو تو آپ جانتے ہیں۔

۴۔ طرح جو پسند ہو۔ یا عنوان کسی نظم کا۔ یا عام

۵۔ کیا ان صاحبوں کی خدمت میں کچھ پیش کرنا بھی ہو گا۔ میرے خیال میں دس ہندوہ شاعر کافی ہوں گے۔

مید ہے کہ جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔ اچھے صاحب اور عزیز امیر حسن خاں صاحب کو سلام سنوں۔ آپ لوگوں کی کوشش سے اراکین استقبالیہ کچھ بن جاتے۔ بڑا مرحلہ قدم دہیہ کا ہے۔ صدارت استقبالیہ کا فیصلہ بھی نہیں ہوا۔ صدر اجلاس کے لیے نواب مہدی یار جنگ کا انتخاب ادارہ کی مجلس عاملہ نے کیا ہے۔ معلوم نہیں ہوا کہ وہ قبول کریں گے یا نہیں۔ مشاعرہ کی صدارت کے لیے اقبال سہیل صاحب کو آپ پسند کریں گے یا جو نام آپ پسند کریں۔

والسلام

سیمان - یکم جنوری ۱۹۴۲ء

(۹۲)

برادر عزیز! دعا ہے خیر۔

خط ملا۔ محو دیر۔ اسی لیے اس کے جواب میں، جواب میں دیر سے دے رہا ہوں! ادارہ کو شب مشاعرہ کی تاریخ پتہ بین کورویہ کا سامان تو دشوار ہے۔ کوئی راجہ صاحب ابھی تک ہاتھ نہیں آئے۔ کوئی نواب ہی صاحب ہاتھ آجائیں۔

پدسوں شب کو میں نے جناب نواب صاحب مرحوم آپ کے والد کو خواب میں دیکھا۔ تخت پر وہ حسب عادت دو زانو بیٹھے ہیں۔ میں بھی ہوں۔ ناشتہ سے فرصت ہوئی ہے اور میں رخصت ہو رہا ہوں۔ رخصتی کے وقت سواری کو پوچھتے ہیں اور میں معذرت کرتا

لے اشارہ جوش ملیح آبادی کی طرف ہے۔

ہوں۔ گویا اب بھی اُن کی شفقت میرے حال پر ہے۔
 بہر حال نو دس بارہ شعر کا انتخاب کیجیے اور انٹر لکرا یہ مطلوبہ کیجیے۔ اس میں کچھ کمی ہو
 جائے گی مگر شعراے نازک خیال کی نازک دماغی کے بار کا تحمل کون ہو گا؟
 اچھے صاحب اور برادر امیر حسن خان سلام قبول فرمائیں۔ والسلام

سلیمان

۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء

سید الطاف علی بریلوی (علی گڑھ) :

(۹۵)

دارالمعتنفین اعظم غرڈ

مکرم السلام علیکم۔ آپ کا انگریزی رسالہ ملا۔ ریویو ہو گا۔ مگر آپ کا رسالہ مجھے سفر میں ملا تھا،
 دیکھنا یہ ہے کہ یہاں ساتھ آیا ہے یا نہیں۔

مجھے اپنے معنوں کا برابر انتظار ہے۔ آپ کے احساسات کی میں نے بڑی قدر کی۔
 آپ کا خیال درست ہے۔ مسلمانوں کے فائدے اور خدمت کے لحاظ سے ہمارے پرانے
 گھر دوسرے بے کار ہو چکے۔ یا وہ اپنا چور لاپرواہی یا سمت کے گھاٹ اتر جائیں۔

لیکن آپ کی ذاتی وابستگی و محبت کے لحاظ سے میں کہیں آپ کو یہ رائے نہیں دے سکتا
 کہ آپ اپنی جگہ سے ہٹیں۔ اس وقت تو جہاں ہے وہیں پر اس کو قدم جمائے رہنا ہے،
 آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ بحیثیت ملازم جہاں ہیں وہاں بحدہ لازم مت اپنا کام بہ طور فرض
 کرتے رہیں۔ اور ہمارے دارالمعتنفین کے لیے وہ مطلوبہ جگہ کیجیے۔ جس کی فرمائش میں نے
 آپ سے کی ہے۔ دارالمعتنفین آپ کو بہ طور معاوضہ نہیں بہ طور پیش کش ڈھائی سو روپے
 نذر کرے گی۔ یہ نذر حقیر ہے۔ مگر حالات نے مجبور کر رکھا ہے، ممکن ہے میں اس سے زیادہ
 کر سکوں، مگر وعدہ نہیں۔ انشاء اللہ علی گڑھ جلد حاضری ہو گی، باتیں ہوں گی۔ والسلام

سید سلیمان

۲۰ جون ۱۹۳۲ء

محمد امین زہیری

(۹۶)

دفعہ دارا العتقین اعظم گڑھ
مکرم السلام علیکم !

عنایت نامہ کا شکریہ۔ دونوں ٹکڑے مفید تھے کام آئیں گے۔ مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ان دونوں کا ماخذ کیا ہے مہر! فی مزا کر ماخذ سے مطلع فرمائیے۔

باقی آپ کی تعلیمات تو میں نہیں سمجھا۔ مولوی عبدالسلام صاحب سمجھیں یہاں تو معاملہ صاف ہے۔ آج کل مولوی عبدالسلام صاحب پر مراق کا سخت دورہ ہے۔ بیکار سے ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے مکان بدل لیا۔ والسلام

سید سلیمان

۱۲ دسمبر ۱۹۳۸ء

(۹۷)

مکرم السلام علیکم !

ادھر بہت معروف تھا جواب نہ دے سکا۔ مجموعہ خطوط سرسید کہاں سے ملے۔ مجموعہ خطوط جاتی ہیں چاہیے۔

میں ملے گڑھ گیا تھا آپ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ آج کل مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ دہلی میں ہیں۔ میں آج کل خریداران معارف کی توسیع کی کوشش میں ہوں کیا آپ اس میں حصہ نہ لیں گے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(۹۸)

مکرم السلام علیکم !

معلوم نہیں آپ کہاں ہیں آپ نے اپنے ایک اطلاع نامہ میں مولوی شبلی صاحب کا دہریہ قصیدہ نقل کر کے جیسا ہے جو اکتوبر ۱۹۱۱ء میں مولانا نے سرسید کی مدح میں لکھا تھا آپ براہ مہربانی اکتوبر ۱۹۱۱ء کے انشٹیوٹ میں دیکھ کر مطلع فرمائیے کہ اکتوبر ۱۹۱۱ء کی تاریخ صحیح ہے۔ ہو سکے تو تاریخ مہینہ کی بھی لکھیے اور انشٹیوٹ کی جلد اور

نمبر تاریخ اشاعت ۲۰:

پھر اس سے مطلع فرمائیے کہ مولانا جنوری ۱۹۸۲ء یا ۱۹۸۳ء میں علی گڑھ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔

جواب جلد عنایت فرمائیے۔ جمہورال میں کیا ہوا۔ والسلام
۱۶ اکتوبر ۱۹۳۹ء
سید سلیمان

(۹۹)

دارالعلوم ندوہ۔ مکھنؤ

عبد کرم السلام علیکم!

آپ کے لٹافے سے جو خط برآمد ہوا اس کو پڑھ کر مجھے بے حد ہنسی آئی۔ وہ ایک دل بٹے کے خط کا جواب تھا۔ جو پوریتہ میں ندوہ کے لیے کوئی جائیداد وقف کرنا چاہتا ہے۔ دیکھیے وہ دل جلا آپ کا خط پا کر کیسا چراغ پا ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کے خط میں یہ تھا:

(۱) اس مرنی قصیدہ کی تہنید لکھ دیجیے جو اکتوبر ۱۹۸۲ء کے گزٹ میں ہے۔

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ سر سید اور مولانا میں اخیر زمانہ میں اختلافات پیدا ہو گئے

تھے۔ اس کے وجوہ کیا ہیں اور اسباب کیا تھے؟

(۳) میں مولانا مرحوم کے خطبات اور تقریریں چھپواتا چاہتا ہوں۔ اس لیے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کی کن کن رودادوں میں ان کی چھوٹی بڑی تقریریں طبع ہوں گی۔ ان کا حوالہ دے سکتے ہوں رودادوں کے نسخوں کی ہم رسائی یا ان تقریروں کی نقل اس کی اجرت دی جائے گی۔

(۴) کانفرنس کے اجلاس اول میں مولانا نے کن تجویزوں کی تائید یا تحریک فرمائی تھی

ان پر جو تقریر بھی کی ہو بقید تاریخ و اجلاس بھیج دیجیے۔

(۵) ترقی نشن پر مبارک باد قبول فرمائیے۔

آج کل ندوہ کا کام اپنے زور لیا ہے اس میں مدد فرمائیے۔ الندوہ کا بھی قصہ

ہے۔ ان آپ نے دوسرے خط میں دارالمصنفین کی تاریخ کی جو تحریک اس موقع پر کہی

۱۔ یہ معلومات حیات و شغل کے لیے مطلوب تھیں جس کی تائید کا کام اس زمانے میں شروع

ہوا تھا

وہ بر عمل ہے۔ انشاء اللہ عمل کی کوشش کی جائے گی۔ والسلام
۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء

(۱۰۰)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ
محکم اسلام علیکم!

ازہر والامضون پہنچا۔ یہ ہمارے ہاں نہ تھا۔ آپ ان تقریروں کو صحیح دیجیے۔ میں
ان کو درست کر لوں گا۔ صرف دولت والی تقریر ہو تو وہ بھی صحیح دیجیے "جمہوریت"
والامضون بھی صحیح دیجیے لیہ

ایک مہینے کے بعد حیدر آباد پونا اور بمبئی کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ حیدر آباد میں
مدہ کی ماہوار کے اضافہ کے لیے عرضہ پیش کیا ہے۔ اللہ مالک ہے۔
ریویو جو بھیجا ہے وہ شائع ہو گا۔

الندوہ دوبارہ جاری کیا ہے خدا کرے جاری رہے۔ اگر نہ دیکھا ہو تو دفتر الندوہ بادشاہ
باغ لکھنؤ سے منگو ایسے قیمت وہی ہے وہی حجم۔ معنائیں خلافت۔ ہندی۔ قرآن کا انگریزی
ترجمہ۔ اوقات اسلامی۔ اسٹراٹک نندوہ موجود ہیں جمہوریت والامضون بھیجیے۔
صحیحیہ۔ والسلام

سید سلیمان

۲۷ فروری ۱۹۴۷ء

(۱۰۱)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ
محکم اسلام علیکم!

سوانح شبلی اب قریب ختم ہے لیہ آپ نے مولانا کا مضون جمہوریت جس کو آپ
فرماتے تھے مجھے نہیں بھیجا۔ براہ کرم جلد صحیح دیجیے۔ اور جس اخبار سے لے کر بھیجیے اس کا
نام اور تاریخ اشاعت بھی لکھ دیجیے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔

لیہ یہ مضون و تقاریر شبلی ہیں جن کی معیات شبلی کی تالیف کے سلسلے میں سید صاحب کو
مذہب تھی۔
لیہ سوانح شبلی سے مراد حیات شبلی کا سوانحی حصہ ہے۔ حیات شبلی کی تالیف کا کام مکمل ہو گیا
جاری رہا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی

مولوی عبدالسلام بخیر ہیں۔

حیاتِ شبلی میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء

(۱۱۷)

دارالمتنفین اعظم گڑھ

مکرم السلام علیکم!

آپ کا منایت نامہ مجھے ملا تھا۔ جس طرح مجھے آپ کی نہیں آپ کو بھی میری خبر نہیں۔
 کئی مہینوں سے میں بتلائے معاشب گوناگوں ہوں۔ ساڑھے چار مہینوں کے بعد ۱۸ ستمبر کو
 اعظم گڑھ آیا ہوں ایک ماہ ریل و ڈاک کے ہنگاموں میں اس طرح رکار ہا کر نہ مسافر خانہ مقیم
 گھر جانے کی وجہ ایک لڑکی کے نکاح کی تقریب تھی مہینوں کے جھیلوں کے بعد بالآخر انجام
 پائی۔ صاحبزادہ نے ۱۵ سال کی۔ اسے پاس کیا ان کی نوکری کی فکر ہے۔ داماد نے ایم۔ اے
 ال ال بی کیا اس کی فکر الگ دامن گیر ہے۔ چوٹی لڑکی کی شادی برادری سے الگ ال آباد
 میں کی ہے۔ نام سید حسین صاحب ہے۔ وہ بیامیں ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ پچھلے نومبر میں شادی
 ہوئی۔ اس ہنگامہ بدتمیزی کے زمانے میں ان کی تعیناتی بیامیں میں تھی بوائیوں نے ۱۹ اگست
 کو ان کے منگل پر حمل کیا انھوں نے دو گھنٹہ قبل بتلا چھوڑ دیا تھا اور صبح بیوی کے ایک غریب
 مسلمان کے گھر میں پناہ لی۔ لڑکی حاملہ تھی وہیں اس مکان میں اس کو وضع حمل ہوا۔ مجبورانہ
 بے احتیاطی کے باعث بڑی مشکل سے اس کی جان بچی۔ فزائیدہ بچی صنائع ہو گئی سارا
 سامان اسباب بوائیوں نے لوٹ لیا۔ جس میں زیادہ تر اس کا سامان جہیز تھا۔ ایک کپڑا
 اور ایک برتن تک نہ چھوڑا ہزاروں کمال لے گئے۔ میری حالت صحت چند ماہ کے اندر
 بہت گھٹ گئی ہے اس وقت بھی آشوب چشم میں مبتلا ہوں۔ اب ایک آنکھ اچھی ہے
 اس سے کام لے رہا ہوں۔ بڑی لڑکی کی نسبت میرے ایک چچا زاد بھائی کے لڑکے سے
 تھی جو بہینہ مقرر تھا اس میں ان کا انتقال ہو گیا۔ لڑکے ابو سہیل کی نسبت دوسرے چچا زاد
 بھائی کی لڑکی سے تھی۔ وہ یسور میں انسپکٹر مدارس تھے۔ دفعتہً ناروغ تقریب سے چند
 روز پہلے وہ چل بے اور تقریب رگ گئی۔ یہ سب امور پورے سال بھر سو اُن روح بنے رہے۔
 خدا کرے کہ اب بھی میرے سلسلہ معاشب کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ مزید ابتلا میں نہ ڈالے۔

اس کے احسانات کی حد نہیں اور ممکن ہے کہ یہ مصائب بھی اس کی حکمت کے رو سے میرے لیے رحمت ہی کا باعث ہوں ہم اپنے جہل اور غیب کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مصیبت خیال کرتے ہیں۔

بہر حال یہ تو ذاتی حالات تھے جن کا متعذر ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں فارغ کوئی نہیں۔

مجھے آپ کی ملاقات کی خبر مطلق نہیں ہوئی۔ آپ کو مجھ سے یہ بدگمانی ہے کہ علی گڑھ کی فضا سے متاثر ہو کر آپ سے الگ ہو گیا ہوں۔ اختلاف رائے دوسری چیز ہے مگر میں نے بار بار آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس اختلاف رائے کا ہماری ذاتی دوستی و محبت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔ ایک مسلمان کے پاس قسم کے سوائیقین دلانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تو میں بہ قسم کہتا ہوں کہ میں آپ سے اپنی دوستی و محبت کے اسی جذبے پر قائم ہوں جس پر علی گڑھ سے پہلے تھا۔ آپ کے وہ احسانات مجھے یاد ہیں جو آپ نے دارالمفتین پر فرمائے ہیں اور میری شرافت کے لیے یہی کافی ہے کہ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ اس باب میں برا سے خدا کبھی شک نہ فرمائیں کہ مجھے اس سے بے حد تکلیف ہوئی ہے آپ کو کیوں یقین نہیں آتا کہ ساہا سال سے مجھے علی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اور سوائے مددہ اور دارالمفتین کے میں کوئی دوسرا کام نہیں کرتا۔ علی گڑھ کا تعلق بھی کورٹ کے ہنگامہ تک رہا پھر مجھے کوئی خبر نہیں کر کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے بعض بعض جلسوں میں ملاقات ہوتی رہی۔ باتیں بھی ہوئیں۔ پارٹی پائیکس سے نہ مجھے پہلے کبھی دلچسپی رہی اور نہ اب ہے۔

آپ کو شکایت ہے کہ آپ کی کتاب پر ریویو نہ ہوا۔ آپ کی کتاب لاکراڈیٹر صاحب کو دے دی تھی پھر نہ آپ نے یاد دلایا اور نہ مجھے یاد آیا کہ میں پوچھتا۔ میں بھی آدمی ہوں، بھولتا بھی ہوں اور بھول بھی سکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا تو ہوتا۔

آپ نے مولانا شبلی کے خطوط مانگے تھے وہ خطوط اور کاغذات میں گم تھے اور تلاش کی آکسی سے پڑے رہے بار سے ایک ضرورت سے کاغذات کو انٹ پلٹ رہا تھا تو وہ مل گئے اب پھر ڈھونڈتا ہوں۔ خدا کرے جلد مل جائیں۔ رمضان کے روزوں کے انور میں ایک گھنٹہ تک تمام کاغذات اٹھ گروہ اس وقت نہیں ملے۔ مولوی عبدالسلام صاحب آپ کے دوست گواہ ہیں۔ میں اب بھی کوشش کروں گا انشاء اللہ۔ جب وہ مل جائیں واپس ہوں گے۔

امید ہے کہ آپ میری طرف سے اپنا دل صاف رکھیں گے اور ویسا ہی سمجھتے ہیں
 گے جیسا پہلے سمجھا کرتے تھے۔ معذرت مہربان و نشان است کہ بود۔
 ”جہاں شبلی کے دیباچے میں بھی آپ کی امداد کا ذکر آئے گا۔ والسلام۔
 سید سلیمان۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء

(۱۰۳)

محب کرم زاد ملکم!
 اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ نے سرور کیا شکور کیا۔ میرے لڑکے کا نام ابو اسیل ہے گروہ اپنے کو انجیل
 یا اے سہیل کہتے ہیں انہوں نے اس سال مسلم یونیورسٹی سے تھرڈ کلاس میں بی اے کیا ہے۔ میں
 واقعی ان کے لیے بہت پریشان ہوں کہ کی کیا جائے، سنٹرل ہوم ڈسپارٹمنٹ میں سرکاری کوشش
 کا خیال تھا۔ مگر ذرائع مفقود آریبل سید عبدالعزیز صاحب سے قدیم ملاقات ہے ان سے
 دوسروں کے لیے سفارش کرتا ہوں گما اپنے لیے شرماتا ہوں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب
 اگر چاہیں تو وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، بغرضیکہ چاہیں۔ آپ کی کوشش دائرے سے بہت کچھ
 امید پڑتی ہے۔ ان کا سبکیٹ ایف اے تک تو تاریخ اور عربی تھی مگر بی اے میں اردو،
 تاریخ اسلام اور انگریزی تھی۔ لٹریچر سے ذوق رکھتے ہیں۔ محنت اور استعداد بہت ہیں، ہر کام
 کو پوری جانفشانی سے کرتے ہیں ریوے میں اچھی طرح چل سکتے ہیں وہ خود کمپنیشن میں بیٹھنا
 چاہتے ہیں آپ کا خط میں نے ان کو دے دیا اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ
 کی ہمدردی سے متاثر۔ وہ ایک ہفتہ کے لیے پٹنہ گئے ہیں واپس آجائیں تو میں ان کو آپ
 کے پاس مل کر ٹھہر بیج دوں گا۔ آپ جو مناسب مشورہ دیں گے، وہ کریں گے۔

میرے داماد اردو میں ایم اے اور ایل ایل بی ہیں دونوں مسلم یونیورسٹی سے سینڈ
 کلاس میں کیے ہیں۔ ان کا ارادہ منصف کا ہے۔ پٹنہ میں حبش فضل علی اب پیسٹ ہیں فیض
 ہیں ان سے کام لینا پڑے گا۔ سوال یہاں بھی۔ پٹنہ کا ہے۔

بہر حال آپ کی کوششوں سے جو مدد حاصل ہوگی وہ شاید مجھ سے زیادہ کامیاب ہے۔
 عزیزی یا مین کی کامیابی کا حال پڑھا اور سنا بخند بہا کرے آئیں۔ اس میں عزیز موصوف
 کی ہوش مندی اور صحیح راہ عمل کو جس دخل ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اور صاحبزادوں کو بھی

کامیاب کرے کہ اس عربی آپ کو المیتان نصیب ہو۔

تحتیات شبلہ کے ۲۰۰ صفحے چھپ چکے ہیں ۱۶۰۰ بھی باقی ہیں۔ میں اب مکھنوجارہ ہوں ۲۵ اکتوبر سے دو ہفتوں تک تھانہ بھون رہوں گا۔ مکھنوجا پتا دارالعلوم ندوہ مکھنوجا اور تھانہ بھون کا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ ضلع مظفرنگر۔ غزنی ہیل کوبراہ راست شبلہ منزل اعظم گڑھ کے پتے سے لکھ سکتے ہیں۔ والسلام

سید سلیمان

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۲ء

(۱۰۲)

اعظم گڑھ

محبت منشی محمد امین صاحب زبیری سول لائسنس علی گڑھ۔
مکرم زاد لطفکم! السلام علیکم۔

عنایت نامہ مجھے تھانہ بھون میں ملا تھا۔ غزنی ہیل کو ایک بھوڑا نکل آیا تھا وہ پٹنہ دانا پورا اسپتال میں پڑے تھے ابھی واپس آئے ہیں اور میں بھی پرسوں ہی واپس آیا ہوں۔ غزیم سلمہ آپ کے پاس علی گڑھ چار سے ہیں۔ اب آپ ہیں اور وہ ہیں ان کو جو مشورہ ان کے لائق دیکھیے، وہ انشاء اللہ عمل کریں گے۔ خدا کرے کہ آپ کی کوششیں کامیاب ہوں امید ہے کہ آپ ان کو ملیع و فرمان بردار پائیں گے۔ دسمبر تک یہ قسمت آزائی کریں گے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

سید سلیمان

۱۷ دسمبر ۱۹۴۲ء

(۱۰۳)

جناب محبت منشی محمد امین صاحب زبیری زاد لطفہ۔ السلام علیکم۔

آپ کے سرا بھی دو عزیز تو چپکے ہی ہوئے ہیں اب ایک تیسرا بھی چپکا ناچا ہوتا ہوں علی گڑھ گزٹ ۵ ارب سبر ۱۹۴۲ء میں مفوضہ اشتہار چھپا ہے۔ میرے ایک نوجوان عزیز جو میرے پاس اسی قسم کا کام کرتے ہیں، لیکن یہاں مشاہرہ کم پاتے ہیں۔ اس اشتہار کے مطابق اپنے کو پیش کرتے ہیں۔ درخواست تو انہوں نے حفیظ الرحمن صاحب حفیظ منزل میرس روڈ علی گڑھ کے نام بھیج دی ہے میں ان صاحب سے واقف نہیں اگر آپ کو واقفیت ہو اور ضرور واقفیت ہوگی تو آپ براہ مہربانی کوشش فرما کر تقرر کرادیں۔ بہت ممنون

ہوں گا۔ افسوس کہ قلم تطویل کا عادی نہیں ورنہ زیادہ کھتا عزیز سیل ابھی تک ناکام ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب نے حسب توقع دلچسپی نہیں لی۔ بہر حال ممنون ہوں کہ اس گرانی میں آپ ان دو ناخواندہ مہمانوں کی میزبانی فرما رہے ہیں۔

کیا ان لوگوں کی کامیابی کی کوئی توقع ہے؟ آپ کی رائے سننی چاہتا ہوں۔ افسوس کہ میں اچھا نہیں ورنہ علی گڑھ خود آتا۔ مگر میں بھی علالت ہے۔ والسلام

سید سلیمان
۲۲ دسمبر ۱۹۳۲ء

(۱۰۶)

جوہنور۔ بذریعہ ڈپٹی سید حسین صاحب
محبت کرم۔ السلام علیکم

میں اس وقت صنعتِ معدہ و صنعتِ اعصاب میں مبتلا ہوں۔ یہاں بنفرض علاج مقیم ہوں۔ مشاغلِ دماغی سے کیفیتِ احتراز ہے۔
سیرتِ شبلی ختم ہو گئی ہے اس کا مقدمہ و دیباچہ معارفِ نو ممبر میں مدد فرست چھپ رہا ہے۔

آپ اپنے عنفولاتِ دماغی و تحریری سبب پر قلم کر دیجیے۔ بہر حال وہ مفید ہوں گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لیے بہ طور سالہ کے کارآمد ہوں گے۔

سلم یونیورسٹی کے مباحث سے مجھے دور ہی رکھیے اعتراضات کی بجائے ڈیپارٹمنٹ کو اپنے مشورے دیں تو زیادہ بہتر اور پھر کوئی صیغہ اپنے مقام پر ہے؟ ذرا عربی و فارسی اور دوسرے صیغوں پر بھی فکر دوڑائیے۔

جہاں میاں سہیل سے فرصت ملی میاں سہیل ٹھکانک میں انسپکٹر ہو کر مظفر پور جہاں میں ہیں۔

میاں ماسم نے ٹھنڈ میں وکالت شروع کی۔ والسلام

سید سلیمان
۲۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (جید آباد) سندھ

ان مکاتیب پر حواشی مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ کے قلم سے ہیں۔

(۱۰۷)

مکرم! السلام علیکم
آپ کا خط ملا تھا، مگر مجھے چند سفر و ریش تھے اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ کا ارادہ اچھا ہے، ہمید ہے کہ آپ کی کوششوں سے ایک نئے شاعر سے ہم روشناس ہوں گے۔ ہمارے ہاں فارسی کا ذخیرہ بہت ہی کم ہے اس لیے کچھ زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔
۱۔ حدیقہ سلیم سنائی کے آخری تاریخی شعر میں پان صد و بہت و پنج عموماً پایا جاتا ہے۔ اور بعض میں پان صد و چھل و پنج ہے اب عام روایت کی بناء پر ۵۲۵ سنائی کی تاریخ وفات ہے۔ اور بعضوں کے نزدیک جس کی میں نے بھی تائید کی ہے، ۵۲۵ سنائی کی تاریخ وفات قرار دی ہے۔ میرا مضمون سنائی کی تاریخ وفات پر معارف میں چھپا ہے۔ اس لیے پانصد و شصت و پنج کو کسی طرح نہیں ہو سکتا دولت شاہ نے ۵۲۶ سنائی کی تاریخ وفات بالکل غلط لکھی ہے۔

۲۔ آپ کے سامنے حدیقہ کا مطبوعہ بھی نسخہ ہے جو فول کشوری سے بھی زیادہ غلط ہے۔ یہی عبارت فول کشوری اس طرح ہے مکتبہ الیہ بغداد و دار سل الیہ امیر الابل برہان الدین جمال الاسلام ابوالحسن علی بن ناصر الغزنوی الملقب بہ گمراہاں رحمۃ اللہ علیہ بسبب ظن الطامع فی ہذا الکتاب اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ ابوالحسن علی امراء میں سے تھے، علماء و شعرا میں سے نہ تھے۔ گو حدیقہ کے اشعار سے اُن کا ۷۰ سالہ دین ہو نا ظاہر ہے، ”بریان گمراہ“ سے ملقب ہو نا بھی شرط ہے۔ دولت شاہ نے سید حسن غزنوی کو سنائی کے معاصرین میں شمار کیا ہے (صفحہ ۱۷۸) اور سید حسن غزنوی نے دولت شاہ کے مطابق ۵۲۵ میں وفات پائی ہے (صفحہ ۱۷۸)

بغداد میں بہ زمانہ خلیفہ راشد باللہ (المقتول ۵۳۲ھ) سلطان مسعود بن محمد بن ملک نے سید حسن غزنوی سے ملاقات کی (دولت شاہ ۱۷۸) سلطان مسعود بغداد میں ۵۳۵ھ

میں تھا اس بنا پر سنائی کے سید حسن غزنوی کے پاس خط بھیجے گا وقت زیادہ سے زیادہ
 ۵۲۰ھ یا ۵۲۱ھ تک ہو سکتا ہے۔ پھر آپ نے ۵۶۵ھ میں حسن غزنوی کا بغداد میں
 ہونا کس طرح قرین صواب قرار دیا ہے؟

ملبقات نامری (ص ۲۱) میں ہے کہ سید حسن غزنوی نے سلطان بہرام کی تخت نشینی
 پر قصبہ پڑھا

منادی برآمدز هفت آسمان

کہ میرام شاه است شاه جهان

اس تخت کی نشینی ۵۶۵ھ میں ہوئی ہے۔ پھر وہ اس وقت بھی تھا جب بہرام
 نے سلطان سوری کو شکست دی ہے اور قتل کیا ہے۔ (باب الاواب ۲ ص ۲۷۵)

خزیتہ الاصفیاء (ص ۲۳۷) جلد اول میں جس خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کا ذکر ہے وہ
 سید حسن غزنوی کے والد نہیں ہو سکتے۔ خواجہ ابو یوسف چشتی مشہور صوفی ہیں اور ان کے
 دو لڑکے ہیں مودود چشتی اور ابو الفتح چشتی، دیکھیے خزیتہ الاصفیاء صفحہ مذکور سطر آخر۔

۲۔ شیخ آذری کی جواہر الاسرار ہمارے ہاں نہیں۔

۴۔ ریاض الشراک وہی مطلب ہے جو آپ سمجھے ہیں معنی صائب نے انتخاب
 میں اس کو لیا ہے۔

۵۔ محفوظ النساء نام عورتوں کا ہندوستان میں جائز ہے، کیا محفوظ تہن کر سکتے۔

والسلام

سید سلیمان

۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء

(۱۰۸)

مکرم! السلام علیکم

عنایت نامہ لا پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے پوری کوشش کی ہے۔ امید ہے
 آپ ہمت نہ ادریں گے۔ ایک بات عرض کر دوں اکثر مختصر مواد کے لیے لوگ قیاسات

علا راقم الحوت نے سید حسن غزنوی پر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا یہ سنائی غزنوی کے مسامرت تھے۔ ان کے
 ایک قریب بن کا یہ شعر ہمارے ملک میں بہت مشہور ہے۔

سنتوا اقوم بل ملتوا علی الصمد الامین

سما جہاد الارحمتہ للعالمین

کو دلائل کی جگہ دے دیتے ہیں۔ آپ اس سے احتراز فرمائیے۔ جب تک کوئی بات محقق نہ ہو جائے قبول نہ کیجیے۔ اس زمانے میں آداب والقباب بے معنی کا بڑا کھیل تھا۔ تاج الدین اور عزالدین اور خدا جانے کیا کیا لوگ کہتے تھے، یہ نام نہیں ہیں۔ ان سے دھوکا نہ کھائیے۔

دولت شاہ میں تاریخیں اور واقعات بھی معتبر نہیں۔ ایک دلچسپ تذکرہ ہے اور بس۔ تاریخی حیثیت اس کو بہت کم حاصل ہے۔

میرا مضمون سنائی کی وفات پر معارف تاریخ ۱۹۳۲ء میں نکلا تھا، آپ کا خط واپس جاتا ہے۔ والسلام

۲۱ جنوری ۱۹۳۹ء

سید سلیمان

(۱۹)

مکرم! السلام علیکم

عنایت نامہ ملا۔ ذوق جیسے بالکمال شاعر کے متعلق یہ سوئے ظن ہو گا کہ وہ سیہ مہکے بجائے سیہ لکھیں، صیح شعر اس طرح ہو گا:

لے ناگ پور یونیورسٹی کے بعض کالجوں میں برادران وطن نے اپنے لوگوں کو ان کی نااہلی کے باوجود اردو اور فارسی کا استاد مقرر کر دیا تھا۔ ایک کالج میں ایک استاد صرف میٹرک پاس تھے انہوں نے انٹر میڈیٹ کے سالانہ امتحان (جست ۱۹۳۹ء) میں ذوق کے قصبہ سے کچھ شعراء شریح کے لیے دیتے تھے۔ ایک شعر اس طرح لکھ دیا تھا۔ ترا سیہ میں سنجہ یوں ہی داخل حسناں۔
 کہ جیسے محبت اصحاب کہف میں ظہیر، میں نے یونیورسٹی کو کھا کر سیہ کوئی لفظ نہیں، سیہ چاہیے اور ہلا معر اس طرح ہو گا: ترا تو سیہ میں یوں ہی داخل حسناں، وہ استاد نہیں انے تو پھر میں نے حضرت سید صاحب اور چند دوسرے بزرگوں کے جواباً استدعیٰ کیے۔ ایک اور استاد تھے جو کہا کرتے تھے کہ غالب قرابی (تراویح) بہت پڑھا کرتے تھے اور خوبی میں یہ شعر پیش کرتے تھے۔

یہ سائل تصوف یہ ترا بیان غالب

تجہ ہم دلی بکھتہ جو نہ بادہ خوار ہوتا

ایک اور استاد تھے جو مضامین رشید کے "نقد دینا" (معاوضہ) کے عجیب معنی بتاتے تھے۔

ترا تو سیہ بھی یوں ہی داخلِ حنات
کہ جیسے صمبیت اصحاب کہن پہ قلمبر
والسلام

سید سلیمان

۲۵ جولائی ۱۹۳۹ء

(۱۱۰)

مکرم الاسلام حکیم

عنایت نامہ کا شکریہ۔ ریوان کے کتب خانہ کی اطلاع کا شکریہ کیا اچھا ہوتا کہ یہ کتب خانہ
دارالمعتنفین کو مل سکتا۔ کیا آپ اس کی تحریک نہ فرمائیں گے؟ یہاں کے رفقاء کتابوں
سے بہت کچھ فوائد اٹھا سکیں گے۔

مولانا شبلی مرحوم کا تبرک نامہ پہنچا۔ محفوظ رہے گا۔

مولانا رحمان علی صاحب کا تذکرہ علماء بڑا مفید ثابت ہوا ہے۔

ادیب صابر اور فرید کاتب و غفرالدین خالد ہروسی میں سے کسی کا فارسی دہلوان
یہاں نہیں۔

سوانح شبلی جلد اول ختم ہو رہی ہے

والسلام

سید سلیمان

۴ ستمبر ۱۹۳۹ء

علا ریاست ریوان میں مولانا رحمان علی صاحب مرحوم صاحبہ تذکرہ علماء ہند و غیرہ کی وفات
کے بعد ان کا کتب خانہ ان کے صاحبزادے مولوی عیاض علی صاحب کی تحویل میں تھا۔
راقم الحروف کو وہ کتب خانہ دیکھنے کا موقع ملا، برسی خستہ حالت میں تھا۔ اسی کے متعلق میں
نے حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کو لکھا تھا اور اپنے میزبانی گرامی اور محترم دوست پر و فیض
اختر حسین نظامی صاحب کے ذریعے کوشش بھی کی تھی کہ وہ کتب خانہ دارالمعتنفین کو دے
دیا جائے مگر زیادہ روک سستیفی ہو چکیں اور کتابیں محفوظ ہو جائیں۔ وہیں مولانا شبلی کا ایک مکتوب
مولانا رحمان علی مرحوم کے نام ملا تھا جس کی نقل حضرت سید صاحب کو بھیجی تھی۔ اُسی کو آپ
سنتے تبرک نامہ فرمایا ہے مولانا عیاض علی صاحب اور پر و فیض اختر حسین نظامی صاحب
کا ذکر اس کے بعد والے مکتوب میں آئے گا۔

مکرم! السلام علیکم

عنایت نامہ کے جواب میں تاخیر ہوئی، میں نے حسب ایما سامی مولوی عیاض علی صاحب کی خدمت میں نیاز نامہ آج لکھا ہے۔ دیکھیے کیا نتیجہ ہو۔ آپ اور مولوی اختر حسین صاحب اگر کوشش میں لگے رہیں گے تو کامیابی کی امید ہے۔ حیات شبلی ابھی تک مسودے کی صورت میں ہے مگر الحمد للہ کہ قریب ختم ہے پچالیس برس کے قومی و علمی و تعلیمی و سیاسی احوال و سوانح کا یہ مجموعہ ہے۔

نقد و تبصرہ دوسرے حصے میں ہو گا یہ صرف سوانح و خدمات پر مشتمل ہے۔ آئندہ سال یہ حصہ مطبع میں چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

ایک کتاب کا اشتہار بھیج رہا ہوں۔ اگر اس کے دس پانچ نسخے آپ کی تحریک سے فروخت ہو جائیں تو میں ممنون ہوں گا اور آپ ماجور۔ والسلام

سید سلیمان

۲۸ رمضان ۱۳۵۹ھ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۰ء

مکرم! السلام علیکم

عنایت نامہ کا شکریہ۔ اور نقوش سلیمانی کی پذیرائی پر ہر یہ تشکر، پتی اپنی ڈی کے

علا حضرت سید صاحب کو ان کی وفات کے بعد راقم المعروف نے خواب میں دیکھا۔ مزار ہے تھے کہ حیات شبلی کا دو سراحت تم کھ دو۔ راقم المعروف نے پھر اپنے عزیز گرامی پروفیسر سید کاظم اٹشی صاحب (حال صدر شعبہ اردو و سندھ یونیورسٹی) کو اس کام کے لیے آمادہ کیا اور انھوں نے سخت محنت کر کے ”مولانا شبلی کا ذہنی انتظام بہت فاضلانہ مقالہ لکھا۔ انھوں نے کہ وہ بھی ایک شائع نہیں ہوا۔

۲ اس کتاب سے مراد حضرت سید صاحب کی کتاب ”رحمت عالم“ ہے جو ۲۰ رجب ۱۳۵۹ھ کو مکمل ہوئی تھی۔
۳ حضرت سید صاحب کی فاضلانہ کتاب پر ایک خیر سا تبصرہ لکھا تھا۔ اسی کا ذکر ہے پھر یہ صاحب نے اس کتاب پر ایک نظر ڈالنے کے لیے اس عاجز کو تحریر فرمایا اور ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نقوش سلیمانی کے دوسرے ایڈیشن میں اس عاجز کا ۴۰۵ مقامات پر حوالہ دیا ہے۔

یہ منونات تو بہت سے ہیں، مگر ضروری ہے کہ آپ کی مناسبت طبع اور ذوق کے مطابق ہو۔ حسب ذیل چند عنوانات ذہن میں آتے ہیں۔

۱۔ ہندوستان میں فارسی شاعری۔ مسعود سعد سلمان سے شبلی تک۔

۲۔ ہندوستان میں ہند کی علوم اور مسلمان۔

۳۔ ہندو شعراے فارسی۔

۴۔ ہندوستانی تمدن میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر اور مسلمانوں نے ہندوؤں پر کیا اثرات ڈالے۔ آپ کا مضمون ادارت معارف کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۵ اگست ۱۹۴۱ء

مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی

(۱۲۳)

دارالمعتنفین، اعظم گلہ

کرمی السلام میکم

اعظم گلہ کی معافی ج سے کم نہیں ہے جس کو لوگ اخیر وقت تک مالتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس فرض کو اس وقت ادا کرتے ہیں جب اس کے ادا کرنے کی جسمانی طاقت لفظ صفر تک پہنچ جاتی ہے۔ دیکھیے ہندوستان کا شانتی یکیتن جو ایک کوردہ میں اسٹیشن سے چار میل دور واقع ہے، مشرق و مغرب کے قاتلوں کا سرور دین گیا ہے اور ہم لوگ ابھی چھوٹی لاش اور بڑی لاش کے پھیر میں ہیں۔

روشن مستقبل پر ریویو ہو گا۔ آخر اور آغاز سال مطبوعات کی بجائے اخبار و رسائل

۱۔ یہ مضمون "تاریخ ملک ارسلان غزنوی" تھا جو معارف (نومبر ۱۹۴۱ء) میں شائع ہوا۔

۲۔ مولوی نظامی بدایونی نے دارالمعتنفین، اعظم گلہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہو گا۔

۳۔ نظامی بدایونی کے حبیب لبیب مولوی فضل احمد مغلوری کی شہود کتاب۔
وجہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳

کے نمبر لے لیتے ہیں۔ اس لیے تاخیر ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ایک دو جگہ میرا نام آیا ہے۔ وہاں سنوں کی غلطیاں ہیں اور بھی کچھ غلطیاں نظر آئی تھیں۔ اپریل میں ریویو نکلے گا۔ آپ اپنے یہاں کی تازہ مطبوعات بھیجے رہیں تو یہاں سے بھی کچھ تبادلہ کا سلسلہ جاری رہے۔ والسلام

سید سلیمان

۱۹۳۹ء

(۱۳۴)

مکرمی السلام علیکم

عنایت نامہ کا شکریہ۔

جس تیلر کمپنی کا ممبر آپ نے مجھے بنایا ہے مجھے اس کی ممبری منظور ہے۔ انشاء اللہ کچھ خدمت ہو سکے گی۔ والسلام

سید سلیمان

۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء

(۱۱۵)

۶۳۲۴ - ۱۶ راجد ۱۹۴۰ء

مکرمی!

کارڈ پہنچا۔ غلط نام بھیج دیا گیا ہے۔ امید ہے اب موصول ہو گیا ہو گا۔

براہ کرم اس کی کتابت میں بہ درجہ غایت احتیاط سے کام لیں۔

اس خط کے ساتھ مطبوعات کا اشتہار ارسال ہے۔ اسے سرورق کے دوسرے اور اندرونی صفحے اور آخری ورق کے دونوں جانب شامل کریں۔ اس امر کا لحاظ رکھیں کہ اشتہار صفحات مذکورہ بالا کے اندر آجائے۔ خط خواہ کتاب ہی باریک ہو، کچھ مضائقہ نہیں۔ اشتہار غلطیوں سے بالکل پاک ہونا چاہیے۔ والسلام

سید سلیمان

کے سلسلے میں "کتابی دنیا" کے نام پر سالہ جاری کیا تھا۔ اس کا یہ مقصد بھی تھا کہ اردو مطبوعات کا علمی حلقوں میں تعارف اور ان کا حلقہ اشاعت وسیع کیا جائے اور نظامی یک-بخشی سے ہندوستان کے تمام علمی و اشاعتی اداروں کی مطبوعات کی فراہمی کی سہولت پیدا کی جائے۔ اس سلسلے میں دارالمفنین کو جو خط لکھا گیا تھا اس کا یہ جواب ہے۔

مکرم السلام علیکم
آپ کی بار بار کی یاد فرمائی کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کی بڑی عزت میرے دل میں ہے کہ اس انہماک سے آپ لوگ بے غرض قومی خدمت میں، اندر اس عمر میں انجام دے رہے ہیں۔ آئندہ نہ صرف یہ کہ ان کاموں کا کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا بلکہ اس کا احساس رکھنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔

مجھے اس پر بھی مفاہمت ہے کہ آپ نے بیسے کی شرکت بلکہ صدارت کی عزت بھی پیش فرمائی، مگر مجھے توفیق سفر نہ ملی۔ اصل وجہ تو یہ ہے کہ آج کل مجھے اختلاج کا دورہ ہے۔ قلب کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ جب یہ صحت ہوتی ہے تو معمولی کام بھی مجھے پہاڑ معلوم ہوتے ہیں اور سفر تو بڑی بات ہے۔ دوسری چیز اس میں یہ شامل ہو گئی تھی کہ انھیں تاریخوں میں ہمارے ادرا آپ کے دوست ڈاکٹر سید محمود صاحب ہمارے ہاں آرہے تھے۔ چنانچہ وہ آج کل یہاں تشریف فرما ہیں۔ ان کو چھوڑ کر جانا ممکن نہ تھا۔

بہر حال آپ سے اور جناب مولوی سید طفیل احمد صاحب سے غفور طلب ہوں اور دعاؤں کا خواست گار ہوں۔ والسلام
سید سہیل۔ ۲۵ فروری ۱۹۵۴ء

علامہ محمد حسین محوی لکھنوی:

دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ
محبت مکرم۔ اسلام علیکم۔

مدت کے بعد یاد فرمایا۔ مگر بہر حال یاد فرمایا۔ آپ کی غزل "معارف" کے نذر ہو گئی!

آپ کی کتابوں پر ریویو اور ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ جہاں تک یاد ہے اس سے لاکوئی غرض میرے سر نہیں۔ "فتوح السلاطین" کے بارے میں تو عدا اس ریویو کے مقابلے

میں شکست ہوئی۔ اس پر ایک ٹول رلیوریہ معارف میں نکل رہا ہے۔
مولانا بخاری الگ ہو رہے ہیں یا کیسے جا رہے ہیں مجھے بالکل علم نہیں ہے

درین درطہ کشتی فرو شد ہزار

والسلام

سید سلیمان

۲۳ جولائی ۱۹۳۹ء

مالک رام

(۱۱۸)

دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

جناب من تسلیم!

آپ کے سب خط ملتے رہے۔ پوسٹل آرڈر بھی ملا تھا۔ ہر با جواب دینے کو
جی چاہا مگر تواتر سفر اور اس جیلہ سے کہ آپ اتنی دور پہنچ گئے ہیں، جواب میں توقف
ہوتا رہا۔ میں بحمد اللہ مع الخیر ہوں، اور آپ کے لیے دائمی خیر!

آپ کا رسالہ بھی بہ حفاظت میرے پاس ہے۔ واپس اس بیٹے نہیں کرتا کہ مجھ اس
پر کچھ لکھنا پڑے گا اور اگر آپ میری تحریر کے بغیر واپس کرنے کو کہیں تو میں ہر وقت واپس
کر سکتا ہوں۔ بعض مقامات تصحیح طلب ہیں۔

اب آپ کی عربی گفتگو تو پوری رواں ہو چکی ہوگی۔ ابھی لاہور گیا تھا، آپ کے
اجاب سے ملاقات ہوئی۔ پرچہ گزشتہ مارچ سے آپ کے نام جاری کر دیا گیا ہے۔ پوسٹل
آرڈر میں غلطی تھی۔ اس لیے وہ آپ کے نام ۱۹ مارچ سنہ ۱۳۵۸ کو واپس کر دیا گیا ہے کہ دوبارہ
بھیج دیں۔ والسلام

سید سلیمان

۲۳ اپریل ۱۹۴۰ء

(۱۱۹)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ
مکرم تسلیم!

آپ کے خط ملتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ جواب بھی آپ کو ملتا ہے یا نہیں۔
ہندوستان خوش ہے اور انتظار کے دن دیکھ رہا ہے۔
آپ کی کتاب کا مسودہ اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ اس میں چند باتیں
تنقید کے قابل ہیں یہاں کسی کا نام بتائیے تو اس کو یہ امانت پر درکروں۔

سید عثمان

۹ فروری ۱۳۳۷ھ

(۱۲۰)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ

مکرم فرماے من ادب عرض ہے۔

ایک زمانے کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ گزشتہ زمانے میں تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا
تھا کہ جو جہاں ہے وہ وہاں ہے ہی یا نہیں۔ خیر یہ معلوم کر کے خوش ہوئی کہ آپ اپنی جگہ
بہ ہیں اور بخیریت ہیں۔

آپ نے میرے خط نہ لکھنے کی شکایت کی ہے۔ صبح ہے ایک تو بعد مکانی، پھر
میری صحت کی خرابی اور اس پرستی جو تقاضائے عمر و طبیعت ہے۔ یہ سب امور اب
جمع ہیں۔ اس لیے مجزاس کے کہ اجاب معاف فرمائیں اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے مضمون میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں۔ مضمون پر نشان بنا دیا گیا ہے۔
اور الگ کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانے کے کسی
محل اجتہاد اہل قرآن سے مشورے لیے ہیں۔ وہ ان کے ذاتی افکار ہیں۔ ان کا تعلق اسلام
کے قانون و شریعت سے نہیں۔

آپ کا یہ مضمون آپ کے دوست کے نام بھیجا جا رہا ہے۔

میں نے مراد یہ ہے کہ تحریک آزادی تحریک چل رہی ہے اور کویا لی کا انتظار ہے۔

نگار میں نہیں دیکھتا۔ آپ کا جو مضمون اس میں نکل رہا ہے، وہ بھی نہیں دیکھا۔
 اب تو پابندیاں کم ہو رہی ہیں۔ کچھ معرکے اجتماعی و تمدنی و اخلاقی و تعلیمی احوال و
 ترقیات سے باخبر کر سکتے ہیں۔ اُس کا مستقبل آپ کی نگاہ میں کیا ہے؟
 معارف کے لیے کنٹرول کو لکھا جائے گا۔ دیکھیے کیا جواب ملے۔ والسلام
 سید عیسان ندوی
 ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء

دارالمعتنین۔ اعظم گڑھ
 مکرم تحیت و تسلیم؛

آپ کا فالانامہ ملا۔ آپ نے معارف کے ساتھ جس محبت اور قدر دانی کا ثبوت
 دیا ہے۔ وہ مستحقِ شکر ہے۔ ڈاکخانے سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ معر پارسل
 نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے "جیات شبل" و "بیر افغانستان" بھیجنے سے معذوری ہے۔
 دفتر سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ برسوں کے حسب ذیل پرچے مل
 سکتے ہیں۔ باقی آؤٹ آف اسٹاک ہیں۔
 سلسلہ مکمل ۱۲ پرچے ہیں۔

سلسلہ ۸ پرچے۔ مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اکتوبر، نومبر، دسمبر

سلسلہ ۴ پرچے۔ مارچ، اپریل، نومبر، دسمبر

سلسلہ ۸ پرچے۔ اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔

سلسلہ ۵ پرچے۔ فروری، مارچ، جون، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔

نفتہ دار جہ کے متعلق مولانا شبلی صاحب اپنے سفر نامہ میں جو کچھ لکھ چکے ہیں۔ یا
 میری لغات جدیدہ میں جو کچھ ہے، اُس کو پڑھ کر لکھیں۔

کہیے آپ نے اتنے دنوں تک مسلمانوں کو تو دیکھا، اسلام کو بھی دیکھا۔ وہ اسلام نہیں
 جو بازاروں میں اور شہروں میں ہے۔ وہ اسلام جو کتبوں میں ہے۔ میرے خطبات معاصر
 کا عربی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ کیا کسی اچھے عربی پڑھنے میں آپ اس کے چھپوانے کا بندوبست
 کر سکتے ہیں۔ میں اپنے معر کے پڑانے احباب سے بالکل لاعلم ہوں، ورنہ ان سے کام لے

سکتا تھا۔ یہ خطبات سیرۃ نبوی پر ہیں۔ والسلام

سید سلیمان

۲۴ مارچ ۱۹۴۹ء

(۱۲۲)

مکرم تسلیم و تحیت!

والا نامہ ملا۔ بل مرسل ہے۔ خطبات مدراس ہنوز عربی میں مکمل نہیں ہوئی ہے۔
ختمات غالباً ۲۰ صفحوں کی ہوگی۔ تقطیع معارف کی۔

بھلا اللہ اچھا ہوں۔ گو کسی کام کے قابل نہیں۔

”خطوط شبلی“ معمولی خطوط ہیں۔ حسن و عشق کی داستان کارنگ اس کو مولوی عبدالحق
اور امین زہیری نے دیا ہے۔ نہ مجھے اس سے واقفیت اور نہ وہ میرے علم میں ہے۔
اس لیے میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ جو صاحب اس سے واقف ہوں وہ کہیں چنا چہ
امین زہیری نے امیں تبصرہ پر ”جیات شبلی“ لکھا ہے اور چھا پاس ہے۔ اس میں اتنی واقعات
کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سرتاپا لٹن فاسد ہے والسلام

سید سلیمان

۱۴ جون ۱۹۴۹ء

سید الو عامر والو خالد

(۱۲۳)

سید صاحب کچھ چچا زاد بھائی سید ابو داؤد کے انتقال (۱۰ رمضان ۱۳۶۸ھ)
پر بھتیجوں کے نام تعزیت کا خط
دارالعتقین، اعظم گڑھ

عزیزان من ادعا

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ بکلیہ سید شہید پاپا اور بیکو سہیل کا تار ملا۔ تار کیا تھا، جانِ خریں پر
بجلی گری، تمہارا باپ اور میرا بھائی اس دنیا سے چل بسا۔ وہ بھائی جس نے ہمیشہ مجھ کو
اپنا عزیز ترین بھائی سمجھا اور جس نے اخیر وقت مجھ سے سب سے بڑھ کر محبت کی۔
جس کو میری ہر ادائیگی اور ہر ترقی پیغام خوشی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی موت سے میں
اس دنیا میں قوی دل تھا۔ وہ میرا ازداں، میرا شبیر، میرا جزو دل تھا۔ افسوس کہ میں

اس دنیا میں اکیلا رہ گیا۔

عزیزو! تمہارا تیس کا داغ کس سے دیکھا جائے گا۔ آؤ! آج سے ہم تم ایک نیاز شدہ باندہ ہیں۔ تم میرے لیے وہی ہو جو سہیل۔ وہ ماں سے محروم تم باپ سے۔ اب تینوں میرے تختِ جگر۔

جانتا ہوں کہ دنیا یوں ہی رہی ہے اور یوں ہی رہے گی۔ آج وہ کل ہماری باری ہے اس لیے مجھے بھی مسافر ہی سمجھو۔ خدا تم تینوں بھائیوں کو پھلنا پھولنا نصیب کرے۔ آمین غم نصیب ماں کو میرا سلام کہو۔ وہ بڑی صاحبہ بردشاگر ہیں۔ یہ صبر و شکر ان کی زندگی کے اس سب سے بڑے مرحلے میں بھی ان کی مدد کرے گا۔ غم زدہ شاہدہ کو دعا۔ عزیزو! تم بھی خدا کے بھروسے پر صبر و شکر کی ہمت دکھاؤ کہ تمہاری ماں کی تسلی اور کم سن بہن کی تسلی کا باعث بن سکو۔

آہ! میں کیا کہوں ۹ اور ۱۰ رمضان کی دونوں راتوں کو جب میں نے ان کی صحت عاجز و کاملہ کی بارگاہِ الہی میں دعا مانگی تو دونوں رتبہ بار بار ان کی بیماری کی شکل ہمارے سامنے آجاتی تھی۔ میں اس خیال کو بزورِ دفع کرتا تھا اور دعا مانگتا تھا اور پھر وہی نقشہ سامنے آجاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو مغفرت سے نوازے اور بخشش سے سرفراز کرے۔

کل صبح ہی سے میرے گھر میں ایسی آوازیں چھائی تھیں کہ لڑکیاں تک اور سلطان کی ماں تک ہمتی تھیں کہ ایسا کیوں معلوم ہوتا ہے۔ بالآخر ایک بچے دن کو تار آیا اور حقیقت کا پردہ چاک ہوا۔ سب دردمند اور سب کی آنکھیں آنکھ بار ہیں۔

عزیزو! خدا پر اعتماد رکھو۔ وہی سب کا سہارا ہے۔ اُسی سے مدد چاہو۔ انسان فانی اس کی ہر چیز فانی۔ کل من علیہا فان۔

۱۲ رمضان کو تراویح ختم کر کے ۱۵ رمضان کو دینہ کا قصد ہے۔ ۱۶ کو شاہد پہنچوں۔ عزیزو! دعا۔

دردمند خربک غم

سید سلیمان

۱۲ رمضان ۱۴۳۶ھ تک

یہ سید صاحب کی دوسری بیوی اور سلطان صاحب کی سوتیلی اگرچہ شکل سگی والدہ تھیں۔۔۔ ۱۹۶۶ء
میں کراچی میں انتقال ہوا۔ مکمل مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۷ء

مولوی شمس الدین قادری

(۱۳۳)

مکتوب المیر: والدی مولوی خلیفۃ الدین قادری (پیدائش ۱۲۹۵ء) قصبہ آٹول
ضلع بیٹی کے عمارت میں تھے۔ فارسی زبان و ادب اور تاریخ و انساب پر عالمانہ
دسترس رکھتے تھے۔ تجارت، سیاحت، مشغلہ رہا۔ مولانا عبد الماجد بریلوی (روم
سے نہایت غلصہ نہ تعلقات تھے۔ بمبئی، دہلی اور اودھ میں قیام رہا۔ ملیر
سیلیمان ندوی سے مختلف اوقات میں ملاقات ہوئی۔ اپریل ۱۹۵۷ء میں وارد
پاکستان ہوئے۔ وادو (سندھ) میں قیام رہا۔ اودھ میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء
کو انتقال ہوا۔ (الاب قادری)

ترجمی دامت الطافکم۔ السلام علیکم!

آپ کا والا نامر ملا۔ دلی سرت ہوئی۔ اعظم گڑھ ہی نہیں بلکہ بمبئی اور دہلی کی ملاقاتیں
میں یاد ہیں اور پھر مولانا عبد الماجد قادری رحمہ اللہ کی یاد نے تو سزا پایا۔ علی

ایک تیر تھا جو بڑے کلبہ کے پار تھا

ہمارے یہاں حضرت سنانی علیہ السلام کے کتبوبات کا کوئی نسخہ نہیں ہے مل گڑھ کا نسخہ آپ
دیکھ چکے ہیں۔ ممکن ہے رام پور میں ہو۔ گلستان رحمت علیہ السلام ہمارے یہاں موجود ہے۔ رحمت
عالم کے مکتوب برائے ارسال خدمت ہیں۔ فقط والسلام

سید سلیمان

۲۴ جنوری ۱۹۷۱ء

۱۔ امور عالم و مقررہ اور تحریک خلافت کے قائد مولانا عبد الماجد قادری بدایونی (د ۱۵ دسمبر ۱۹۷۳ء)

۲۔ حضرت مندوم جہانگیرا خٹون سنانی (دیکھو پھر)

۳۔ حافظ رحمت خان اور دہلی کے تاریخ

۴۔ ملازم سید سلیمان ندوی کی سیرت و غیرت پر مکتوب

سید وحید احمد قیصر ندوی

ان خطوط پر حواشی مرحوم مکتوب الیہ کے قلم سے ہیں۔ جہاں مرتب نے کوئی حاشیہ اضافہ کیا ہے وہاں مراحت موجود ہے۔

(۱۲۵)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ

۱۰ فروری ۱۴۳۳ھ

عزیز مملک السلام علیکم

آپ کے خیالات معلوم ہوئے، ابھی آپ طالب علم ہیں آپ دو سال تک پھر سے انہماک سے تعلیم میں معروف رہیں۔ پہلے طلب علم میں کمال پیدا کیجیے تو دنیا خود آپ کے ہاؤں چومے گی۔ یہ شعر اکثر پڑھا کیجیے۔

”کسب کمال کن کر عزیز جہاں شوی“

والسلام

سید سلیمان ندوی

(۱۲۶)

دارالمعتنفین اعظم گڑھ

عزیز محرم! دعا

السلام علیکم، تمہارا خط ملا۔ خوشی ہوئی کہ تم نے میری ہمائش کو گوش قبول سے سنا اور عمل کا خیال کیا۔ یہی آئندہ کی کامیابی کی راہ ہے، کسی دعوت کی کامیابی کی سب سے پہلی کئی خود دامل کی شے میں سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس دعوت کو لے کر کوئی اٹھے وہ اس پر خود دامل ہو نظری دامل نہ ہو۔ بلکہ عملی دامل ہو۔ آپ کہہ اور نماز پر خود دامل رہیں اور مختلف اوقات میں مختلف مسجدوں میں جا کر اس پر مختار اور سادہ تقریریں کریں اور بے تکلف احباب اور ملتے جلتے دالوں سے اسی تحریک و دعوت پر گفتگو کرتے رہیں۔ یہ جوش و انہماک

لے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وارثی منشا نے پر ہمیشہ فرمائی تھی۔

لکھ لیکن وہ آخر تک وارثی منشا تے ہی رہے (سی۔ ش)۔

خود لوگوں کو متوجہ کر لے گا۔ آپ نے قرآن میں بار بار پڑھا ہے دھاڑے الرسول اکا البلاغ اس کا تجربہ کیجیے داعی کا کام دعوت کا پہنچا دینا ہے۔ منوادینا نہیں ہے، خوب سمجھ لیجیے شرط یہ ہے کہ آپ محض اخلاص باللہ اور شفقت بالمسلمین کے جذبہ سے کام کریں اپنی قرین اور دوسرے خود غرضی کے لیے نہ کریں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول فرمائیں۔ والسلام

سید سلیمان

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ

(۱۲۷)

دارالمتنیں اعظم گڑھ

عزیز کرم! دعا ہے خیر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۱۹ شعبان ۱۴۰۱ھ میں سفر میں تھا۔ شکر یہ کہ آپ نے یاد کیا اور یاد رکھا۔ انگریزی پڑھنے میں بہ حیثیت زبان تو کوئی حرج نہیں مگر تجربہ شہر ہے کہ اس پیکر میں جو پڑا ہے پھر وہ اس سے نکل نہ سکا اور ساتھ ہی اس گرواب میں دین و ایمان کو بھی ڈبو بیٹھا۔ میں قرآن کی رائے کسی نہ دوں گا آپ کے والد نے جس دن آپ کو عربی تعلیم کے لیے حوالہ کیا تھا تو ان کا مقصد یہی ہو گا کہ وہ آپ کو دین کی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ کے نذر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عربی تعلیم کے بعد کسی بڑی نوکری کی امید تو وہ کر نہیں سکتے تھے اب جب آپ نے بفضلہ تعالیٰ تکمیل کر لی تو ان کی نیت کیوں بدل گئی کہ اب وہ دیدہ و دانستہ آپ کو باطل کے نذر کرنا چاہتے ہیں اور گزشتہ جن نیت کے ثواب کو بلکہ عمل کو ضائع کرتے ہیں باقی رہی روزی تو وہ تو انشاء اللہ تعالیٰ موعود سے وہ تو ملے گی۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔ حرم دنیا کا تقاضا یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کا طلب گار ہوتا ہے حالانکہ اگر زیادہ ملنا مقدر نہیں تو سب کچھ کرتے بھی نہیں ملے گا۔ کیا ہزاروں بی اے اور ایم اے محو کریں نہیں کھاتے پھرتے لیکن کوئی مولوی کسی بیکار محض نہ ملے گا۔ خصوصاً اگر اس نے کچھ بھی امتیاز حاصل کر لیا ہے۔ آپ چاہیں تو رمضان بعد اگر یہاں دیکھیں اور میں آپ کو دیکھوں کہ آپ سے کیا کام لیا جاسکتا

ندہ کھنویں ۱۴۰۲ھ سے ۱۴۰۳ھ کے فاضلین کا امتحان حاصل کرنے کے بعد میں نے وہیں سے بیڑہ کا امتحان پاس کیا تھا اور اب میں کالج میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ عہد مطابق ۱۴ رمضان ۱۴۰۲ھ

ہے۔ تاکہ آپ کو اس میں لگایا جائے۔

تعلیم کے بعد ضرورت تربیت کی ہوتی ہے اس کے بغیر آدمی کندہ ناتراش ہوتا ہے۔
رمضان المبارک میں آپ وہاں لوگوں کو ترجمہ قرآن کریم سنائیے، آپ کر سکتے ہیں!
والسلام

سید سلیمان ۲۰ شعبان ۱۳۷۳ھ

(۱۸۹)

دینہ، ضلع پٹنہ
عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں تین ماہ سے باہر ہوں۔ اب اعظم گڑھ اور وہاں سے بھوپال جا رہا ہوں۔ آپ
جولائی کے اوائل میں خط لکھیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ مناسب بندوبست فرمادیں بشرطے کہ آپ
مستعد اور تیار اور کسب کمال کے لیے مشغول رہیں۔ پر عبور کا عزم بغفلہ تعالیٰ و حوصلہ رکھیں۔
اپنے والد صاحب محترم کو سلام کہہ دیں۔ والسلام

سید سلیمان

۱۱ جون ۱۹۵۶ء

(۱۹۰)

دارالمستفین، اعظم گڑھ

بلاحد مولوی وحید احمد صاحب دام سعدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
میں یہاں چند روز پہلے آیا ہوں، یہاں کے انتظامات کو دیکھنا تھا۔ آپ اب یکم
جولائی تک یہاں تھے مقرر چلے آئیں، میں چند سے ابھی باہر ہوں گا، یہاں کتب خانہ میں بیٹھ
کر آپ کو کم از کم چند ماہ صرف مختلف کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتے ہوں گے،
میری غیر حاضری میں مولانا عبد السلام صاحب اور مولوی شاہ معین الدین صاحب آپ کی
تعلیم و تربیت کریں گے، اور بذریعہ مکاتیب مجھ سے صلاح و مشورہ چاہیں گے۔ اب آپ

۱۔ جناب سید شاہ رشید احمد صاحب منشی مدظلہ تھے مجھے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
دارالمستفین اعظم گڑھ کا رفیق بنا کر بولایا تھا۔ وہاں میں تقسیم تک تصنیف و تالیف کی تربیت حاصل
کر رہا ہے۔ مولانا عبد السلام ندوی مرحوم صفت شاعر، اقبال کا دل وغیرہ۔ مولوی شاہ معین الدین
۲۔ ندوی ہڈیٹر معارف مصنف تاریخ اسلام وغیرہ
۳۔ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۵۵ء۔

عزیمت کے ساتھ آجائے اور یہاں اگر مولانا مستود علی صاحب سے بیٹے وہ آپ کا سارا انتظام کر دیں گے۔ انتظامیہ نگرانی ان کی رہے گی اور ان کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے، آپ کو سروسٹ لیسٹ ماہوار ولیف ملے گا۔

باقی ہدایات خطوط سے ملتے رہیں گے۔ والسلام
۱۹ جون ۱۹۴۶ء
سید سلیمان

(۱۳۰)

بھوپال

عزیزی ادا عاے خیر

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ کا آنا مبارک۔ خدا کرے کہ آپ کا اور میرا مقصد پورا ہوا اور آپ کی آمد دارالمفتین کے لیے مفید اضافہ ہو۔

ابھی تک دو سال آپ کو صرف مطالعہ کتب میں بسر کرنا چاہیے۔ ابن خلدون دیکھ لیں۔ پھر شاہ ولی اللہ صاحب اور ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتب پر پڑھ ڈالیں۔ امام رازی کی تفسیر اور ابن جریر طبری کا مطالعہ کیا کریں، اسلوب تحریر کے لیے حضرات الاستاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا مطالعہ مفید ہو گا۔ خصوصاً الفاروق، بصرۃ النعمان اور شمع البیوم، الکلام اور علم الکلام بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بشرطے کہ ان کے مسائل سے آپ کے عقیدہ کی نیچنگی میں فرق نہ آئے، ان کتابوں سے معلوم ہو گا کہ علمی مسائل کس طرح آسانی اور ترتیب عقلی کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

ادب اگر کمزور ہے تو جاحظ کی کتابیں دیکھیں۔

مولانا عبد السلام صاحب سے سوال کیجیے، کوئی کتاب جیسے فوز الکبیر یا جہۃ الزبلاء یا حامہ ان سے شروع کر کے عربی عبارت لکھ کر ان کو دکھائیے۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ کا دل مطالعہ میں خوب مشتعل ہے۔
مطالعہ کا اول اصول یہ ہے کہ عبارت سے مراد نہ خواہ و لغت و کلاماً صحیح مطالب

۵۷۔ ناظم دارالمفتین۔ نے حضرت سید صاحب مرحوم ریاست بھوپال کے امیر جوامع و تاحضی

انتفاۃ کے عہد سے پر تشریف لے گئے تھے۔ وہ مجھ برابر خطوط سے ہدایات دیتے رہتے تھے۔

اخذ کریں اور ہر لفظ کو چھوڑ کر اصل مسئلہ کو سمجھیں اگر کوئی لغت آجائے تو مراجعت لغت میں سہل انگاری نہ کریں، مزید مراجعت کریں اور لفظ کے اصل معنی کو سمجھیں۔ امید ہے کہ مولوی وحید الرحمن صاحب بھی آگئے ہوں گے۔

جماعت کی پابندی اور سحر خیزی کی عادت کریں۔ صبح کی نماز میں خود پہلے اٹھیں، نہ کہ کسی کے اٹھانے کے منتظر رہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کیا کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ افضل فرمائیں۔ اخلاص ہر کامیابی کی اصل ہے۔ والسلام
۷ شعبان ۱۴۲۵ھ عہد
سید سلیمان

۱۳۱

دارالمعتنین۔ اعظم گڑھ

برادر م سلمہ اللہ تعالیٰ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ، خط ملا، خوشی ہوئی کہ سلسلہ مطالعہ ذوق و شوق سے جاری ہے۔ آپ خط میں لکھتے ہیں ”یاد آوری“ کا کہ دل سے ممنون ہوں، یاد آوری کا استعمال اس موقع پر کیا جاتا ہے جب کوئی غیر متوقع طور یاد کرے، میرے آپ کے درمیان یہ رشتہ نہیں، انشا پر دازی بڑی یہ ہے کہ کوئی لفظ کس موقع پر رکھا جائے۔

حجۃ اللہ البالغہ سے پہلے شاہ صاحب کی بدور البازغہ دیکھیے، اس میں بھی بعض ابواب حروف و مقطعات وغیرہ محض ذوقی ہیں، بدور البازغہ حجۃ اللہ البالغہ کا مقدمہ ہے سیرۃ نبوی کی جلدیں ضرور پڑھ لیں، یہ سیکڑوں کتابوں کا خلاصہ ہے اور نہ صرف سیرت ہے بلکہ علم کلام ہے۔

مولوی عبدالسلام صاحب سے بعد رمضان ملاقات ہوگی مگر آپ کے استاذ قدیم مولوی اعظم صاحب بھی تو ہیں، ایک مہینہ ان سے فائدہ اٹھائیے۔

واقعہ نقل کی خبر سے تکلیف ہوئی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۲ جولائی ۱۹۴۶ء

اے میرے ساتھ ہی یہ بھی بحیثیت رفیق دارالمعتنین کے اعظم گڑھ آئے تھے۔ پچھراپوں ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ عصم مطابق ۱۹۴۶ء جولائی ۱۹۴۶ء۔ مولانا محمد نام ندوی برکپل۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور مشرقی پاکستان۔ ۳۰ بندہ ضلع اعظم گڑھ کے ایک رئیس محمد احمد مرحوم جو مولانا عبدالسلام ندوی کے رشتہ دار تھے۔ انھیں ان کے بعض زمیندار دشمنوں نے اعظم گڑھ اور بندہ کے راستے میں قتل کر دیا جب کہ وہ اعظم گڑھ پہنچے سے ایک مقدمہ کی پیروی کے بعد کینہ سے بندہ جارہے تھے۔

بھوپال

برادر م مولوی وجید احمد صاحب ندوی ازاد کم اللہ تعالیٰ علماً و عللاً۔
 اسلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ کا خط مودعہ ۵ رمضان المبارک مل گیا تھا۔ یہ سن
 کو خوشی ہوئی کہ آپ مطالعہ میں دلچسپی کے ساتھ معروف ہیں اللہ عز و جل فرزند آپ
 اسی طرح معروف رہیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ پر راہیں کھلیں گی۔ روزہ کی حدت
 بعضوں کو زیادہ محسوس ہوتی ہے، لیکن ثواب بھی دہنی النفس عن المعوی اور
 مضمون الکما برہ کے اصول پر اسی مرتبہ کے ساتھ ہے۔ پریشانی کی کوئی بات
 نہیں، آپ برابر مطالعہ میں معروف رہیں میں چند روز کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ آؤں گا
 اور آپ لوگوں سے ملوں گا۔

میرا متوسط سوال میں ہو گا یا ۲ سوال تک۔
 اسی تو آپ آئے ہیں، مگر کیلئے عید میں کیا رکھا ہے، یہ ہر حال اگر قلب کو اطمینان
 عزت کی عید میں میر نہ ہو تو پلے جائے مگر جلد واپس آ جائے۔

عزیز من! علم کا نتیجہ عمل ہے، ظاہر و باطن دونوں میں شریعت کے مطابق انعقاب
 چاہیے، قیصر لہجہ ہمارے استاد مرحوم کو سخت ناپسند تھا، جماعت کی پابندی بھی فرود
 ہی اختیار کی جائے، بڑی برکات کی چیز ہے، وقت میں وسعت اور برکت مٹی ہے
 مولوی وجید الرحمن صاحب کو سلام کہہ دیجیے۔ والسلام
 ۲۲ رمضان ۱۳۶۵ھ
 سید سلیمان

۳۳

بھوپال

عزیز من! سلام علیکم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ!
 کسی مضمون کے لیے مواد ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی مطالعہ کرتا رہتا
 ہے، اس میں کسی خاص قسم کی بات جب متعدد پاتا ہے تو اس کو نوٹ کرتا جاتا ہے۔
 پھر مزید تلاش سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں تو ایک موضوع پر مضمون تیار ہو

جاتا ہے۔

میزے وہ شندرات اب شائع نہیں ہوں گے۔ وقت گزر چکا، اب دوسری فضا ہے!

آپ جنوری میں چند روز کے لیے مکان جانا چاہتے ہیں تو ہوائیں میرا دھڑانا ہو گا۔

اس فتنہ میں مسلمانوں کے بہادرانہ مقابلہ کے جو عمیق واقعات آپ کو اشنا سے سفر معلوم ہوں ان کو با حسیاط نوٹ کر کے رکھیے گا میں اس قسم کے واقعات کو جمع کرنا چاہتا ہوں۔ والسلام

۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

سید سلیمان

(۱۳۵)

بھوپال

برادر م مولوی وحید احمد صاحب دام توفیقکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آپ کا خط ملا، پڑھ کر خوش ہوئی، ظاہر دبا لمن دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، آپ کے احوال و کیفیات کے صلاح سے دل سرور ہوا۔ اللہ زرد فرزند۔ میں اپنے دوستوں کے لیے اور دارالمعتنفین کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول کرے۔

امید ہے کہ آپ کا مطالعہ جاری ہو گا! والسلام دعا گو، سید سلیمان

۱۷ شوال ۱۳۶۵ھ

(۱۳۶)

بھوپال

غزنی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سیرۃ النبی کا مقابلہ غنہ نسخہ سید اسلم صاحب کے حوالے کر دیجیے وہ مجھے بھیج دے گا ۱۹۴۷ء میں صوبہ بہار میں جو فیکل غام ہو رہا اس کے متعلق حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے معارف کے لیے ایک ادارہ سپرد علم کیا تھا اتنا مستعد و ادا تاجذہ باقی ادارہ حضرت الاستاذ نے اس سے پہلے ہی نہیں بھما تھا۔ بعض وجوہ کی بنا پر حضرت حمید صاحب نے اس ادارہ کی اشاعت روک دی۔ یہ کسی کا طرف اشارہ ہے۔ عہد مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء۔

لے سیرۃ النبی جلد اول طبع چارم کے پرد و کیجئے اور اصل کاخذ سے مقابلہ کرنے کی ذمہ داری حضرت الاستاذ نے مجھے سونپی تھی۔

دیں گے، رجسٹرڈ۔

البحرانیہ عند العرب کا ترجمہ مسلسل کیجیے گا اند جب ترجمہ ہو جائے تو میرے پاس
بجھواد دیجیے گا۔

صوبہ بہار کے حالات ہوش ربا ہیں، تاہم صبر اور استقامت کا مقام ہے۔ اپنے
والد صاحب کو سلام کہہ دیجیے۔

کل انشاء اللہ تعالیٰ چند روز کے لیے دہلی پہنچے گی میں جاؤں گا۔ ۲۰ مئی واپسی ہوگی۔

یہ کارڈ اسلام صاحب کو بھی دکھا دیجیے گا۔ پشت پر ان کو دکھا رہے۔ والسلام

سید سلیمان

(۱۳۶)

اسلم صاحب کے نام:

برآمد اسلام عظیم

آج سہارن پور سے خط آیا، عزیز و سہلہا کی خیریت معلوم ہوئی بھ اللہ اب اچھی ہیں۔
کل میں دہلی جا رہا ہوں۔ سہارن پور بھی جاؤں گا اور کچھ عجب نہیں کہ والدہ سلمان بھی ساتھ
آسکیں۔ سلمان بھی جائیں گے۔ رجسٹری کا کوئی پتا پوچھنے یہاں نہیں آیا۔ آپ نمبر اور کچھ
کے پتے اور تعداد رقم کیجیے ایک بیکر کتاب مولوی مسعود علی صاحب کے نام مع چک
بھیجی ہے، رسیہ سے مطلع کیجیے۔

عبدالحکیم چچا کے ۲۰ مئی سے عائشہ جدید کا ایک نسخہ ہدیہٴ بجھواد دیجیے۔ استدراک
عائشہ علی الصابہ علیہ کے پانچ نسخے بھی بجھواد دیجیے۔

سید سلیمان

۱۳ نومبر ۱۹۳۶ء

(۱۳۷)

بجھوپال

عزیزی مولوی وحید احمد صاحب دفتقم اللہ تعالیٰ السلام عظیم ورحمۃ اللہ

شہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عربی مضمون جو عربی رسالہ الغیانیہ میں تسطو ورجحنا۔
اس کا ترجمہ میں نے مکمل کر لیا تھا۔ یہ کتاب مکمل صورت میں میرے پاس موجود ہے۔ تمہے جاسم لیر
اسلامیہ دہلی کی سطور جو ملی سے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برادر شعی۔

آپ کا کارڈ لا، الجغرافیہ مندا لریٹے کا ترجمہ آپ نے کر لیا اچھا کیا وہ عربی مضمون
 ناتمام ہے، محتاج تکمیل ہے، ابھی اپنے ہی پاس رہنے دیجیے بیکہ آپ کو جغرافیہ سے
 دلچسپی پیدا ہوئی؟

امید ہے کہ آپ کتابوں کے مطالعے میں مصروف ہوں گے، اب اگر کسی موضوع
 پر لکھنے کو بھی چاہے تو اس کے معلومات فراہم کیجیے اور پھر ترجمہ سے دریافت کیجیے۔ قرآن پاک
 کی تلاوت پر مداومت کیجیے، اور معنی پر غور کیجیے اور اس کے حل کرنے میں تفاسیر وغیرہ
 سے مدد لیجیے۔

اپنے حالات و خیالات سے مطلع کرتے رہیے۔ والسلام

سید سلیمان

۱۹ دسمبر ۱۹۴۶ء

(۱۴۸)

بھوپال

برادر م و فقکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
 آپ کا خط ملا۔ آپ اسی طرح اپنے کاموں میں مصروف رہیں۔ جغرافیہ والے مضمون
 کی اصل اور ترجمہ رخصٹ میرے پاس بھیج دیں، پہلے میں دیکھ لوں۔ عبدالقدوس صاحب
 ہاشمی کا ابلاغ میرے پاس آتا ہے۔

الحمد للہ خیریت ہے۔

والسلام

سید سلیمان

۲۶ مئی ۱۹۴۶ء

۱۔ اس کتاب کا مکمل ترجمہ ”عرب اور جغرافیہ“ کے ۲۲ سے میں نے کر لیا ہے۔ اس کتاب کی ایک
 نقل تفرغی کے بعد میں نے حضرت الاستاذ کی خدمت میں بھوپال روانہ کی تھی۔ اصل مضمون کتابی شکل
 میں میرے پاس محفوظ ہے جس پر میں نے ابھی حال ہی میں تفرغی کی ہے۔ اللہ نے چاہا تو یہ کتاب لاہور
 سے شائع ہوگی۔

۲۔ ابلاغ نام کا ہفتہ وار اخبار جناب عبدالقدوس ہاشمی ندوی کی ادارت میں حیدرآباد دکن
 سے نکل رہا تھا۔ میں ”عرب اور جغرافیہ“ والا مضمون اسی اخبار میں تسلط و چھپوا چکا تھا۔

محبوبال

عزیزم و فیکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

کارڈ ملا۔ مضمون جغرافیہ کے دونوں حصے ملے، آپ کو معلوم ہو گا کہ میں ڈھائی ماہ سے مرض پیغم میں مبتلا ہوں، ہر شکل ضروری کام کرتا ہوں، اب حقیقت دانہ ہے، مگر ابھی تک مرض گیا نہیں ہے اس لیے آپ کے ترجمہ کو پورا پڑھا نہیں ہے، جا بجا سے نظر ڈالی تو بابت کے عدم روانی کا نقص نظر آیا، ترجمہ ایسا چاہیے جس سے انشا پر دازی میں فرق نہ آئے، جو سطر میں آپ کی سمجھ میں نہیں آتیں ان کا ترجمہ کر دیا جائے گا۔

خوشی ہوئی کہ آپ کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں، ذکر و یارازی کا حال آپ نے لکھا تھا اور مولوی سید انصاری کا پہلے ہی دیکھ چکے تھے، ہر حال دونوں میں فرق تو ہو گا، دیکھنا تھا کہ آپ نے کیا لکھا تھا اور کیسا لکھا تھا، ابھی یہ سب مشق کی خاطر آپ کو کرنا پڑے گا۔ اس سے ملول نہ ہو جائیے کہ محنت ضائع گئی، محنت نہیں ضائع گئی کام آئی۔

آج یہاں ۷ اگست کو انیسواں روزہ ہے، تراویح درود و رے پر مسجد ہے، اسی میں ہوتی ہے چوبیسواں پارہ ہے، دارالافتین میں حافظ حبیب اللہ صاحب پڑھتے ہوں گے۔ برادر ام سلمہ کو سلام کے بعد کہہ دیجیے کہ سب موسمی زکام و بخار سے ایک ایک دو دو روز بیمار رہے۔ سید حسین مع اہل و عیال ۲۹ جولائی کو آئے تھے یہ غسل ان کو بھی دیا گیا اب سب اچھے ہیں، سید حسین مع اہل و عیال آج شام کے اکسیر میں سے سہارن پور واپس جا رہے ہیں۔

ہم لوگ اد اہل اکتوبر کے جہاز انگلستان تلے سے جائیں گے انشاء اللہ، رفقا کو سلام کہہ دیجیے۔

سید سلیمان

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

تہ بعد میں دوبارہ میں نے تمام کمی پوری کر دی تھی۔ ملے رفیق دارالافتین، معشت، الی کتاب صحابہ وغیرہ۔ بعد سے ایک سال پہلے دارالافتین کے رفیق مقرر کیے گئے تھے۔ ملے بدلوں حج عہ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۶ء۔

بھوپال

عزیزی! السلام علیکم

مضمون ذکر یا راز می پہنچا، دیکھا، اس پر ایک مضمون معارف کی ابتدائی جلد میں مولوی سعید انصاری صاحب کا چھپ چکا ہے، آپ اس کو دیکھ لیں۔ اور پھر دیکھیں کہ آپ کا مضمون محض اس کا اعادہ ہے یا اضافہ ہے؛ اگر اعادہ ہے تو بیکار ہے اور اگر اضافہ ہے تو تمہید میں بڑھا دیجیے کہ اس پر مضمون گو معارف کے فلاں نمبر میں چھپ چکا ہے جس کو اتنے سال ہوئے اب اس درمیان میں بعض نئی معلومات سامنے آئی ہیں اس لیے نئے نئے سرے سے اب اس پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

جزافیہ کا آخری حصہ نامتاً ہے وہ شاید مطبوعہ نہ ہو سکی ہو، اس کو بھی مکمل کیجیے۔

والسلام

سید سلیمان

۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء

بھوپال

عزیز کرم! دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بے شبہ آپ کے کئی خط آئے اور یہ بھی صمیم ہے کہ میں نے جواب دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں دارالمعتنفین کے انتظامی معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتا، جس کے ہاتھ میں کام ہے وہ جس طرح چاہیں چلائیں۔ آپ کے مستقبل کے لیے میری نیک دعائیں ہیں۔ میں اس وقت خود بھی بعض ایسے افکار ہیں مبتلا ہوں جس کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اس لیے باغفل کسی مشورے سے قاصر ہوں۔ ہندوستان کی صورت حال نے یحییٰ مضطرب کر رکھا ہے، دینے چھوڑا چاہتا ہے، اور تو کوئی دوسرا مرکز ابھی طے نہیں، گو میں

سچے چھپک کے علاج کے موحد مشہور حکیم اور فلسفی ذکر یا رازی پر میں نے ایک طویل مقالہ لکھا تھا، جو بعد میں شائع ہوا۔ مے جناب مولانا شاہ مسین الدین احمد مدنی مدظلہ عنایت سے حضرت الاستاذ کا غیر مطبوعہ مضمون بچے لگ گیا تھا جس کا ترجمہ میں نے مکمل کر دیا تھا۔

ترک وطن سے متفق نہیں مگر نہیں جانتا کہ کیا پیش آئے گا۔ والسلام

سید سلیمان

۱۰ اپریل ۱۹۴۱ء

(۴۲)

بھوپال

برادر ام، دعا سے خیر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! الحمد للہ تعالیٰ مع الخیر ہوں، آپ کا خط پا کر آپ کی خیریت سن کر خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ حصول رزق کے ساتھ علم و دین کی خدمت کی توفیق بخشیں، آپ کو مجھ سے بھجنے کی کوئی وجہ نہ تھی میں اپنے سب عزیزوں کا خیر خواہ ہوں اور ان کا بھلا چاہتا ہوں۔
اے دارالمعتنفین میں مجھے آپ کی اور آپ کو میری رفاقت حاصل نہ ہو سکی یہ حالات کا اقتضا تھا۔

ڈاکٹر اسحاق صاحب اور عندلیب شادانی صاحب کو میرا بھی سلام پہنچا دیجیے۔
یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

سلاطین سلطہ جلالین شریف اور مشکوٰۃ شریف پڑھتے ہیں۔

معلوم نہیں یونیورسٹی میں نظر اُٹھ گئی ہیں یا نہیں، کیا ان سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی؟

والسلام

سید سلیمان

۱۲ فروری ۱۹۴۱ء

میں نے یہ خط ڈھاکہ سے لکھا تھا مگر ڈاکٹر محمد اسحق ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی انھوں نے دارالمعتنفین اعظم محمد اورندۃ العلما کھنڈکی لاہور بری میں حضرت الاستاذ کی زیر نگرانی مہریت پر ریسرچ کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی تھی۔

مگر ڈاکٹر عندلیب شادانی صدر شعبہ اردو و فارسی ڈھاکہ یونیورسٹی علیہ سید سلمان ندوی حضرت الامام زاد کے سب سے چھوٹے صاحب زادے انھوں نے پچھلے سال کراچی یونیورسٹی سے ایم اے پاس کیا ہے مگر برادر ام نظر الہدیٰ حضرت علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے صاحب زادے حامد نعمانی کے داماد ہیں۔ ان دونوں ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں کچھ رہیں۔

مولانا عبید الرزاق کانپوری

۱۴۲

دارالمصنفین اعظم مرحومہ -
کرم السلام علیکم

یادایام کی اصل اور کاپیاں واپس مرسل ہیں۔ میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا شبلی کے حال میں غایت بے تکلفی سے بعض ایسے واقعات نقل کیے ہیں جو جناب کے لیے اور وہ بھی آغا ز شتاب کے لیے ہوتے ہیں۔ دور جوانی افتد چنانکہ تودانی۔ مگر اب جبہ وہ اواخر عمر میں ایک مقدس کام کے بانی ہوئے ان کا تذکرہ کرنا اور لکھنا بالکل نامناسب ہے گناہ کا ستر چاہیے نہ کہ تشہیر۔ اس لیے ازراہ عنایت بلکہ اس دوستی کے واسطے سے جو آپ کو مولانا مرحوم سے تھی یہ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات پر پردہ ڈالیے تاکہ ان کا نام نیک ضائع نہ ہو اور یوں بھی عیب و گناہ کا بر ملا اظہار اور فخر مسلمان کے لیے زیبا نہیں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ ”علیہ بیگم صاحبہ کی ملی قدر دانی نے مولانا کی نازی شاعری میں نئی روح پھونک دی تھی“ بالکل غلط واقعہ ہے۔ غزلوں کا آغاز ۱۹۰۵ء سے ہوا ہے اور خطوط و ملاقات کا سلسلہ ۱۹۰۸ء سے ہے والسلام

شیان
۱۶/۳/۲۲

حضرت میر صاحب نے مولانا کے کانپوری کے انتقال پر معدت میں یہ
تذریقی مضمون تحریر فرمایا:

ما تم گسار برا کہہ کا ماتم

مولوی عبد الرزاق صاحب کانپوری نے جو ابراہیم کے مصنف کی حیثیت سے مشہور تھے، پچاس برس کی عمر میں ۱۸ فروری ۱۹۳۸ء کو بہ مقام بھوپال اپنی نواسی کے گھر میں ۲ بجے رات کو یکایک انتقال کیا۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھے۔ ان کے داماد ان کو

ملاح کی خاطر دہلی لے گئے تھے اور فرمن یہ بھی تھی کہ ان کے بعض پچھلے مسودات وہاں چھپ جائیں، کہ دہلی میں ہنگامہ ہوا اور لوگوں میں جگہ رچی۔ مولوی صاحب موصوف کو ان کے عزیز ہوائی جہاز سے ہموال لائے، جہاں ایک زمانے سے مختلف خدمتوں کے تعلق سے ان کا قیام تھا۔

مرحوم۔ سے میری پہلی ملاقات غالباً ۱۹۰۴ء میں لکھنؤ دارالعلوم ندوہ کے احاطہ کے اندر اس وقت ہوئی جب علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سبب سے ملک کے اکابر اور مشاہیر لکھنؤ آئے تھے۔ ابراہیم میں کم سنی میں پڑھ چکا تھا، معتمد سے واقف تھا، شاہ سلیمان صاحب پلوار دی اس زمانے میں دارالعلوم میں قیام فرماتے۔ مشتاقوں کا ان کے پاس ہجوم تھا، انہی میں مولوی عبدالرزاق صاحب تھے۔ شاہ صاحب نے ان کی طرف اشارہ کر کے مذاق فرمایا کہ یہ براہ صاحب ہیں، اس تعارف سے مجھے خوش ہوئی۔

اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں حبیب حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ حیدرآباد سے قلعہ تعلق کر کے دارالعلوم میں معتمد ہو کر آئے، تو مرحوم کی آمد وقت بہ کثرت ہونے لگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرحوم نظام الملک سلجوقی لکھ رہے تھے اور اس سلسلے سے اپنے مسودات مولانا کو دکھانے لاتے تھے اور ان سے مشورے چاہتے تھے۔

مرحوم کی علمی استعداد اسی قدر تھی کہ وہ فارسی اچھی طرح جانتے تھے، اور عربی سے انوس تھے، اور عبارت سے مطلب سمجھ لیتے تھے۔ ابراہیم کہتے وقت اس سے بھی کم واقفیت تھی، اس زمانے میں ندوہ کا دفتر کانپور میں تھا اور اسی تعلق سے مولانا سید عبدالحی صاحب انظم ندوۃ العلماء جو بہت اچھے ادیب تھے، کانپور میں رہتے تھے، اور منشی عبدالرزاق صاحب جیسا کہ وہ اس وقت کہلاتے تھے ابراہیم لکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فطری ذاق بخشا تھا، اور حیات سعدی والماحون وغیرہ سے اردو میں سوانح نگاری کی ایک طرح پڑ چکی تھی، مرحوم عربی سمارخی اور ادبی کتابوں کو لفظ لفظ دیکھتے تھے، اور جہاں براہیم یا برکی کا لفظ دیکھتے، نشان لگا دیتے تھے اور بعد کو اس کا مطلب سمجھ کر اس کو اردو میں باور دیتے، عربی اشعار کے سادے ترجمے جیسا کہ سنا مولانا سید عبدالحی صاحب کے کیے ہوئے ہیں اور پورا سودہ حضرة الاستاذ کی نظر سے گزر آگیا تھا، اور شاید

اسی جذبے کے تحت مصنف نے بڑے ادب کے ساتھ مولانا کے نام اس کو منسوب کیا تھا، اور یہ شعر لکھا تھا،

مسندِ علم از وجودت منبعِ آداب باد
آستانِ قبلہ جانِ اولِ الالباب باد

کانپور میں اس وقت جدید عربی مذاق کا مرکز منشی رحمت اللہ صاحب رعد ملک نامی پریس کانپور کا مطبع تھا، جہاں سے منشی صاحب پہلے ایک معصوم رسالہ نکالتے تھے، اور پھر نامی جتڑی نکالنے لگے تھے، منشی عبدالرزاق صاحب اس وقت جیسا کہ یاد آتا ہے کانپور میں نیپلٹی میں ملازم تھے، اور وہیں رحمت اللہ رعد اور مولوی عبدالرزاق صاحب میں دوستانہ اتحاد پیدا ہوا، منشی رحمت اللہ رعد صاحب کو سرسید کی تعلیمی تحریک سے دلچسپی اور سرسید کے نو رتن سے ادبی نگاہ تھی، اس تعلق سے مولوی عبدالرزاق بھی اسی مرکز سے وابستہ ہوئے، اور تاریخ کی دلچسپی کے سبب سے خاص طور سے مولانا شبلی سے ان کو زیادہ انس ہوا، مولانا نے ”سلسلہ فرماں روا یا ان اسلام“ کی بنیاد ڈالی تھی، اور المآثورن لکھ چکے تھے، اور انفاروق کا غلط تھا، اس مناسبت سے مولوی عبدالرزاق صاحب کے ذہن میں ”سلسلہ دزرا سے اسلام“ لکھنے کا خیال آیا اور سب سے پہلے ۱۹۰۷ء میں البراکا اور اس کے پندرہ برس بعد ۱۹۲۳ء میں نظام الملک سلجوق لکھی اور ملک میں بہت مقبول ہوئی۔ البراکا خصوصیت سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اور بہت بڑھی گئی اور کئی دفعہ چھاپی گئی۔ اخیر اڈیشن ابھی چند سال ہوئے، مرحوم نے نظر ثانی کے بعد مع جدید اضافوں کے شائع کیا تھا۔ ان دو تصنیفات کے علاوہ انھوں نے مضامین بھی لکھے ہیں۔ مرزا فرحت شیرازی کی کتاب آثارِ عجم سے لے کر ایرانی یادگاروں پر لکھ ان کے مضامین معارف علی گڑھ میں نکلے تھے، زردخت، جاماسب اور بزرجمهر وغیرہ کے حکایات اور امیروں کے پرانے افسانوں سے بھی ان کو دلچسپی تھی۔

مرحوم کی یکاسی سال کی عمر کے لحاظ سے ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوا ہوگا اور ان کے ہوش کا زمانہ سرسید اور ان کے رفقا کی جدوجہد کا دور تھا۔ وہ علی گڑھ جا کر مولانا شبلی کے یہاں بھی مقیم ہوتے تھے، اور خود مولانا بھی مدوہ کے تعلق سے کانپور آتے جاتے تھے۔ اس لیے اس دور کے اکابر اور مشائیر فن سے ان کی شناسائی تھی۔ اسی تعلق سے یہ

نے اُن سے خواہش کی تھی کہ اپنے زمانے کے دیکھے ہوئے بزرگوں اور ان کی مغفلوں کے مشاہدات یک جا کر دیں چنانچہ اس زمانے میں جب سر اس مسعود بھوپال میں وزیر تعلیم ہو کر آئے، انہوں نے اپنے مشاہدات کو قلم بند کیا، اور وہ سلسلہ کبھی متانی پہچے میں چھپتا رہا۔ بعد کو اُن مطبوعہ اوراق کو میرے پاس بھیجا کہ میں انہیں مطبع معارف سے شائع کروں، مگر یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا، کاغذ کی نایابی سے وہ ہمارے ہاں نہ چھپ سکا اور مٹولف کو واپس کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے وہ حیدر آباد دکن سے چھپ کر شائع ہوا۔

نظام الملک کی قدردانی نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے پوری کی۔ ریاست آصفیہ کی طرف سے اُس کے بہت سے فنی خریدے گئے اور شاہ معترف بھی انعام سے سرفراز ہوئے۔ اسی سلسلے میں حیدر آباد کے ارادے سے وہ بھوپال وارد ہوئے، اور سرکار عالیہ نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ سے ملے، انہوں نے ازراہ قدردانی اپنی ریاست میں تفصیل داری کے عہدے پر مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء کا ہوگا۔ جب کسی ضرورت سے میرا یہاں آنا ہوا تو سابق نواب دلی عہد بہادر کی ڈیوٹی سے اُن کو وابستہ پایا، اور ان کی فرمائش سے وہ اس زمانے میں اُن کے والد نواب احمد علی خاں کی سوانح عمری اور افغانانِ جلال آباد (ضلع مظفرنگر) کی تاریخ قلم بند کر رہے تھے۔ میں نے مبارکباد دی، کہ کیا عجب آپ بھی کس زمانے میں یہاں کے نظام الملک بن جائیں۔ مگر دلی عہد بہادر نے ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ اور سرکار عالیہ نے اُن کو تاریخ اسلام لکھنے پر مقرر فرمایا۔ یہ اس کو ایک مدت تک انجام دیتے رہے، مگر پھر بساطِ ابسی الٹی کر گوشہ نشین سے ہو گئے۔ اس کے بعد سر اس مسعود نے اپنی وزارتِ تعلیم کے عہد میں جب تالیف و ترجمہ کا ایک سرکاری ادارہ قائم کیا تو مرحوم اُس کے اشاعت میں داخل ہوئے اور تاریخ بھوپال وغیرہ کی طرح ڈالی۔ مگر سر اس مسعود کا زمانہ جلد ختم ہو گیا اور ۱۹۳۵ء میں انتقال کر گئے، تو یہ ادارہ بھی خوابِ پریشانی ہو کر رہ گیا۔

وہ ادھر ضعیف عمر کے سبب سے کمزور ہی ہو گئے تھے، تاہم کچھ نہ کچھ لکھتے چلتے رہتے تھے۔ اخیر تصنیفِ تاریخ اسلام و جزو کے سودات ان کے وارثوں کے پاس ہیں

اور عجب نہیں کہ وہ اُن کو شائع کریں۔
 مرحوم چوں کہ یوپی سے بھوپال آگئے تھے، اور وہاں کے علمی و ادبی حلقوں سے الگ
 ہو گئے تھے، اس لیے لوگ انہیں اُن کی زندگی ہی میں بھول چکے تھے اور انہیں خود بھی یہ
 خیال تھا کہ لوگ انہیں مردہ سمجھ چکے ہوں گے۔ اس لیے مجھ سے دودھنڈا لبا یہ خواہش
 کی کہ میں اُن کی زندگی کی خوش خبری لوگوں کو پہنچا دوں۔ چنانچہ معارف کے شذرات
 میں اُن کی یہ تحریریں ہوں گی۔

مولانا شبلی مرحوم کے دوسرے دوستوں کے ساتھ میں جو ادب ملحوظ رکھتا تھا،
 وہی اُن کے ساتھ رکھتا تھا اور وہ بھی مجھے اپنے عزیزوں میں شمار کرتے تھے، آج اس
 ساداس کے زمانے میں ہمارے نوجوان خور دی و بزرگ کے ان آداب کو ناپید نہ
 سمجھ سکیں۔

۱۸ فروری ۱۹۴۷ء کی دوپہر کو دفتر دارالقفا میں میسینوں سے مجھے کسی نے مطلع کیا کہ
 رات مولوی عبدالرزاق صاحب نے انتقال کیا، مہجے غماز جنازہ ہوگی، اور اس شاہ کے
 ٹیکے میں مدفون ہوں گے۔ یہی افسوس کہ جب قبرستان میں پہنچا تو ان کے احباب اور
 اعزہ اُن کو دفن کر کے واپس جا چکے تھے، اور اس وقت ان کی قبر کو مزدور پتھر سے گھیر
 رہے تھے۔ دعائے مغفرت پڑھی اور اُن کے عزیز کے گھر جا کر جہاں انہوں نے وفات
 پائی تھی فریض تفریت ادا کیا۔

مرحوم بلند بالا، خوش خلق اور متواضع تھے۔ ہر حال میں وہ اپنے علمی کاموں میں
 نہمک رہتے تھے۔ اب زمانے کے حالات میں جو انقلاب ہو رہا ہے اس کو دیکھتے
 ہوئے ایسے شائقین و خدمت گزارانِ علم و ادب کی توقع بہت کم کی جاسکتی ہے۔
 اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

(یادِ رفتگان)

مولانا سعید اشرف ندوی

مکتوب الیہ مولانا سعید اشرف ندوی، کچھوچھ (ضلع فیض آباد) سکھ پرزادے اور ندوہ کے فارغ التحصیل ہیں، مغربی اور ترکی میں ماسٹریٹ رکھتے ہیں، واپس مزاج اور آزاد طبیعت ہیں۔ مختلف اداروں سے وابستہ رہے، چھوٹی موٹی کئی کتابوں کے مولف ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی سے تلمذ کا تعلق رکھتے ہیں۔ کراچی میں قیام ہے۔ (ایوب قادری)

(۱۳۳)

برادر کرم!

اسعدکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کی دونوں کتابیں جو آپ نے اپنی مہربانی سے مجھے دی تھیں پڑھیں آپ کے اس قلبی جہاد سے دل بہت خوش ہوا۔ آپ لوگوں کی ان مسائل کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ندوہ کا کام رہا۔ زمانہ کی ضرورت جس امر کا تقاضا کر رہی ہے اور جس قسم کی خدمت کی طالب ہے، بھگوانندہ کہ آپ حضرات اس کے انجام دینے کے اہل ہیں۔

اس سلسلے میں مجھے صرف دو باتیں کہنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن پاک کے ترجمہ میں بے احتیاطی کو کام میں نہ لایا جائے، یہ تحریف ہے اور جس کی سزا کا حال معلوم ہے۔ ترجمہ بالکل نقلی کرنا چاہیے۔ پھر آپ اس کی تشریح اپنے ضروری مطلب کے مطابق کر سکتے ہیں۔ یہ کسی طرح درست نہیں کہ ترجمہ میں الفاظ کی رعایت کے بغیر اپنے مطلوب کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ شدید تحریف ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ پھر کسی دوسری ضرورت کے وقت آپ کو اس آیت کا دوسرا ترجمہ درپے ڈھنگ (سے) کرنا پڑے گا۔ اس وقت آپ پر ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اتباع نبوی کا کیا نادانستہ ارتکاب کیا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جمہور اسلام جس مسئلہ استفادی و علمی پر متفق ہیں اس کو چھوڑ کر

شہ مولوی سعید اشرف صاحب کی مولفہ دو کتابیں (۱) بادی حکومت اسلامیہ مطبوعہ شامی پریس مکسٹو (۱۹۴۱ء) اور (۲) نوجوانان اسلام کی پہلی انجمن (مطبوعہ شامی پریس مکسٹو ۱۹۴۱ء)

تحقیق کی نئی راہ اختیار نہ کی جائے۔ یہ طریق تو اتر اور توارث کی بیخ کنی کے مترادف ہے۔ اس گناہ کا مرکب کبھی میں خود ہو چکا ہوں اور اس کی اعتقادی و عملی سزا بھگت چکا ہوں اس لیے دل سے چاہتا ہوں کہ اب میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے تاکہ وہ اس سزا سے محفوظ رہے جو ان سے پہلوں کو مل چکی۔ اسی طرح ایک اور مسئلہ بھی اس سلسلے میں اظہار کے قابل ہے۔ زمانے کی زبان و بیان و اصلاح کے طور طریق ہر عہد میں یقیناً بدلتے رہتے ہیں۔ اور یہ بالکل واقعہ ہے کہ ہر زمانے کے ذمہ اصطلاحات اور طرز بیان میں وہ قوت ہوتی ہے کہ دلائل کے بغیر وہ دلوں میں یقین کی راہ پیدا کر دیتے ہیں۔ تاہم ان کے استعمال میں احتیاط و تدبیر ہے، کیوں کہ بناوٹ و قسطنطین کا اختلاف حقائق کے تغیر کا سبب ہو جاتا ہے، مولانا ابوالکلام کا ایک فقرہ اس بات میں بہت خوب ہے۔ انھوں نے ایک دفعہ کہا کہ کبھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور سید احمد خاں دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے کفر۔ اس زمانے کے اکثر کہنے والے اس نکتے سے تغافل برت رہے ہیں اور اس لیے خوف لگا رہتا ہے کہ ان سے ایمان کی بجائے کفر کو نشوونما کا موقع ملے اگر آپ نے ان نکتوں کی طرف توجہ فرمائی تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلبی مسامح میں برکت دے گا اور مسلمانوں کو ان پر تقع بچنے کا۔

فیضت گوش کن جانان کہ از جاں دوستِ ترازند

جوانانِ سعادت مند چندِ پیرِ دانا را

والسلام

سید سلیمان

یکم ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ

ذکر غلام محمد صاحب

حضرت سید صاحب کے مکتوب الیر کے نام ایک سو ایک مکاتیب میں سے
چند بہ طبع نمونہ از سرخود اسے پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱۴۵)

اعظم گروہ
اخی فی اللہ تعالیٰ رزقکم اللہ رزقاً حسناً فی الدنیا والآخرہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فیقر بکم اللہ برکت دعائے بزرگہاں علالت کے اس حملہ سے بہ سلامت نکلا
اب ضعف کے آثار ہیں، اب راتوں کی نیند کچھ کچھ آرہی ہے، اب لیٹتا ہوں اور سوتا
ہوں، مولانا محمود الغنی صاحب اور دوسرے بزرگوں اور عزیزوں کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔
اب آپ مطمئن رہیں: انشاء اللہ مولیٰ کا کرم جو ملگا۔ والسلام

بہمدان سید سلیمان
۲۲ شوال ۱۳۴۳ھ

(۱۴۶)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک نہایت قابل اعتراض مضمون پر تنقید
کے لیے مولانا محمود الغنی صاحب نے سید صاحب سے فرمایش کی تھی۔
۲۲ شوال ۱۳۴۳ھ کے خط کے جواب میں۔

لے حیدر آباد میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے مکتوب الیر نے حضرت
سید صاحب کی صحت کے لیے مولانا سے دعا کروائی تھی مشہور محدث مولانا احمد علی بہارن پوری کے پوتے
تھے ۱۳۵۶ھ میں انتقال ہوا

لے مطابق ۱۰ ستمبر ۱۳۵۶ھ لے مطابق ۲ اکتوبر ۱۳۵۶ھ

اعظم گروہ

اے فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت مولانا مدوح سے میرا سلام کہہ دیجیے اور عرض کر دیجیے کہ اس وقت میں اس قدر ضعیف ہوں کہ کوئی دماغی کام مدت تک نہیں کر سکتا۔

مولوی مودودی صاحب کا جواب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر "اہل حدیث" دے رہے ہیں، میں رسالہ خطبہ راندریہ بھجتا ہوں، مولانا کی خدمت میں پیش کر دیں اور اپنے مفود عاقبت کے لیے ان سے دعا کا طالب ہوں۔

ہیچمدان سلیمان

(۱۳۷)

مکتوب الیہ کے اپنی تالیف "قائم ملت" حضرت سید صاحب کی خدمت میں بھیجی تھی سید صاحب کا مکتوب اس کے جواب میں ہے۔

اعظم گروہ

برادر عزیز القدر ارشد کم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم

اٹھارہ روز کے لیے وطن گیا ہوا تھا، واپسی پر کتاب ملی، جا بجا سے پڑھی۔ آپ نے جس جذبہ سے کتاب لکھی ہے، صحیح ہے۔ معارف میں ریویو ہو گا۔

شے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا حدیث راویان حدیث کے اور دیگر کئی مسائل کے بارے میں اس گمراہ کن مضمون کا نہایت مدلل جواب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا تھا اور اہل حدیث امرتسری ۱۴ نومبر ۱۹۴۵ء تک گیا۔ قسطوں میں چھپا تھا۔ بعد فروری ۱۹۴۶ء میں معضاب بر مودودی کے عنوان سے رسالے کی شکل میں چھاپ دیا گیا۔ میرے پیش نظر بعد کا عکس ایڈیشن ہے

شے وہ جذبہ تھا کہ لوگوں نے بہادر یار جنگ مرحوم کو محض ایک قوی لیڈر سمجھا حالانکہ وہ ایک سچے اور پکے مسلمان اور حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے، ان کی خاموش تبلیغی ساعی جس کی وجہ سے (۲۰) ہزار ہندو مسلمان ہو گئے۔ ان کی راتوں کی گرجا و زاری اور اُرمست مہرے سے پختہ محبت اور اس کی بل ٹوٹ خدمت گواری وہ اوصاف تھے جو تمام کی نگاہ سے مخفی تھے میرا عیاں یہ کہ ان کی فابریہ فتح مندیوں کے پیچھے جو باطنی مشورت کا فرما تھے، ان کو اب اگر گردوں، بحمد اللہ کہ حضرت والا نے اس جذبہ کی توثیق فرمادی! (غلام محمد)

قلم میں احتیاط معلوم ہوتی ہے، غلو اور عدم اعتدال سے بات غلط بھی ہو جاتی ہے اور تاخیر سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔

دعا ہے کہ آپ کو مزید توفیقات خیر حاصل ہوں۔ والسلام
سید سلیمان ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ



عزیزی و حبیبی رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ آپ کے انتشار کو جمعیت سے بدل دیں۔

خط کہنے کے لیے مطلب کی ضرورت نہیں، ایک شعر سنئے

خط کہیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

ہم کو مطلب ہے تمہارے نام سے

الحمد للہ مع انہر ہوں، بین ہفتوں کے لیے کھنڈ اور اعظم گڑھ گیا ہوا تھا، اب آیا

ہوں، تھکا نہ جھون بھی گیا تھا، حضرت والا کی مرقد پر انوار پر بھی حاضر ہوا۔ والسلام

سید سلیمان

۲۶ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ



بحوالہ

عزیزی و حبیبی بارک اللہ فیکما و جمع بینکما بالآخر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دہلی اور سہارن پور کے سفر سے کل واپس آیا، صوبہ بہار

لے ۲۷ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۴۵ء

لے خالصت کے شعر میں تھوڑا سا تعریض الزادہ قرائع کیا گیا ہے ورنہ معرکہ ثنائی یوں ہے

جہ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

(غلام محمد)

لے مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء

کے مسلمانوں پر جو افتاد پڑی تھی اس کا حال آپ کو اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا، میرا
 صفاؤں بھدا اللہ محفوظ ہے، مگر ۲۷ ماؤں کے مسلمان پناہ گزیں وہاں جمع ہیں، بھوکے اور
 تنگ ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرماے !

الہیہ اور بچے سہارن پور سے کل ہی ساتھ آئے !

آپ کے لیے دلی دعا ہے، خصوصاً اس حالت میں جب کہ آپ ایک نئی
 زندگی شروع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ مبارک فرمائیں اور امن و سکون و مودت و سکینت
 عطا کریں۔ اس زندگی کی خوشی مرثیہ تحمل و برداشت کی راہ سے ملے ہوتی ہے، میں
 میں اس تقریب میں شریک نہ ہو سکا مگر نیک دعاؤں کے لیے قرب و بعد کیساں ہیں

والسلام

سید سلیمان، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

(۴۹)

بھوپال

۲۱ فروری ۱۹۲۸ء

محبتی و مخلصی رفع اللہ درجائکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۔ الحمد للہ بہ عافیت ہوں،

۲۔ ہاں بھائی، حیدر آباد نہ آ سکا، بات یہ ہے کہ حیدر آباد "مرکز کمال" ہے اس کے
 ہر فارو پر "طبع" لگانا ہوتا ہے اس لیے کسی یہاں کے بغیر جانے پر دل کو آمادگی نہیں
 پھر آج کل سفر کی جو صورت ستر ہے وہ بھی مانع ہے اور یہاں کا تعلق بھی۔ یہاں کی رخصت
 وغیرہ کے قواعد کے سبب مانع بنا۔ جی چاہتا ہے کہ جو رخصت بچائی جائے اس کو
 حج کے لیے جمع کیا جائے۔

میں کہاں سے بزرگ آیا، یہ حق نہیں جستم بنوں کا کرشمہ ہے،

۲۔ آپ دونوں کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں، والسلام

محمدان سید سلیمان

لے صوبہ بہار کا پہلا دردناک چند مسلم فساد جس میں مسلمان بڑی طرح تباہ ہوئے ! (غلام محمد)۔
 اللہ اللہ کہ اسی وقت کے حیدر آباد نے ان مظلوموں کے ساتھ درد مندی کا پیرا پیرا نقلی نہیں
 بلکہ عملی فحوت دیا تھا۔ (غلام محمد) لے مکتوب ایۃ اللہ نے اپنی شادی میں شرکت کے لیے درخواست
 کی تھی۔ لے مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۲۷ء

بھوپال

۴ شعبان ۱۳۶۷ھ

عزیزی و جبین زادکم اللہ تعالیٰ فیرۃ فی الایمان
السلام حکیم درحمتہ اللہ

آپ جس کو گستاخی سمجھے وہ میرے خیال میں سیاسی بحران ہے، جس ماحول میں آپ ہیں اس میں اس قسم کے بحرانی جذبات و خیالات کا پیدا ہونا میں متفقہ طبع ہے، اس لیے آپ کے وسوس کا خیال مجھے ذرا بھی نہیں ہوا، سمجھتا ہوں کہ آپ کی طبیعت زود اثر ہے کبھی سیاسیات کا جوش طبیعت پر غالب آ جاتا ہے، موجودہ سیاسیات کا اثر ازک لجام پر ایسا ہی پڑتا ہے، ان تمام ذہنی شورشوں کا علاج یہ ہے کہ پیش آمدہ امور غیر اضیاری ہیں، پھر ہماری فکر اور غم کا حاصل ہے۔ جس اُمت کی تاریخ میں وفات رسول شہادت فاروق و عثمان و جنگ جمل، جنگ صفین، فتنہ حجاج، فتنہ یزید اور شہادت حسینؑ جیسے واقعات پیدا ہوئے ہوں اس کے انڈے سے موجودہ سیاسیات کا ہیجان ممبر کا دامن کیوں چڑا دے اور اللہ تعالیٰ کے حاکم و حکیم بیک وقت ہونے کے اعتبار سے کیوں متناظر ہو؟

اس تفصیل کا منشا یہ ہے کہ ہنگامی جوش و خروش یا سردی و ایو سی سے مومن نہ گرم ہو اور نہ نرم ہو، اپنے کام میں کیساں نگاہ ہے۔
خطر اس کے علاج دو ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکیم اور حاکم ہونے کا استحضار اور دوسرے سنگامی اور دوامی امور میں فرق کا احساس،

میں بھی اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے جلسے میں گیا تھا، اتفاق سے انھیں دہلی جیتے العلماء کا جلسہ بھی تھا اور مولانا سناغ صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی تھی، میں نے ان کی رفاقت میں کچھ کام بھی کیا،

آپ کے لیے دل سے دعا ہے، والسلام
فقیر محمد ان سلیمان

بھوپا،
 محب دین بزمی رفیعکم اللہ تعالیٰ!
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ، الحمد للہ خیریت ہے،
 آپ جس مقام پر ہیں وہ اُس مقام سے جہاں عام مسلمان آباد ہیں سراسر
 مختلف ہے۔

قوائے کبوتر بام حرم چہ می دانی طہید دل مرغانِ رشتہ برپارا
 میں نے سیاسیات کے غار زار سے مدت ہوئی کہ اپنا دامن چھڑا لیا اب جو
 کچھ ہے وہ مسلمانوں کی دینی و علمی و تعلیمی خدمات کی بجائے اورسی کا شوق ہے، ان کے
 علاوہ دیگر امور سے قطعاً عزت نشین اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی دعا دل سے کرتا
 ہوں، اس سے زیادہ کیا لکھوں، جذبات کے جوش میں بہنے سے کام نہ چلے گا۔
 میں ان تمام نزاعات سے علائکہ گنہ گش ہوں اور دل میں مسلمانوں کی خیر و فلاح
 کے خیال کے سوا کچھ اور نہیں رکھتا اور اسی کا داعی ہوں اور اپنے اختیار کی حد تک اسی
 کا سعی، مجھے سیاسیات کا بہرہ نہ سمجھے اور حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مسلک کو اُس
 مضمون سے سمجھے جو مولوی عبدالباری صاحب (ندوی) کا معارف میں شائع ہوا ہے
 خدا کرے کہ آپ دین کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر موجودہ شور و غلوں کی طرف
 اتنی نہ کریں جو دوسرے تغافل ہو جائے۔ دین ثابت و قائم چیز ہے اور سیاست
 متبدل و متغیر۔

ہنگامی چیزوں کو اہمیت نہ دیں اور امور دوامی میں مصروف رہیں
 آپ کے بیسے صدقِ دل سے دعا کرتا ہوں،

والسلام

بہیمان سلیمان

بھوپال، یکم ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء

عزیز مکرم جی! اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کا کارڈ میں حالت انتظار میں ملا جس سے آپ کی خیریت معلوم ہوئی، اس وقت آپ میرے پچھلے خطوں کو آپ کے پاس ہوں تو دوبارہ پڑھیں، کئی زندگی سے پہلے مدنی زندگی بہ شکل کامیاب ہو سکتی ہے اور پچھلے فرمودہ قلام زندگی کی بنیاد پر تجدید کی دیواریں کھڑی نہیں ہو سکتی ہیں۔

خود مسلمان دنیا، دوسرے مسلمانوں کو مسلمان بننے کی دعوت دینا وقت کی اہم پکار ہے اور اس فرض کو نفرت کے بجائے محبت کے جذبہ سے انجام دینا سب سے اہم ہے، جس کے سامنے آپ دعوت پیش کرتے ہیں اُس پر شفقت اور اُس سے محبت دعوت کا محرک ہو تب ہی وہ کامیاب ہو سکتی ہے، جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے، اور قرآن کریم میں بھی اُس کی شہادت ہے لَا تَقْرَنُوا مَعَ الْكَافِرِينَ تو لہم اور وَلَا تَلْمِزُوا فِی فِئْتِنٍ بَنَیْکُمْ رَوْن اور عَزِیزٌ عَلَیْہِ مَا تُعْمَلُونَ وغیرہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ منشا سے دعوت خفقت برکفار تھی کہ دائمی اور مدعو نہ ہیں گے اور ایک کو دوسرے سے دل لگاؤ پیدا نہ ہوگا تو ایک، دل سے دوسرے دل کی طرف تاثر منتقل نہیں ہو سکتی۔

سید سلیمان

الحمد للہ اچھا ہوں، والسلام

بھوپال

۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

محبت عزیز حسن اللہ تعالیٰ اخلاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ خبرینت ہے،

(۱) حضرت والارحمہ اللہ تعالیٰ کا اس باب میں ایک قول ہے اُس کو نقل کرے

لہ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۵۶ء

کرتا ہوں۔

”حسد کی ایک تو کیفیتِ نفسانیہ ہے جس میں انسان معذور ہے، ایک اُس کے مقضیٰ پر عمل ہے اس میں انسان مازور (گنہگار) ہے، اور ایک مخالفت ہے اُس مقضیٰ کی، اس میں انسان ماجور ہے۔ یعنی حسد کے غلبہ سے کسی کی مذمت کا تقاضا ہو تو اُس کی مدح کرو، اُس سے اعراض کو دل چاہے تو اُس سے ملو، اُس کی تنظیم کرو، ابتدا یا اسلام کرو“

عرضِ نفسِ کیفیتِ حسد پر مواخذہ نہیں، اُس کے مقضیٰ پر عمل کرنے پر مواخذہ ہے حدیث میں ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو، حسد سے غیبت، عداوت، کذب گوئی، افترا پردازی، بہت سی بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ یہ تصور کیا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، اگر مجھے کم اُسے زیادہ ملا تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی،

(۲) اس کا علاج اپنی برائیوں پر نظر ہے،

(۳) اس میں کوئی حرج نہیں البتہ انہماک نہ چاہیے،

مکان میں صفائی کے لیے جب جھاڑو دی جاتی ہے تو ہر قسم کا گرد و غبار اور ریل کھل

سلنے آتا ہے، اس سے مایوس نہ ہوں،

(۴) بَارِکَ اللہُ تَعَالٰی ، و السلام

سید سلیمان

(۱۵۲)

مکتوب الیہ نے خدمت میں حاضری کے لیے اجازت چاہی تھی۔

بحوال

۲۱ فروری ۱۹۴۹ء

عزیزم محترم ادام اللہ توفیقکم، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

چند روز کی دیر بوجہ مشاغل ہوئی، معاف کیجیے۔

لے من ابی ہدیۃ قال قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَنَاتِ
کساتا کل انار الحلیف (نامم)

آپ بہ شوق آسکتے ہیں، مگر جلد آئیں، ایک ہفتہ مشرہ کی نیت کریں، آپ کی
 الہیہ عزیزہ کے لیے دل تو یہی چاہتا ہے کہ اجازت دے دوں مگر اس وقت حالات
 اس کے سازگار نہیں اس لیے وہ ابھی قعد نہ کریں۔ آنے کی تاریخ لکھ دیں۔ والسلام
 سید سلیمان

(۱۵۵)

بھوپال

جیسی الاعز صلی اللہ علیہ وسلم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 کل کا خط بھی آج ہی ساتھ پہنچا۔ آپ کے غیریت پہنچنے کا انتظار تھا، الحمد للہ
 خیریت معلوم ہوئی، نسخہ پہنچے، یہاں مطاروں سے دریافت کر دوں گا مگر پہلے یہ تو
 معلوم ہو کر رہن کیا ہے؟ اور ان نسخوں میں کیا کیا رعایتیں ہیں؟
 الحمد للہ اچھا ہوں۔ زکام ختم ہو چکا، صرف گلے کی کمانی قدر ہے۔ حرارت نہیں
 ہے، بھوک لگتی ہے، جو شانہ بعد تیزاب بھی استعمال میں ہے۔
 جو کچھ ہوا اور ہوتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کا فیض ہے، بندہ مامور ہے، یہ
 اقتضا ہے محبت ہے، وہ محبت جس کی تغلیل کی شکایت آپ کو پیدا ہو گئی تھی،
 اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی الہیہ کو فلاح دارین بخشیں،
 والدہ سلمان دعا سے خیر کبھی ہیں۔ والسلام
 فقیر محمد ان سید سلیمان

(۱۵۶)

بھوپال

۲۰ مارچ ۱۹۴۹ء

مخلص و عزیز جیسی رفع اللہ احوالکم!
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — الحمد للہ خیریت ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے۔
 حکیم صاحب کا والا نامہ ابھی نہیں آیا ہے، آجائے گا اب انہیں زحمت

نہ دیں۔

اگر ان کا دالا نامہ آیا تو مناسب جواب عرض کیا جائے گا۔

بزرگوں کا حسن ظن اس بے استحقاق کے ساتھ میرے لیے نعمت بھی ہے اور ہمت بھی، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

عزیزہ موصوف کے لیے دعا ہے خیر ہے، والدہ سلمان کی طرف سے بھی دعا و سلام۔
فقیر بیچمدان سلیمان

(۱۵۶)

بھوپال

مدینہ منیم زاد کم اللہ تعالیٰ حباً! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
المحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔

قبور و مزارات صالحین سے استفادہ فیض گو ممنوع نہیں لیکن ماٹور و سنون بھی نہیں
تاہم یہ استفادہ و استفادہ بھی مفید و مستفید کی مناسبت پر موقوف ہے، معلوم ہوا ہے
کہ بحمد اللہ تعالیٰ آپ سنت سے اب قریب ہو گئے ہیں، یہ خوشی کا مقام ہے نہ کہ
رنج کا۔

تغیر سنت کی موافقت کی طرف ترغیب و بشارت ہے، یہ اصلاح کی تیل ہے،
دعا تو بے ثمر ہے مگر لگی ہوئی روزی سے اعراض کے خیال سے ڈر گتا ہے اللہ تعالیٰ
دعای کرے جس میں آپ کے لیے خیر ہو۔
بہات میں غلو سے بھی فیوض کم ہو جاتے ہیں!
ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی چاہیے۔

بندہ بیچمدان سلیمان

(۱۵۷)

بھوپال

۱۱ اپریل ۱۹۵۰ء
عزیزہ و جیسی دام تو فیغکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کارڈ نمبر ۳۱، مارچ سنہ ۱۹۷۵ء، آپ کے ذوق و شوق کے شعر پڑھ کر دل متاثر ہوا
 میں چند روز سے بخار میں مبتلا تھا، اب اچھا ہوں، والدہ سلمان کو بھی بخار آگیا تھا کل سے
 اچھٹی ہیں۔ ابھی تک قیامات نے پوری رخصت اور چار ج لینے کی کاروائی نہیں کی،
 اس لیے وطن کی طرف جانے کا موقع نہیں ملتا، اب تو آپ لوگوں سے ملنا بغیر فنا سے
 کمال ممکن ہی نہیں اسی کی کوشش کر رہا ہوں، شہوتہ سلیمان کی خیریت ملی، اما ہے کہ
 عاریاں کو بھی جلد صحت نصیب ہو۔
 اپنی اہلیہ سلیمان در فقہا کو سلام کہہ دیجیے،

والسلام
 سید سلیمان

(۱۵۸)

۲۴ جون ۱۹۷۵ء کے خط کے جواب میں حضرت سید صاحب نے یہ مکتوب
 تحریر فرمایا۔

کراچی

عزیزی و جلیبی رزقکم اللہ تعالیٰ علما و عرفانا، السلام سلیم در رحمۃ اللہ
 یہ شبہ بالکل صحیح ہے اس لیے یہ انوار و تجلیات جن کو عام طور پر انوار و تجلیات کا
 نام دیا جاتا ہے وہ نفسانی افکار ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اسی عمل نفسیاتی کے
 ذریعے بعض علما نے قیامت بیماری کا ازالہ اور صحت کا حصول کرتے ہیں اور اسی نفسیاتی
 اصول سے صوفیہ امراض باطنی کا علاج کرنے ہیں اور حق تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرتے ہیں۔
 اب جس طرح پہلے یہ طے کیا جا چکا ہے کہ صحت اچھی چیز ہے اور بیماری بُری چیز ہے اور
 بیماری کو دور اور صحت کا حصول اس تدبیر نفسیاتی سے کیا جاتا ہے اور اس میں کامیابی
 سوتی ہے اسی طرح مشاہدہ و استحضار ربانی کی کیفیت جس کے حصول کا مطلوب ہونا
 الگ دلیل سے ثابت ہے اس کے حصول کے لیے یہ نفسیاتی طریق کار اختیار کیا جاتا
 ہے اور اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ اس طریق میں عموماً مشاہدات ہوتے ہیں وہ ذہنی
 ہی افکار ہوتے ہیں جیسا کہ امام نقشبند (خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ) کا یہ فقرہ
 حق حضرت سید صاحب مرحوم کی فراموشی اور نرسا ابرہام صاحب (ایڈوکیٹ) کے بچے۔
 عاریاں کا بیچیں میں انتقال ہو گیا تھا۔

اس پر دلالت کرتا ہے آنچہ دیدہ شود و دانستہ شود ہمہ غیر خدا است
 بحمد اللہ کہ یہ حقیقت آپ پر ظاہر ہو گئی، عرض اعلیٰ یہ مشاہدات و تعورات
 مطلوب نہیں یہ توبہ طہر تہذیب ہیں اصل ان کے نتائج ہیں یعنی صحت! والسلام
 سید سلیمان

(۱۵۹)

۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کے خط کے جواب میں سید صاحب کا مکتوب گرامی
 بحق و خلص زادکم اللہ تعالیٰ درجۃ الاسلام علیکم ورحمۃ اللہ
 مسابقت الی الخیر جس میں غیر کی تحقیر اور اپنی بزرگی کا خیال نہ ہو دوسرے، و سابقہ الی
 مغفۃ اللہ فی ذلک فلیستافس المتناصون،
 لیکن بجا ہے اہل اللہ کی نظر اور شیخ کی نظر میں مقام کے حصول کے اللہ تعالیٰ کی نسا،
 میں قبول کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے کہ یہ بھی غیر اللہ ہیں، والسلام
 سید سلیمان

(۱۶۰)

۲۴ اگست ۱۹۵۲ء کے عربیہ حیدر آباد دکن کے جواب میں مکتوب الیہ کے
 نام حضرت سید صاحب کا انزو مکتوب۔ مکتوب الیہ اس زمانے میں حیدر آباد دکن
 گئے ہوئے تھے۔

کراچی

عجب باختصاص زادکم اللہ تعالیٰ معرفۃ الاسلام علیکم ورحمۃ اللہ
 آپ کے جانے کے بعد میں باقاعدہ بیمار ہو گیا اور ڈاکٹروں کا تختہ مشق بنا۔ سات
 روز کے بعد بخار اترا اگر ضعف اتنا ہو گیا کہ بخار اترے ایک مہینا ہو گیا مگر ابھی تک پوری
 قوت عود نہیں کی۔ مگر حمد اللہ ترقی ہو رہی ہے۔

آپ کے ساتھ معاملہ حاضر و غائب میں یکساں ہے۔ آپ کے خانگی تفکرات کے
 باعث ایسا محسوس ہوتا ہو گا کہ توجہ تلفت نہیں،

میاں تقی آپ کی جانیشی کر رہے ہیں۔ اکثر شام کو آتے ہیں۔

قرانی میں میدنی حصہ پڑا تھا۔ تقی نے سب ادا کر دیے۔ والسلام
 انفقیر الی اللہ سید سلیمان

اغنی فی اللہ تعالیٰ ادا م توفیقکم :

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ کہ اب اچھا ہوں گو بغایت ضعف ہے۔ اسی لیے جیسے بسط کو جی چاہتا ہے اُس بسط سے کلمہ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حسن ظن کو میرے لیے اور آپ کے لیے موجب خیر و برکت بنائے۔

(۱۱) بے شک یہ بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے حسن ظن کا اہل بنائیں۔ بیعت کی حقیقت ایک معاہدہ ہے درمیان مفید اور مستفید کے مفید و مودعہ کرتا ہے کہ وہ شفقت اور تعلیم میں حتی الامکان کمی نہ کرے گا اور مستفید اس کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ اطاعت میں حتی الوسع کمی نہ کرے گا۔

بیعت اس راہ کی ضروری چیز نہیں۔

بیعت کے بعد اطاعت فی مروت کی قید ہے یعنی غیر احکام شریعت میں اطاعت ضروری نہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت بیعت سے وقت فی مروت کی قید لگا دی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ راہ سلوک میں کوئی ایسی بات درمیان میں نہ آئے گی جو محض احترازا یا تعلیقا مانع ضروری ہو۔ بلکہ براہِ نسی جو نقص کی دلالت اظہار سے خالی ہو آپ نہ مانیں، مگر نص

کتوب، ایر، مولانا محمد علی مرحوم حیدر آبادی، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں حدیث وفقہ کے استاد تھے۔ مرحوم کے نام حضرت سید صاحب کے سترہ مکتوب یادگار ہیں۔ یہ مکاتیب ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے ماہنامہ مینات، کراچی کے ذریعہ ۱۳۸۶ھ تا ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۶ء) کے چار شماروں میں چھپوا دیے تھے۔

عہ مولانا محمد علی کے نام خطوط میں آیا ہے قرآنی بیشتر غلط نقل ہوئی ہیں، انہیں درست کر دیا گیا ہے اور سورتوں اور آیات کے نمبروں کی تخریج کر دی گئی ہے

سے بین اللہ تعالیٰ کا دین حق کی راہ کا بھادینا، بے شک ایک بڑی نعمت ہے۔

کے اقسام پر تبلیغ و رضا اور عمل بالاضراح ضروری ہے۔

آپؐ نے اپنی جو حالت مکمل ہے وہ بہت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی عنایت فرمائیں۔

اصل شے اللہ تعالیٰ کا تلبی تعلق اور اس کے احکام کی اطاعت ہے، باقی سب فروع ہیں اور اس مقام کے حصول کے لیے اسباب اور ممتدات۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ کے مواظب اور تابعیات مطالعہ فرمائیں تو باطن میں ترقی ہوگی۔ والسلام

بیمحمدان سلیمان

۴ شوال ۱۳۹۷ھ

(پس تحریر):

بالکل کافی ہے

اس فقیر نے جو کچھ لکھا ہے اُس کو داتھ کے بجائے آپ تفاعل پر معمول فرمائیں۔

(۱۹۲)

اعظم گروہ

۲۷۔ منبر ۱۳۹۵ھ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادا اللہ تو فیئکم؛

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں اور داعی خیر،

یہ تو حالات مرض ہیں، مگر اب ان کا جو علاج ہے اُن کی طرف متوجہ ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر عشق کے آثار طاری ہوں لیکن حصول عشق کے جو طریق ہیں اُن سے آپ

میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف اشارہ ہے۔ آئندہ خطوط میں جی حضرت یا حضرت والا یا حضور کے الفاظ کا اشارہ حضرت تھانویؒ کی ذات گرامی ہے

میں دارالمنین، اعظم گروہ کے پتے کی کفایت کے بارے میں دریافت فرمایا تھا۔

میں حضرت مکتوب نگار نے پتے میں مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ "مولانا" لکھا تھا۔ اس پر مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ یہ بھی شکل ہے کہ "مولوی" کے سپرد پر پورا اثر مکوں، حضرت مکتوب نگار کا یہ جملہ اس کے

جواب میں ہے ۵ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۷۷ء۔

اپنے کو مانوس کرنا نہیں چاہتے۔ یہ بتائیں کہ اگر آپ کو کسی سے طبعی عشق نہ ہو یا کسی ندامت سے خشن کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟ صورت یہی ہے کہ اس کا نام بار بار دہرایا جائے دل سے، زبان سے، خیال سے اور اس کے کمالات حسن پر ہر طرح سے غور کیا جائے اور اس سے مادہ عشق کو ترقی دی جائے۔

اسی کے قریب تدابیر غیر محسوس و غیر مرقی حسی و مشق کے لیے ہیں، پہلے کا نام ذکر اور دوسرے کا نام فکر ہے۔ اللہ کا نام ڈالاجائے اور اس کے کمالات قدرت و عظمت و رحمت و احسان پر غور کیا جائے یہی ذکر و فکر ہے جو صوفیہ کے ہاں مروج ہے اور قرآن پاک میں ان دونوں کی طرف اشارات ہیں۔ یَذْكُرُونَ اللَّهَ تَيَّامًا وَقُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ اور تَتَكَلَّمُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَمَا خَلَقْتَ هَذَا بِلَا حِلَاحٍ (۱۹۱:۱۳) و غیرہ میں نکات تیلیمات تصوف حقیقی خُتُبنا کتاب اللہ و سنتہ رسولہ الگ نہیں۔ آپ نے اس حیثیت سے ابھی ان مسائل پر شاید غور نہیں فرمایا۔

”اعبُد ربك كل وقت و حال“ مطلوب ہے یہ مطلوب کیوں کر حاصل ہو؟ فی صلواتہ خاشعون“ مقصود ہے۔ اس کا حصول کیسے ہو؟ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (۱۵۱:۲) یہ محبت مراد ہے۔ یہ مراد کیسے آئے؟

بیعت سوجیب برکات دلیے ہی ہے جیسے ظاہری علوم میں کتابوں کے باوجود استاد ہی و شاگرد ہی کی نسبت۔ اقرار طبعی ذکر و فکر اور ہمت و فریست ہے

آب کم جو خشکی آور بدست

والسلام محمدان سلیمان

(۱۹۳)

اعظم کریم

الحق فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقناکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہی خوشی بخوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم دینی عنایت فرما کر مبراہ مستقیم کی ہدایت فرمائی۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

(۲۱:۵۷)

یہ وہ آیات پاک ہیں جن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت آسمان کی

طرف آنکو اٹھا کر پڑھا کرتے تھے جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس ہیچمدان کو تو آپ کے ذوقِ سلیم سے اُمید ہے کہ حضرت والارحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور مواظط سے انشاء اللہ جلد فائدہ ہوگا۔

یہ عزم مبارک ہوا مگر جلد ہی نہ فرمائیں۔ یہ ہیچمدان تو خدمت کے لیے حائز ہے۔ ضرورت ہے کہ چندے مکاتبت جو ہمارے سلسلے میں قائم مقام فیض و توجہ ہے، جاری رہے۔

ہمارے حضرت کا مذاق عموماً یہ تھا کہ اکثر خواب کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور ٹھیک احادیث کے مطابق اُس کو محض مبشر جانتے تھے جو کوئی مرد مومن اپنے لیے دیکھے یا کسی دوسرے مسلم کے لیے۔

خواب کی تعبیر اپنی سمجھ کے مطابق عرض کرتا ہوں۔ مکان کی حالت ظاہر کی سادگی اور باطن کی معموری ہے۔ بزرگاس اہل جنت کی نشانی ہے، سپید کپڑا سنت کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث میں یہ احسن لباس مردوں کے لیے ہے۔ دُقیہ کفنوا۱۱ موکم۱۱ اور یہ مویہ کی اصطلاح میں موتو قبل تموتو ہے۔ جس کا دوسرا نام فنا ہے۔ بندہ پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو اُس کی زندگی صرف رضاے الہی کی زندگی ہو جاتی ہے، اپنے اختیار سے کچھ نہیں ہوتا۔

طبقات ابن سعد صحابہ کی سیرت و زندگی ہے
ہدایات ذیل عرض ہیں:

- ۱۔ قصداً بسبیل حضرت والا ملاحظہ فرمائیں اور عالم مشغول کی ہدایات پر عمل فرمائیں۔
- ۲۔ جس وقت داخل سلسلہ امدادیہ آخریہ ہونے کا عزم راسخ ہو یہ سمجھ کر داخل ہوں کہ اب اسی منہاج پر زندگی کے اخیر لمحے تک گزارنا ہے "تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَقِيقٌ بِالْمُحْلِقِينَ" (۱۰۱:۱۱۳) اور "فَلَا تَكُونُوا تِلْكَ" (۱۱:۱۱۳) "وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ" (۱۱۳:۱۲) "وَأَعْبُدُوا رَبَّكُمُ حَقَّ عِبَادَتِهِ" (۱۵:۹۹) کی آیتیں پیش نظر رہیں۔

۳۔ اس عزم کے بعد وضو کریں اور ممکن خضوع و خشوع کے ساتھ دو رکعت ادا کر کے استغفار کریں۔ اور خوب تفرغ سے گناہوں کی معافی چاہیں اور اپنی نئی زندگی کے عزم کی

توفیق آئیں اور سب کچھ آج سے اللہ تعالیٰ سے اطاعت کا طرہ آپ کر رہے ہیں۔
 ۴۔ جو فرائض فوت ہوئے ہیں ان کی قضا کی جائے جو حقوق قبادت ہوئے ہوں
 یا آپ کے ذمے باقی ہوں ان کو ممکن ہو تو ادا کیجیے یا صاحبِ حق سے معاف کرائیے
 اگر مر گیا ہو تو اس کے ورثاء سے معاف کرائیں اور اس کے لیے دعاے خیر کریں۔ غرض
 تمام مافات کا تائب اور سابقہ ذنوب سے استغفار ضرور ہے۔ تو بہ اس راہ کا پہلا قدم
 ہے۔ پھر اصلاحِ الاذنیٰ تا بوجواہ اسلموا

نجمدان سلیمان۔ ۶ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ

(۱۹۴)

دینِ ضلع پٹنہ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادا ام اللہ توفیقاً تم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

(۱) بہتر عمل وہی ہے جو آؤ دم ہے اگرچہ قتل ہے جو کچھ شروع کیا جائے وہ دوامِ عمل
 کو مد نظر رکھ اختیار کیا جائے۔

۲۴ ہزار بقدر النفاس شب و روز حضرات مشائخ نے مقرر فرمایا ہے بے شبہ یہ تعداد
 زیادہ معلوم ہوتی ہوگی، آپ تین ہزار روزانہ سے شروع کریں پھر جیسے طبیعت
 میں آمادگی پیدا ہو بڑھائیں جہاں تک بڑھ سکے اور جب اس کے اثرات میں رموخ
 نمودار ہو گا تو پھر مرض کیا جائے گا۔

(۲) یہ حال بہت اچھا ہے، آپس پر شکر کیجیے کہ اور ترقی عطا ہو۔ دُفین شکر کثرت و بڑی نیکو
 (۱۴: ۷۰)۔

آپ تعلیم الدین اور تبلیغ دین کا مطالعہ اس نیت سے فرمائیں کہ اس آیت میں اپنے
 کو دیکھیں جو اپنے میں حیرانِ مطابق عمل پائیں اس پر شکر کریں اور جو کمی پائیں اس کے حصول

لئے مطابق (اردو) ۱۳۷۴ھ۔ ۷۰ اسم ذات کا ذکر اسے مکتوب الہ نے لکھا تھا کہ فرائض
 اور واجبات اور سن موکہ پر عمل کم، مگر ان گزرتا ہے۔ حضرت مکتوب نگار کا یہ جملہ اس کے
 جواب میں ہے۔ ہمہ دونوں حضرت تھانوی کی تالیفات میں

اور عمل کی کوشش فرمائیں۔ تبلیغ دینی میں کہیں کہیں زمانے کے لحاظ سے کچھ غلو معلوم ہو گا اس کی اصلاح حسب تجویز حضرت والا رحمۃ اللہ پوچھنے پر عرض کی جائے گی۔

(۲) بہت بہتر اسی طرح قضا کیجیے ورنہ نوافل کی نیت کر لیجیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کی فرض غاروں میں کمی ہو گی وہ سنن و نوافل سے پوری کی جائے گی۔

جی نہیں فرائض کی قضا میں اخیر دو رکعتوں میں منم سورہ نہیں ہے مثل ادا پڑھنا چاہیے البتہ سنن و نوافل میں منم سورہ بھی ہے۔ پس قضا یا ادا سے نفل جیسی نیت ہو اسی طرح پڑھنا چاہیے۔ آپ اندازہ کر کے قضا سے فرائض حساب قیاسی کر کے صرف نفل کی نیت کر لیا کریں۔

نوافل و سنن میں سب سے اہم چیز تہجد کی رکعات ہیں جی کو بزرگوں نے اقتداء پائی مٹی اللہ علیہ وسلم سنت مؤکدہ کا درجہ دیا ہے اور ائمہ کو سنن شیم القائلین قرار دیا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

(۴) اس تواضع پر ولی مبارک باد جس نے پایا ہے اسی راہ سے پایا ہے۔
(۵) بیعت سے مقصود تعلیم پر باہمی معاہدہ ہے سو تعلیم جاری ہے۔ اپنا رخ دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر اس برکت کے حصول کی خواہش فرمائیں گے تو دریغ نہ ہو گا۔ میرے پاس خبر حضرت والا کی نسبت کے کوئی اور چیز نہیں ہے۔ یہی نسبت انشاء اللہ تعالیٰ پیش ہو گی۔
والسلام

پیمبر ال سلیمان - ۷ رجب ۱۳۷۵ھ

(۱۶۵)

بھوپال۔ بذریعہ سکرٹری تعلیمات۔
اخی اللہ تعالیٰ و تقم اللہ تعالیٰ!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ مناسبتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ آپ کا مذاق چشتی جوش و خروش کے بجائے سکینت کا غالب ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے ان بزرگوں

سے مکتوب الیہ نے کہا تھا کہ آن قبلہ عالم سمجھ کر مخاطبہ فرمائیں
۷ رجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۵۶ء

کے ظاہر طرز تبصر سے آپ کو توحش ہو۔ مگر معنا توحش کی بات نہیں۔ کوئی ضروری امر اس راہ کا ایسا نہیں جو کتاب و سنت کے خلاف ہو، بلکہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو کتاب و سنت سے مؤید نہ ہو۔

تعلیم الدین کا وہ حصہ جس میں اطلاعات موفیاء نہ ہیں، چھوڑ دیں، بقیہ حصہ تو محض احادیث کا ترجمہ ہے، حاشیہ پر اصل حدیثیں لکھی ہیں، اور تبلیغ دین کی بنیاد بھی احادیث ہیں۔ یہ ہر سال اگر اس میں جی نہ لگتا ہو تو آپ جامع ترمذی کی کتاب الزہد والرقائق مطالعہ میں رکھیں، اور کتاب الدعوات کو عمل میں رکھیں، اور نگر و مراقبہ کیا کریں، جن کی نسبت آگے عرض کروں گا۔

ذکر ایک نشست میں مؤثر زیادہ ہوتا ہے اگر کئی نشستوں میں ہو تو بھی خیر اور اگر سرے سے اس میں جی نہ لگتا ہو تو فکر اور تبصیح سے کام لیں۔ مقصود یہ ہے کہ کثرت ذکر کی عادت پڑ جائے وَالَّذِي كُنَّ اللَّهُ كَثِيرًا..... (۲۵:۳۳) اور وَادْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (۳۱:۳۳) اور اِنْجَالٍ لَا تُغْنِيهِمْ تَجَارَةً وَلَا يَتَّبِعُهُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (۳:۱۲۳) کے تحت ذکر لسانی و قلبی جاری ہو جائے۔

بے شبہ محبت شیخ کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ پہلے آپ اپنے دم میں رسوخ پیدا کر لیں، پھر اس رسم بیعت کو اختیار کریں تاکہ بعد کو اپنے فعل پر ندامت نہ ہو۔ اگر آپ انتخاب شیخ میں رسوخ اور عزم کا یہ مرتبہ حاصل کر چکے ہیں تو مضائقہ نہیں۔ نگر و مراقبہ کی صورت یہ ہے کہ با وضو کسی مقرر وقت میں آنکھ بند کر کے ہاتھ باندھ کر کسی المینا کے مقام میں بیٹھ کر کسی معنی پر اتنا غور کریں کہ وہ آپ میں رچ جائے اور آپ اس میں رنگ جائیں اور اس کا یقین قلب میں عیوضت ہو جائے۔ قرآن پاک میں ہے۔

اللَّهُ تَوَكَّلْ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ..... (۲۵:۱۲۳) حدیث میں ہے هُوَ نُورٌ وَهُوَ اللَّهُ ہے اَللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ فِيهِمْ۔ آپ اس کا مراقبہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا نور آپ میں اور تمام آسمان و زمین میں پھیلا ہے۔ قلب کی طرف دھیان کریں کہ اُس میں اللہ کا نور یا لَفْظُ اللَّهِ يَخْلُقُ لَدُنَّيْكَ كَمَا هُوَ۔

حیدر آباد کا قصد شاید پورا نہ ہو سکے
 و السلام
 پیمبر ال سلیمان - ۱۰ شعبان ۱۳۶۵ھ

(۱۴۹)

بحرِ پال ۲۰ شعبان [۱۳۶۵ھ]

اخی فی اللہ تعالیٰ! زادکم اللہ تعالیٰ علماً و عملاً۔
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ

- (۱) امید ہے کہ آپ نے ہمت و عزیمت کے ساتھ عمل شروع کر دیا ہوگا۔
- (۲) عمل فرما کر کیفیت سے مطلع فرماتے رہیں۔
- (۳) بسم اللہ و علی برکتہ اللہ یہ فقیر پیمبران اپنی بے بغااعتی کے باوجود حسب استقامت خدمت کو حاضر ہے۔

آپ اس خط کو پا کر کسی المینان خاطر کے وقت اچھی طرح وضو کر کے یہ غلوں دو گانہ نقل تو بہ ادا کریں، اور اس کے بعد استغفر اللہ من کل ذنب و اتوب الیہ تو دفعہ پڑھ کر درگاہ باری تعالیٰ میں جملہ گنہوں اور تقصیرات سے توبہ کریں، اور اپنی اس عزیمت و توبہ پر قائم رہیں کہ آج سے میری نئی زندگی شروع ہوتی ہے، التائب من الذنب کما یذنب الاولیاء اس کے بعد الحمد اور قل هو اللہ احد الخ ۳ بار اول و آخر درود پاک کے ساتھ بزرگمان چشتیہ صابریہ پر علی العموم اور خصوصیت کے ساتھ نام لے کر حضرت حاجی مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر کئی قدس سرہ کو اس کا ثواب بخشیں اور زبان سے حمد کریں کہ آج سے میں اپنے شیخ کے امر بالمعروف اور نہی منہ الشکر پر صداقت سے بغیر تغلل کے عمل کروں گا، پھر یہ آیت کریمہ پڑھیں۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم فمن نکف فانما ینکف علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیہ اللہ فسیؤنیہ اجر عظیم (۱۰۴۸)

اس کے بعد مجھے اطلاع دیں اور معمولات شروع کریں۔ نوافل، اذکار و اشراق تہجد

۱۳۶۵ھ۔ ۲۰ جولائی ۱۳۶۵ھ۔
 ۱۳۶۵ھ۔ ۲۰ جولائی ۱۳۶۵ھ۔
 ۱۳۶۵ھ۔ ۲۰ جولائی ۱۳۶۵ھ۔

پر استقامت کریں اور اپنے رذائل پر نظر رکھیں اور ایک ایک کی اصلاح کی کوشش اس طرح کریں کہ پہلے اس کی حقیقت سمجھیں پھر اس کے ازالہ یا ازالہ کی تدبیر دریافت کریں۔
واللہ یوفیکم ویسرکم

الفقیر الی اللہ، سلیمان

احمد سترغیدین حضرت شاہ سلطان اشرف قدس سرہ

(۱۷۷)

بھوپال۔ موتی مسجد
۱۵ رمضان المبارک ۱۲۶۵ھ

— اخی فی اللہ تعالیٰ! ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) یہ میرے لیے موجب سعادت ہے کہ آپ کو اس ذرۂ بے مقدار کے ذریعے اسی آفتاب رخمد و ہدایت کے ساتھ نسبت حاصل ہوئی ہے

مگر یہ خوردیم نسبتے است بزرگ ذرۂ آفتاب تابا نیسم
میرا یہ احسان نہیں جس کی شکر گزاری کریں یہ طریق ادابی اصلاح چاہتا ہے شکر اللہ تعالیٰ کا ادا فرمائیں۔ یہ حقیر بھی اور آپ بھی کسی بندے کے شکر کی حاجت نہیں۔
(۲) آپ کو بیعت میں داخل کر لیا گیا۔

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ بیعت طرفین سے معاہدہ ہے۔
مفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ تعلیم اور شفقت میں اپنے جانتے کسی نہ کرے گا۔ اور
مستفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ اتباع میں حسب استطاعت کسی نہ کرے گا۔
(۳) ناخذ اگر معذرت کی بنا پر ہو تو خیر معذوری ہے، اور اگر کسل یا غفلت کی بنا پر ہو
تو یہ حرام کا باعث ہو گا۔ غل ایک شاگرد کے مطالعہ نہ دیکھنے اور سبق زیاد
کرنے میں کہ عذر بہتر ہے مگر کسل و غفلت حرام تعلیم کا موجب ہے۔ ناختم۔

(۴) بالکل صحیح ہے کہ میں نے ہمیشہ ہدایت والی کتابوں اور رسالوں کو اسی
لئے مطابق ۱۲ اگست ۱۳۹۵ھ آفتاب رخمد و ہدایت سے مراد ملا اشرف علی تھانی ہیں
کہ حضرت سید صاحب نے ہدایت فرمائی تھی کہ جامع ترمذی کا مطالعہ کریں۔ اس ہدایت
کے جواب میں مکتوب اللہ لکھا تھا کہ کتاب الزہد کا مطالعہ صرف برکت الہی کی خاطر نہیں
بلکہ اصلاح اخلاق اور دنیا پر غلبہ ہوں

نیت سے پڑھیں اور اپنے میں کمی پا کر اپنی اصلاح و تکمیل میں مصروف رہیں۔ والسلام
 پیمان سلیمان

(۱۷۸)

حضرت سید صاحب نے ابتدائی پانچ خبریں باتوں کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ان کا خلاصہ مکتوب الیہ کے الفاظ میں درج کر دیا جاتا ہے۔

- (۱) اس تقریب سے کہ ”تجھ کو داخل بیعت کر لیا گیا“ مزید مسرت حاصل ہوئی۔
- (۲) بفضلہ تعالیٰ ہدایات پر عمل کر رہا ہوں۔ پوری کوشش اس کی رہتی ہے کہ کسل و غفلت سے کوئی عمل ناعز نہ ہو۔

- (۳) بحمد اللہ تعالیٰ عبادت کے بعد قلب میں شگفتگی اور ترک سے انقباض محسوس ہوتا ہے۔ پھر بھی ناروا باتیں سرزد ہو جاتی ہیں، اختیاراً ہی اور اضطراراً ہی۔
- (۴) جس گندے ماحول میں ہوں اُس قدر دریا میں رہتے ہوئے دامن پھانا بڑے سخت مجاہدہ کا کام ہے۔ دُعا فرمائیے کہ قوتِ ایمانی اس درجہ کی نصیب ہو۔

مجھ میں بڑی کمزوری فقدانِ جرأت کی ہے۔ مرد میں کچھ ایسی اڑے آجاتی ہیں کہ باوقار اظہار حق نہیں ہو سکتا اپنی اس کوتاہی پر ندامت ہے۔

- (۵) حیدر آباد کن مہ فن علم و عمل سچے الامن و قاہ اللہ تعالیٰ من الشرور والفتن یہاں عام طور پر ملحد مشائخین کی جو صحبتیں ہیں اُن میں بھی سوائے رسم اذان کے روح اسلام نہیں محسوس ہوتی۔۔۔۔۔

۱۱۔ سوال ۷۵۰ لکھ بکشتہ۔ ایچے

بھوپال۔ موتی مسجد

اِخِي فِي اللّٰهِ تَعَالٰی! نُوْرُ اللّٰهِ تَلٰمِکُمْ وَ شَفَاہ۔

اِسْلَام عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ

- (۱) آپ کی اس مسرت پر مجھ مسرت ہے۔

- (۲) بحمد اللہ تعالیٰ۔ یہ علامات خیر سے ہے زادکم اللہ خیراً۔

- (۳) اس کا علاج علی الغور استغفار ہے۔

- (۴) بے شبہ یہ مجاہدہ ہے۔ اسی سند سے ہو کر ہم کو پار ہونا ہے۔

انہار حق کسی سبب سے نہ ہو سکے تو خیر، مگر اس میں شرکت تو نہ ہو۔ حج و عکس اور سنا کرے کوئی؟ اس ندمت کے تخم ہی سے آئندہ جرات حق کا نکل بار آور پیدا ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۵۱) میری عرض بھی سن لیں۔

میزوں کی حالت کارونا بیکار ہے۔ ہم کو اپنی ہی حالت پر رونا چاہیے۔ مجھ یا پھر ان کو تو اشخاص کا علم نہیں۔ اپنے علم کے مطابق چند اشخاص سے حسن عقیدت رکھنا تھا۔ ایک تو پہلے جیسے مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے احوال کے آدمی تھے لیکن دوسرے مولانا سید عبداللہ صاحب مجددی کے ساتھ حسن ظن ہے۔ حیدر آباد کے مشائخ میں مقیم ہیں۔ تیسرے آپ کے پاس مولوی محمود الغنی صاحب ہیں جو بڑے متواضع اور حضرت والا رحمۃ اللہ کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ انسان جس نعمت کو ہمیشہ دیکھتا ہے اس کی قدر نہیں کرتا۔

(۶) اس وقت کرنا ہی ہے کہ اپنی تربیت میں آپ یگئے۔ جب دوسروں کے قابل ہو جائیے گا تو دوسروں کے کام کیجیے گا۔

(۷) تبلیغ مختلف نوعیتوں کی ہو سکتی ہے ان میں سے جس نوعیت کی آپ استطاعت رکھتے ہوں، اس کی تبلیغ کریں، اللہ تعالیٰ ثواب دے گا۔

مگر تجربہ یہ ہے کہ جب تک نفسانیت اور انانیت اور خود غرضی اور حب جاه فنا نہیں ہوتی تبلیغ مؤثر نہیں ہوتی۔

(۱) فَذَكَوْا أَنْ تَفْعَلَ الذِّكْرُ (۹: ۸۷) (۲) وَذَكَرَ أَنْ الذِّكْرُ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (۵۵: ۵۱) (۳) لَعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ اللَّهَ الْكَافِرَ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (۳: ۲۶) (۴) لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

سید حیدر آباد میں وجودی رنگ کے ایک بڑے صاحب حال و قال بزرگ حضرت مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ تھے۔ شیخ اکبر کے مسلک پر مملو قات کی توجیہ مساوات الہیہ کی تبلیغاتی نمود و ظہور سے بڑے جوش و خروش سے فرما جاتے پرانے دونوں بیعتوں کے اہل علم بیت متاثر ہوئے جن میں مولانا مولانا مناز حسن گیلانی اور ڈاکٹر مولانا امین میسرور صاحب مدم و قلم نگار داخل ہیں، بلکہ دونوں شہداء مجاز و خلیفہ ہیں۔ (مولانا مبداء باری ندوی، سادات سیماں بزرگ ص ۹۲)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ تبلیغ اس وقت تک موثر نہیں جب تک اخلاص تام اور شفقت علی الخلق اس کا محرک نہ ہو۔ اور اس کے حصول کی راہ وہی ہے جس پر

۱۔ ائمہ کتب الیہ نے حیدر آباد دکن کے علما و مشائخ کی ابن الوقتی دینا داری اور اخلاقی پستی پر اپنی برہمی کا اظہار کیا تھا۔ حضرت سید صاحب نے بعض بزرگوں کا استنفا فرمایا۔

ان دونوں تہذیبوں پر ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے قلم سے حواشی ملاحظہ ہوں

۱۔ مولانا کی یہ برہمی طبقہ مشائخ دکن کے حالات کی وجہ سے ہے، جن کی شاہ پرستی کا یہ حال تھا کہ جب آصف سابع نے ”تغییلی مسلک“ کی طرف اپنا محض رجحان ظاہر کیا تو انہوں نے نہ ٹھہرا کر اس پر ہار دیا بلکہ ایک شیخت آب نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل حضرت امیر سادہ ربیعہ رضی اللہ عنہ پر علانیہ سب و شتم کا اظہار کر دیا۔ دوسری طرف اسی طبقہ نے بادشاہ کے تیور دیکھ کر اسی مرد حق آگاہ مجاہد اسلام (بہادر یار جنگ مرحوم) کے خلاف خیفہ محاذ قائم کر لیا تھا جس کی لٹکار سے مسلمانان دکن میں حق و باطل کا شعور پیدا ہو چکا تھا اور وہ بیدار ہو چلے تھے، خدا کی شان کہ بہت جلد ان مشائخوں میں خود ہی تفرقہ پڑ گیا اور ایک ”جمیعت مشائخین دکن (دہشڑڈ) بن گئی اور دوسری بلار جٹری چلتی رہی۔ (دہلی شہر ہمارے نژاد شدہ ملک میں بھی اب روغا ہو رہا ہے !!)۔ اس شرمناک اور مسرت خیز خون سے فاضل مکتوب نگار کا دل مبرور نہ تھا مگر یہ زمانہ علم و عمل کی عین بیداری و انہونی کا تھا۔“

۲۔ حضرت مولانا ملا صاحب زجاج المعایج کا مذکورہ مشائخین دکن سے کبھی دور کا جو تعلق نہیں رہا اور حضرت صدیق بہادر یار جنگ مرحوم کے خاص دعا گو تھے۔ ادا اللہ فیوضہ“

۳۔ اسی مکتوب پر مکتوب الیہ کے بارے میں بھی ایک حاشیہ تحریر کیا ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں۔

”مولانا محمد علی مرحوم کے مزاج میں تو ان دنوں بدب اور جذباتی شریب قریب کمزور وقت تک رہ نہ سکتا۔ موت اور قبل موت کا کچھ عرصہ بڑی یک سوئی، سوخ اور سکیننت کا تھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ“

۴۔ یہ جملہ قرآن حکیم کی پانچ سورتوں میں آیا ہے: ۱۷: ۲۱، ۱۵: ۱۰، ۱۰: ۴۵، ۳۱: ۳۰

آپ کا وزن بڑھ رہے ہیں۔
(۸) کر سکتے ہیں لیٹے

پچھان
سلیمان

(۱۶۹)

جھوپال

اُمّی و حبیبی فی اللہ تعالیٰ رفع اللہ تعالیٰ احوالکم؛
اسلام علیکم در رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کی غلصانہ محبت کا اثر ہے کہ مجھے اس طرح یاد
فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس تعلق کو میرے اوپر آپ کے دونوں کے ایسے باعثِ خیر و
برکت بنائیں۔

خوشی ہوئی کہ اب آپ کے پیش نظر اصلاح کی صیغہ صورت ہے۔
بے شبہ جہادِ نفس بہت بڑا کام ہے، مگر جنت کا دروازہ اسی جہادِ نفس سے کھلتا
ہے۔ داتا گنج بخش مقامِ ربّہ و حقّ النفس عن العوی فان الجنتہ فی المادولہ (۱۶۹، ۱۷۰)
و کما بآء فی الحدیث یکون صواک تبعاً کما جنت پہ
اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے اس راہ کو میرے اور آپ کے لیے آسان فرمائیں۔
مجھے اس موقع پر یاد فرمایا اس کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت عطا فرمائیں
ولی دعا ہے کہ حق تعالیٰ زوجین میں توافق عنایت فرمائیں، اور باہم مودت اور کینت
کا سامان ہم پہنچائیں۔
والسلام

پچھان سلیمان

۱۱، خجہ ۳۶۵ھ

۱۔ مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ آیا وہ مفادِ مسلم، گروہِ مسلم لیگ سے تعاون کر سکتے
ہیں۔ حضرت سید صاحبِ سلمے اسی کا جواب یہ دیا۔ مکتوب الیہ کو یہ مستفسار شاید
اس لیے کرنا بڑا کہ مسلم لیگ میں شل کاٹھنریں کے ایک نیشنل جماعت تھی اور اس میں آکائی
اسامیل، تادیانی و جنرل شامل تھے۔ ویسے تعاونِ ملی اہم کا حکم عام ہے اور اس میں مفادِ مسلم
شامل ہے۔
۲۔ مطابق ۶ نومبر ۱۹۴۶ء

بھوپال
محیی و مخلصی و صدیقی! دامت تو فیقاتکم
السلام علیکم اللہ ورحمۃ اللہ

- (۱) معمولات کی پابندی کی خبر سے خوشی ہوئی زادکم اللہ تعالیٰ حرماً علی الخیر۔
(۲) طبعی تنفر موجب ثواب نہیں، ارادی تنفر خشیتہ الہی سے ہونا چاہیے ہے
لیکن رحمت کا اسید وار کر کے ہونا چاہیے نہ کہ نہ کر کے۔ اس کو سمجھ لیں۔

(۳) آجکل ہر جگہ بھی صورت حال ہے۔ روپیہ رہنے کے باوجود بھو جہانمان راحت
میسر نہیں، حدیث میں آیا ہے کہ جو ادا کرنے کی نیت سے قرض لے لے گا اللہ تعالیٰ
اس کی مدد کریں گے مگر اس پر بھی فکر رکھنا ضروری ہے کہ بے ضرورت باتوں اور کاموں
میں تو ہم خرچ نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں خرچ سے پہلے بقول حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ
تعالیٰ حذر کرنا چاہیے کہ اس میں خرچ کرنے کی ضرورت ہم کو ہے بھی یا نہیں؟
(۴) دنیا تو دارالمن ہے، یہاں آرام صرف قناعت اور رضا بالقضا سے حاصل ہوتا
ہے۔ یہی سبب ہے کہ فقراے الہی کو جو آرام ہے وہ اُمرا کو نہیں۔
(۵) دل دعا ہے

(۶) پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ سعدی جیسے شیخ کا مقولہ ہے، علاج صفت ترکب
حرص ہے، جیسا کہ دعائیں ہے وَقْتَبْنِیْ بِمَارِضَ قَلْبِیْ۔ دوسرا علاج حدیث نبویؐ اَنْظُرْ
اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَکُمْ وَذَلِکَ اَجِدُ رَاکَ تَزِدُ دَسًا وَ
بِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ
والسلام
یحمدان سلیمان علیہ

شہ کتب الہیہ نے کھاتا کر کہا ہے طبعی تنفر ہے۔

مے تو بیع رزق اللہ سکون قلب کے لیے دعا کی درخواست کے جواب میں
مے یہ کتب مولانا محمد علی کے ۲۶ مئی ۱۹۷۷ء کے عربیہ کے جواب میں ہے

میں دیکھیں و مخلص! زادکم اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

(۱) الحمد للہ کہ آپ مع الخیر رہے۔

(۲) یہ سب محبت کے کرفسے ہیں، قرآن پاک کی آیت ان الذین امنوا و عملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن و ۲۵ (مریم: ۹۶) کے معنی پر غور فرمائیں۔

(۳) الحمد للہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نعمت میں ترقی ہو۔

(۴) معاشی و سیاسی معاملات کا حل اگر آپ کے ہاتھ میں نہیں تو راضی برضا رہیے اسی میں سکون ہے۔

آمین!

بدل دعا ہے۔

(۵) اَللّٰهُمَّ اِنْعِمْ عَلٰی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاَرْسَلْ

(۶) دست بردار رہیے اور امانت الی اللہ سے قوت حاصل کیجیے اور مشکلات پر بر۔
واستعینوا بالصبر والصلوة
والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۷ شوال ۱۴۲۶ھ - یکم ستمبر ۱۹۰۴ء

عبداللہ مخلص! انزل اللہ تعالیٰ علیکم! السکینۃ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

(۱) جو امور انسان کے اختیار میں نہیں، ان میں حصول طمانیت کا نسخہ یہ ہے کہ جو کچھ پیش آئے اس پر اپنی رضا ظاہر کی جائے رضا بالقضا طمانیت کی کیا ہے پھر یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں حکمت و مصلحت ہے گو اس کی حقیقت ہم کو فوراً معلوم نہ ہو۔ دیکھیے ممالک، عرب کے ٹرکی سے علیحدہ ہو جانے پر مسلمانوں کو کتنا غم تھا۔ مگر دیکھیے کہ

اللہ تعالیٰ نے تیس برسوں میں کیا دکھلایا۔ کھیتیں سوا من روح اللہ (۱۱۲: ۸)

میں بعد اللہ تعالیٰ روزانہ پروردگار سے دعا و التجار میں معروف ہوں۔

(۲) بے شبہ ہماری دینی پستی اور اخلاق ناپاکی ایسی ہی ہے مگر پھر بھی ہم کو ایک نسبت رب العالمین اور رحمۃ للعالمین سے حاصل ہے کوشش کیجیے کہ ہر مسلمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر فرد اپنی طرف متوجہ ہو۔ ہم جماعت کا ماتم کرتے ہیں مگر خود اپنا نہیں۔ آپ اپنے کو درست کیجیے، پہلے آپ اپنے کو بصورت سے نکالنے پھر دوسرے فریق کے نکالنے کی فکر کیجیے۔

(۳) لفظ ”ہجرت“ کا استعمال غلط ہے، یہ ہجرت نہیں یہ فرار من الزحف ہے جو جہاں ہے وہیں رہے اور غزوۂ احد کے تیر اندازوں کی طرح اپنی جگہ نہ چھوڑے دکان الانسان عجولاً (۱۱: ۱۷) حالانکہ ان یوماً عند ربک کالغمتہ مما تعدون (۴۷: ۲۲) دعا و استغفار میں معروف رہیے، اپنے بیٹے اور مسلمانوں کے لیے اللہم اغفر لی ولسلمین ولسلمات واخلذنی الکفرۃ و المشرکین۔ والسلام

محمد بن سید سلیمان

۹ محرم ۱۳۷۷ھ - ۲۳ نومبر ۱۹۵۷ء

(۱۷۳)

محوال - ۲ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

جیسی دینی رذائل اللہ تعالیٰ عرفان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! الحمد للہ خیریت ہے۔ مکانات سے زعم دل اڑہ ہوا رہتا ہے اور اس کے ثمرات و برکات ظاہریں۔ ایک ظاہری عشق کا سرشار کیا خوب کہتا ہے۔

خط کہیں کے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

۱۔ مکتوبہ بالید نے لکھا تھا کہ دول نہیں چاہتا کہ دینداروں میں بقیہ زندگی گزارے اور ہجرت کے لیے اللہ بھی ساعد نہیں حضرت سید صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ اس پر چند تان سے پاکستان کی ہجرت، کوئی اس کو لینا چاہیے۔ مرنے بعض طاقتوں سے مسلمانوں کے ترک سکونت کو منظور فرما، قرار دیا جاتا ہے ہجرت کی مقدس اسلامی اصطلاح کو اس ترک سکونت اور فرار کے لیے استعمال کرنا بوجہ جہالت کی بات ہے۔
۲۔ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۵۷ء

مولانا روٹی نے مجنوں ویلی کی حکایت میں کہا ہے سے
گلت عشق نام بیلی میکنم خاطر خود را قتل می دہم
بہا اللہ کہ حالات بدل رہے ہیں اور اب لوگوں کے نقطہ نظر میں بھی تبدیلی
ہو رہی ہے ع

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
کل یوم ہونی شان۔ دیکھیے کہ اگر کسی کی زندگی سے جو کام نہیں نکل رہا تھا وہ کام اس
کی موت سے نکلا گیا ہے جان الذی برہد و ملکوت کل شیء --- (۸۲:۳۷)
ولای شرف فی حکمہ احدًا۔ (۲۶:۱۸)

اے مولانا محمد علی نے لکھا تھا کہ ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء سے موجود
سیاست میں جو انقلاب برپا ہے اس واقعہ سے خطرے کے امکانات میں ایک حد تک کسی
ہوشیار شخص کو اطلاع ملے گی۔ مولانا غلام محمد صاحب نے اس پر حاشیہ تحریر کیا کہ ۲۰ جنوری گاندھی جی کی تاریخ
مرگ ہے۔ ۱۰ اکتوبر کو ڈاکٹر علی ایک شخص نے گاندھی جی کو مسلمانوں سے ہمدردی اور مسلمانوں
کے قتل عام کی سازشوں کو روکنا، برت دینا کے ذریعے سبوتاژ کرنے پر شعل ہو کر قتل کر دیا تھا۔
اس کا کہنا تھا کہ یہ شخص (گاندھی جی) مسلمانوں کا مرتد ہمدرد ہی نہیں چھاپا مسلمان ہے۔ مولانا
عبدالمجید دیوبادی مرحوم نے اپنی خود نوشت میں سروجی نائیڈو اور گاندھی جی کے مسلمان
ہونے کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ ان کو "توں کو بھی گاندھی جی کی عاقبت حاصل تھی جو مسلمان
منویات کو براہ کرنے اور انھیں ہندوستانی یا پاکستان میں ان کے خاندانوں میں پہنچانے
کے لیے کجا رہے تھے۔

سید صاحب نے ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ گاندھی جی کو مسلمانوں سے ہمدردی بخشنے
پر قلم اٹھانے اور مسلمان منویات کو براہ کرنے کی کوششوں کی نیکی کا اجر مزدور دے گا اور جن مسلمان
وہماؤں کی عاقبت نااندیشانہ سیاست کی بدولت لاکھوں مسلمان مظلومانہ مارے گئے، جہیزیں بیوہ،
بچے یتیم، بزرگ بے سہارا ہوئے، ہزاروں مسلمان بیتیاں اجڑیں، سبیدی ویران ہوئیں، خدا کے
ان اسی سے مواخذہ مزدور ہوگا۔ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہور کا نور اللہ مرقع کے ایک چیز
مکاشفے کے مطابق تو ایک بزرگ سیاست دان سے مواخذہ ہو رہا ہے

اللہ تعالیٰ صنّاع مطلق ہیں۔ ہم افراد اور جماعت اس کے اوزار ہیں۔ صنّاع اپنے کام میں کسی متعین اوزار کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ دین کی بقا اور اسلام کی حیات کا وعدہ فرما چکے ہیں دانا لہ لما فظنون۔ سو دین کی بقا اور اسلام کی حیات میں شبہ نہیں۔ شبہ اس میں ہے کہ آیا وہ کام ہم سے لیا جائے گا یا دوسروں سے۔ یہ تبدیل قوانین کا خطرہ ہے۔ ڈر یہ ہے کہ آیا صنّاع عالم اپنی صنعت کے لیے ہم سے کام لیتا ہے یا دوسروں سے، محرومی ہماری ہوگی۔ اگر ہم کئے اوزار ثابت ہوں گے تو ہمارے صنّاع دوسرے اچھے اوزار کو کام میں لائے گا اور ہم محروم کر دیے جائیں گے آپ مسلمانوں کی حفاظت کو نہ سوچیں اسلام کی حفاظت کو سوچیں، لیکن لوگ مسلمانوں کو سوچتے ہیں، اسلام کو نہیں۔

من و تو گر ہلاک شویم چہ باک
خزنی اندر میاں سلامت اوست

آپ میری حالتِ قیام میں تشریف لا سکتے ہیں۔ بحمد اللہ خیریت ہے اور خیریت کا طالب، آپ کے لیے دل سے دعا ہے۔
پیشوا سیماں

(۱۴۴)

محی السنیز ازادکم اللہ تعالیٰ اسرفتہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

(۱) بحمد اللہ تعالیٰ کہ آپ کو صحت ملی، لکھری کا ٹکٹا اچھا ہوا۔ اللہ تعالیٰ خیر فرمائیں فقیر بھی دعا کرتا ہے۔

(۲) خوشی ہوئی کہ مداومت فرما رہے ہیں، مداومت اصل ہے اس کے بغیر فائدہ نہیں کما جائے گا۔ الحدیث کہ ملہ صلی اللہ علیہ وسلم دیر

(۳) اس فقیر کو یاد کرنا محبت فی اللہ کا ثمرہ ہے زادنا اللہ تعالیٰ خیراً فیہ اپنا ایک شعر یاد آیا، کہتا ہوں۔

ہر سمت نظر آتے ہیں، ہر وقت وہ مجھ کو
دور ہی مسافت کا علم بھول گیا ہوں
بلکہ یہ حال ہو گیا تھا۔

سجدہ طرب کعبہ ہے دل تیری طرف ہے
اب قبلہ بھی اے قبلہ نا بھول گیا ہوں

یہ آغاز سے اسوال ہیں، اللہ تعالیٰ کمال کی دوست عنایت فرمائیں۔ والسلام

فقیر پیدان سلیمان

۲۰ شوال ۱۳۶۷ھ

(۱۵۵)

مقبوط حیدر آباد اور اس کے مابعد اثرات سے متاثر ہو کر مولانا نے ایک کاٹ

لکھا تھا۔ حضرت والا کی طرف سے یہ جوابی کارڈ (خ-۲)

مجی و مخلصی! رزقکم اللہ السکینۃ

اسلام عظیم و رحمتہ اللہ ہی ہاں رقا بالقضا سے چارہ نہیں لیکن گویا چارہ نہ ہوتا ہم
یہ یقین رکھنا چاہیے کہ گویا ہماری مرضی کے خلاف ہو لیکن ہمارے لیے مصلحت بھی اسی
میں ہے جو نقصان الہی ہے مسئلہ ان کو ہوا شیئاً دھو خیر لکم و عسی ان تجتوا شیئاً
و هو شر لکم واللہ یعلم و انتم لا تعلمون۔ (۲۱:۲۱)

آپ صاحبوں کو وہ میری گفتگو یاد ہو گی جو بمبئی میں کی گئی تھی، ام حبیتم اللہ
تدخلو الجنة و لتا یا تمک مثل الذین خلوا من قبکم متبہم الباساء و الغرادر و الزلزلۃ حتی
یقول الرسول و الذین آمنوا معہ من نصر اللہ ان نصر اللہ قریب۔ (۲۱:۲۱)

مگر بڑی اہمیت ہے، مہر نام ہے انگوڑا باتوں کے پیش آنے پر بھی حق پر
تأثم رہنے کا۔ و استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ و انھا کبیرۃ الا علی النحاشعین الذین
یظنون انہم ملاقات بہم و انہم الیہ راجعون (۲۶:۲۶) مہر فرمایا، اذ
اصابہم مصیبتہ قالوا اللہ وانا الیہ راجعون (۱۵۶:۲) ہم اللہ کے ملوک

اور مالک کو اپنے ملوک میں ہر طرح کے تفرقات کا حق حاصل ہے۔ ملوک کو خیر ہو یا شکایت کا حق حاصل نہیں۔

اب آپ کا پٹن کا زمانہ آگیا، اس کے بعد ترک مستقر کا شورہ دینے کو جی نہیں پہنچتا بے شبہ دین کی حفاظت کے لیے ہجرت ہے، مگر اس زمانے میں مدینہ کہاں ہے اس لیے اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو کم از کم سر دست تو اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا۔

میرا بھی یہاں قیام مستقل نہیں، ابھی ارادہ متعین نہیں، یہاں کچھ دین کا کام ہو رہا ہے، بہتر یہ ہو کہ فرصت متوقع کے بعد کچھ دنوں کے لیے پہلے یہاں تنہا آجا کر دیکھیں۔

میں مولوی مناظر صاحب اور مولوی فضل محمد صاحب کا کوئی خط نہیں آیا، ان کی خیریت سننے کا منتی ہوں۔ والسلام

فیروز پور سید سلیمان

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ

(۱۷۶)

محبت عزیز! ادام اللہ توفیقکم
اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

(۱) یہ پچھان ۲۹ دسمبر کو بمبئی اور ۸ جنوری کو بمبئی سے چل کر ۹ کی صبح جھوپال پہنچا۔ جہاز پر کچھ مزاج ناساز ہو گیا تھا اس لیے ہفتہ عشرہ میں ٹھہرنا پڑا، یہاں اگر بھی ضعف غالب تھا۔ اب بحمد اللہ نعمانی مزاج اعتدال پر آگیا ہے اور کام کرنے لگا ہوں۔

عزیزی غلام محمد کے دو خط حرمین میں ملے تھے مگر اس دفعہ میرا یہ حال رہا کہ قلم کھڑنے

لے مولانا مناظر حسن گیلانی شہور عالم دین، دلا العلوم دیوبند کے فرزند جلیل، حضرت شیخ الہند مولانا محمود دیوبندی کے قابل فخر مرید، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) میں شعبہ اسلامیات کے شہور استاد، میرت، تاریخ اسلام، تصوف، تعلیم، اسلامی معاشیات و جزو میں متعدد ہندو پارہیزوں کے حنفی و جزیہ دار کو اپنے وطن بہار میں انتقال فرمایا۔

لے مولانا فضل اللہ صاحب مکتب الفضل اللہ العظمیٰ شرح الادب المفرد (دغ-م)۔ لے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء مسید صاحب نے یہ خط جھوپال سے مکھا تھا۔

سے طبیعت مشکوہ ہو گئی اس لیے دکنی خط لکھ سکا نہ کوئی نوٹ ہی تیار کر سکا۔ حالانکہ
 بیرون ہند سیاحتوں میں اور سفروں میں برابر اس کا اہتمام رہا مگر اس دفعہ تو گویا قلم
 سے بیزاری ہی غالب رہی۔

(۲) جو بات آپ نے آخر میں لکھی ہے اس کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جلد فلاح پر
 یورپ کا اقتدار اتنا مستوی ہے کہ وہ ایک طرف اسلام بھی چاہتے ہیں دوسری طرف
 یورپ کے رنگ و صنگ اور خیالات کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔ یہ حال صرف کسی ایک
 اسلامی ملک کا نہیں بلکہ سارے اسلامی ملکوں کا یہی حال ہے کہ ان میں وہی قانون و وہی
 ادا و وہی طرز محبوب ہے جو فرنگی ہے، باقی نام اسلام کا صرف زبانوں تک ہے۔ اور
 یہ چاہتے ہیں کہ ان کی خواہشوں کو بین اسلام ثابت کر دیا جائے۔ مزدورت پہلے طلب
 کے مومن بننے کی ہے اس کے بعد دوسرے کام ہیں لوگ انہی مشکابہانے کو کہتے ہیں
 والسلام۔ سید سلیمان

سید سلیمان
 ۲۷ جنوری ۱۹۵۳ء

(۱۷۷)

یہ مکتوب گرامی حضرت سید صاحب نے مکتوب الہ کے ۲۵ جنوری ۱۹۵۳ء کے
 خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔ مکتوب الہ کے نام سید صاحب مرحوم کا یہ ہوا
 مکتوب ہے (۱-س-ش)۔

جس و فلعس اوفلکم اللہ تعالیٰ لیا یحبیب ویرضی
 الہام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(۱) جواب میں زحمت کے بجائے مسرت کا موقع ہے۔

لہذا اس چٹکائی کی صداقت آج کس قدر کھلی ہوئی نظروں کے سامنے ہے (ع-م)۔

لے یہ لوگ وہ نادان دوست ہیں جو جڑ سے بے دیں اور بد نیت نہیں بلکہ دین دو سبب ہیں مگر تمام یہ
 زور و تلاش کے معنی "لا حاکم" میں ختم ہونے والے اور اسلام کو "حرکت" اور "مشت" بنی کی نایبیت نام کہتے
 گردانتے والے۔ (ع-م) اس حاشیے میں مولانا غلام محمد صاحب کا اظہار یہ جامعہ اسلامیہ پاکستان کے عقائد، عدلی
 اور سماجی کی طرف ہے۔ لیکن وہ تلافی معلوم اس کو داغ کرنا نہیں چاہتے

- (۲) استقامت و مداومت اصل طریق ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشیں !
- (۳) اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کام آپ نے شروع کیا ہے اس سے خیر کا امیر قوی ہے۔ طریق کار کا علم ہوا، مفید ہے اس کو جاری رکھیں اور نفس کی آلائش سے بچائیں کمالِ رضائے حق کے کوئی دوسرا مقصد نہ ہوئیے
- (۴) اس کو نصب العین بنا کر ہمیشہ پیش نظر رکھیں اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ یہ
- (۵) دل سے دعا ہے۔

سید سلیمان

شہ حضرت کی ہدایات پر مداومت و استقامت کے جواب میں
 اے مسلمانوں کی اصلاح و تعلیم اور امر بالمعروف و نہی منکر کے سلسلے میں مسامی کے جواب
 میں
 اے مولانا محمد علی مرحوم نے اصلاح و ارشاد کے جو کام شروع کیے تھے اور ان کے جو نتائج
 سامنے آئے تھے، اہی کے بارے میں مولانا غلام محمد صاحب لکھتے ہیں:

”الحمد للہ کہ اس کام میں بڑی برکت رہی، بیسیوں مسلمان، مومن صادق بن گئے۔
 بیگڑوں ہزاروں کے عقائد کی اصلاح ہو گئی جو بیت المال قائم کیا گیا اس میں بکافرا
 مرحوم کے انتقال کے وقت ایک لاکھ سے زائد کی رقم تھی اور سیکڑوں بیواؤں،
 غائب ملوں اور ناداروں کی اس سے مدد ہو رہی تھی اور بڑی بات یہ ہے کہ یہ
 کام اب تک چل رہا ہے۔ یہ خط ربیع الاول ۱۳۸۵ھ کے مینات کراچی میں چھپا تھا۔
 گویا اس وقت (جولائی ۱۳۸۵ھ) تک یہ کام جاری تھا

عبد العزیز کمال

(۱۷۸)

امیر جامعہ امدیہ۔ قاضی ریاست جوپال
مکرم! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

معارف اور صاحب معارف کے ساتھ حسن ظن کا شکریہ!

آپ نے جو خیال کیا ہے اس کو ضرور پورا کیجیے۔ معارف میں ان عنوانوں پر کوئی خاص
مضمون نہیں نکلا ہے۔ متفرق معلومات خواہ مل جائیں آپ میری کتاب خیام ملاحظہ کیجیے
مولانا شبلی کے مقالات میں وہ مضامین پڑھیے جن سے آپ کو تعلق ہے، ”مدن عرب“
موسیوی ان اور ”تاریخ عرب“ موسیو سید یو بھی پڑھیں جن کے ترجمے اردو میں ہو چکے ہیں۔
”تاریخ مدن عرب“ حصہ سوم مستفہ جرجی زیان دیکھیے اس کا ترجمہ بھی اردو میں ہے۔
انسائیگو سید یا آف اسلام کی جلدیں دیکھو کہ مسلمات فراہم کیجیے، میری کتاب عربوں کی
جہاز رانی بھی دیکھیں، نیز عربوں کی بحری تصنیفات شائع کردہ فرانس، اور قانون مسعودی
بیرونی، کتاب البیرونی و سوانح البیرونی، مضامین مہند سین، اسلام اور معارف، اسلامک
کمپریسڈ آبادکن کی جلدیں۔

ان مضامین میں سے معارف کے لیے آپ انظم گڑھ سب اڈیٹر معارف کو بھیجے
میرا نام نہ کیجیے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ

تین گن لکھی

(۱۷۹)

مکرم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

نواز شاہ مدظلہ اولی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو۔ باقی میرا حال تو یہ ہے۔

گئے دن ہنگامی کے باندھنے کے اب آنکھیں رہتی ہیں دود پرہند

معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

سید سلیمان

جوپال۔ ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء

لے مطابق ۲۵ اگست ۱۹۴۶ء

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ
الحمد للہ بخیریت ہوں اور تماشاے روزگار دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی
مشکلوں کو دور فرمائیں۔ معلوم نہیں آج کل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام
سید سلیمان
بھوپال۔ ۱۲ اپریل ۱۹۴۹ء

مفتی محمد ابراہیم فریدی سستی پوری

مکتوب الیہ: مولانا مفتی محمد ابراہیم سستی پور (صوبہ بہار) کے رہنے والے
ہیں۔ مدتوں مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے
علم و فضل میں علمائے قدیم کا نمونہ ہیں۔ انھوں نے "حیات شبلی" کے بعض تفصیلات
کی اپنے ایک خط میں نشان دہی کی تھی۔ علامہ سلیمان ندوی نے اس کے جواب
۳۰ میں یہ خط لکھا (ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم)

بھوپال
مکرم و محترم دامت فضاؤکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!
والا نامہ کا شکریہ آپ کے معلومات سے مستفید ہوا امید ہے کہ حیات شبلی
کے آئندہ ایڈیشن میں اضافہ و تصحیح ہو سکے۔
آمد نامہ کے اتحاد نام سے جو مجھے دھوکا ہوا تھا اس کا علم مجھے اشاعت سے پہلے
ہو چکا تھا۔ چنانچہ غلط نامہ میں تصحیح کر دی گئی ہے۔ باقی معلومات بھی میرے لیے بہت
نفع بخش اور بصیرت افزا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس زحمت کشی کی جزا سے
خبر دیں۔

آپ کے خط کے عنوان سے مجھے مزید خوشی ہوئی۔ ایک تو شمس العلوم
لے فاریس کی درسی کتاب (ایوب قادری)
سے بدایوں کی شہور اسلامی درس گاہ (ایوب قادری)

بدایوں کا تعلق جس نے مجھے مرحوم حبیب و محب مولانا عبد المجید بدایونی کی یاد دلانے
 ط اسے گل جو خورسندم تو بوئی کے داری
 دوسری خوشی اس سے بوئی کہ آپ کو بھی خطہ ہمارے نسبت ہے۔
 اے بہار اے مدفن ابرار و اخیار زمیں
 امید ہے کہ کبھی کبھی آپ اپنے فیضِ رقم سے مستفید فرماتے رہیں گے۔ آپ
 کا خط معارف میں صحیح رہا ہوں۔ والسلام

سید سلیمان
 ۵ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ

پروفیسر خیر احمد صدیقی

(۱۸۲)

کراچی
 مکرم الاسلام علیکم

عنایت نامہ کا شکریہ، آپ نے جو دریافت فرمایا ہے اس کے جواب میں حقیقت
 حال عرض کی جاسکتی ہے، مگر چونکہ اڈیشن الہال کے جدید ناآشنا دانشور ہیں جنہوں کو
 فقہ زائی کا سامان بنایا ہے اور آپ کے علمی گروہ ہی سے ایک فقہ ابھی اٹھ چکا ہے
 اس لیے متاثر ہوں کہ میری اسی تحریر کو بھی فتنے کا نیا سامان نہ بنایا جائے۔ لیکن چونکہ لکچر
 نے شانت اور تنجیدگی سے ایک بات پر جم ہے اس لیے یہ چند سطریں حوالہ قلم ہیں۔
 اس جہد کے نوجوانوں کو شاید یہ معلوم نہ ہو گا کہ مولانا ابوالکلام اور مولانا شبلی اور ان کے
 متعلمین کے درمیان محبت اور تعاون کے کیسے تعلقات تھے، جو ہمیشہ قائم رہے نوبہرہ
 جنگ سے بھی موصوف کو جو تعلق اور شناسائی حاصل ہوئی وہ بھی اس آستانے کا فیض تھا
 اب جو شخص اپنے لڑنے والے اس سے اعراض برتا ہے وہ حقیقت میں احسان فراموش
 ہے مرنہوں کی مدح سے مردوں کا مرثیہ زیادہ مشکل ہے، کیوں کہ مردے سے کسی ملے کی
 امید نہیں ہو سکتی۔

بہر حال مولانا ابوالکلام نے جب ”الہلال“ نکالا تو ایک ہی دو اشاعتوں کے بعد اُن کو اپنے نیلے مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا شبلی کو انھوں نے لکھا مولانا نے مجھ سے مشورہ پوچھا۔ میں نے ایک تازہ ندوی، خواجہ عبدالواجد صاحب ندوی کا نام پیش کیا جو انگریزی بھی جانتے تھے۔ چنانچہ وہ بھیجے گئے اور شروع سے آخر تک وہ ”الہلال“ میں رہے انگریزی و عربی کے تراجم سب ”الہلال“ میں انھوں نے قلم کیے ہیں۔ خواجہ صاحب اب بھی موجود ہیں اور اب وہ بحمد اللہ ایم اے ہیں اور کانپور میں شریں کالج میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہیں۔ وہ سب حقیقت حال سے واقف ہیں۔

اس زمانے میں ”الہلال“ ایک سیاسی بین الاقوامی تحریک سمجھی جاتی تھی اور مجھے حضرت الاستاذ مرحوم کی تربیت و صحبت میں اس سے دلچسپی تھی اس لیے مولانا ابوالکلام کے کہنے سے میں مولانا شبلی صاحب کے پاس سے مولانا ابوالکلام کے پاس ”الہلال“ چلا آیا۔ اس کا ذکر آپ کو مکاتیب شبلی میں ملے گا۔

اس حال چار پانچ ماہ اُن کے ساتھ رہا۔ میرے ساتھ میرے دوست اور ”الندوہ“ اور ”قیل“ اور ”کلیل“ کے سابق اڈیٹر مولانا عبداللہ عیسیٰ بھی ”الہلال“ میں آگئے، وہ بھی چند ماہ رہے، ہم لوگ کوشش کرتے تھے کہ تحریر میں ابوالکلام صاحب کے طرز تحریر کی اتباع کریں اس لیے ”الہلال“ میں جو کچھ لکھا جاتا تھا وہ اسی رنگ میں لکھا جاتا تھا۔ میرے اور عیسیٰ صاحب کے چل جانے کے بعد مولانا عبداللہ عیسیٰ صاحب ندوی جواب دار المستغنی کے مشہور معتقد ہیں ”الہلال“ میں گئے اور آخر تک رہے۔

اب ظاہر ہے کہ ہم لوگ جو لوگ جو وہاں شریک تحریر و ادارت تھے کچھ نہ کچھ رہتے لکھا ہی کرتے تھے اور جو لکھا جاتا تھا وہ پھینکا ہی ہوگا، ورنہ بغیر کام کیے کون تنخواہ دے سکتا تھا، لیکن یہ ضرور ہے ہماری تحریروں میں اڈیٹر صاحب کچھ اضافہ اور کچھ کمی کرتے رہتے تھے، اور اس لیے ایسی تحریروں کو نہ ہم اپنی پوری کہہ سکتے ہیں اور نہ اڈیٹر صاحب اپنی کہہ سکتے ہیں۔

اسی درمیان میں مسجد کانپور کے واقعے کے زمانے میں اڈیٹر صاحب کسی مصلحت سے بیٹھے دو بیٹے کے لیے مسوری تشریف لے گئے اُن کی حیرت انگیزی میں میری اور عیسیٰ صاحب کی تحریروں اُن کے نوٹس کے بغیر شائع ہوئیں، ان تحریروں میں ”مشہد اکبر“

”نذکارِ نزولِ قرآن“ قصصِ بنی اسرائیل وغیرہ مضامین میرے ہیں اور اب اس وقت نہ ”الہلال“ سامنے ہے اور نہ ”بھوہ“ مضامین ابوالکلام“، مگر جہاں تک یاد آتا ہے حریتِ اسلام کے سلسلے میں اسلام کے نظامِ سیاسی کا مضمون میں نے لکھا تھا جو اس سے پہلے ”اسند و“ میں ”اسلام اور اشتراکیت“ کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔ اُس کو دوبارہ ”الہلال“ کے رنگ میں لکھا۔ مولانا نے اس میں انقلابِ فرانس وغیرہ کے مسائل کا اضافہ فرمایا ہے۔ اسی طرح دوسرا مضمون ”تاریخِ حبشہ کے چند گمشدہ اوراق“ میرا مضمون ہے جو مقربہ بڑی کے رسالے کی تلخیص ہے، اس میں بھی مولانا نے کچھ دخل در معقولات کو کے شائع کیا۔ اسی طرح ”کشفِ ساق“ ”اسوۂ نوح“ اور ”اسوۂ ابراہیم“ وغیرہ مضامین عادی صاحب کے ہیں ماحرب فی القراہ یا فی الاسلام، کا مضمون عبدالسلام صاحب کا ہے۔ انسانیتِ موت کے دروازے پر غالباً عبدالرزاق صاحب یح آبادی کا مضمون ہے مگر ناشرین نے ان سب کو ابوالکلام صاحب کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں ابوالکلام کا قصور خاموشی کے سوا کچھ دوسرا نہیں ہے ظاہر ہے کہ وہ اپنی شہرت کے لیے ہمارے قلم کے محتاج نہیں ہیں اور ہم لوگ بھی ان کے محتاج نہیں، مگر واقعہ فاقہ ہے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۸ جون ۱۹۵۲ء

(۱۸۳)

شہیم صاحب کے والد کے انتقال کے بعد وراثت کی شرعی تقسیم میں کوئی قانونی پیچیدگی سامنے آئی تھی۔ اس سلسلے میں شہیم صاحب نے سید صاحب مرحوم سے رجوع کیا تھا۔ سید صاحب کے جواب سے ان کی الجھن دور ہوئی یا نہیں معلوم نہیں لیکن سید صاحب نے اس میں حقِ شرعی کی بابت جو کتب تحریر فرمایا کہ زمانہ گزرنے سے شرعاً حقِ باطل نہیں ہو جاتا ان کا دعویٰ ہر وقت کیا جاسکتا ہے، بہت اہم ہے۔ اور اس ایک جملے نے فیصلہ کر دیا کہ ۱۹۵۵ء میں جن لوگوں کا گھر خدوں کی اعانت اور ملک کی آزادی کے برخلاف خدمات کے صلے میں جاگیریں دی گئی تھیں وہ ان حریت پرستوں کے شرعی و دنیا کو نامائی جائیں گی جن سے ان کے جرمِ حق کوئی اور حریت نوازی کی بنا پر معین نہیں گئی تھیں۔ اس طرح پنجاب کے جن جاگیرداروں نے اپنی بیٹیوں

کو وراثت میں ان کے حق شرعی سے کبھی محروم کر دیا تھا، ان کی اولاد اور دیگر شرعی ورثا ماضی میں کئی حق تلفیوں کے مدارک کا مطالبہ کر سکیں گے۔ جمعیت علما سے اسلام (پاکستان) اور جمعیت علما سے ہند کے انقلابی سوچ رکھنے والے ہونا اسی انداز سے سوچتے ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا انداز فکر اس سے قطعی مختلف ہے۔ ان کے نزدیک ماضی میں جو کچھ ہو گیا، سو ہو گیا، اب ان زمینداروں کی حیثیت اسلامی ہے خواہ وہ ملک سے غداری کے صلے میں انگریز نے بخش دی ہو یا اپنی بیٹیوں کو ان کے حق شرعی سے محروم کر کے باقی رکھی گئی ہوں۔

پاکستان میں شریعت کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی انداز فکر ہے۔ مسئلے کے اس پہلو پر ہمت کم غور کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ بحث کی اس مقام پر گنجائش نہیں۔ حضرت سید صاحب کا خط ملاحظہ فرمائیے: (۱-س۔ش)۔

إِنَّهُم مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَإِنَّهُم مِّنْ أَلَدِ اللَّهِ الْكَرِيمِ

لاہور نیلا گنبد جامعہ شریفہ
مکرم! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ قانون وراثت شرعی کی جس کمی کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے، اس کا مقصد واضح نہیں فرمایا، یعنی آپ کا مقصد یہ ہے کہ اس قانون کے اجرا سے پہلے جو حقوق عصبہ ہو چکے ہیں ان پر تمادی عارض نہ کی جائے اور پھر سے ان کا فیصلہ عدالتوں سے حسب قانون شرعی کرایا جائے، اگر یہ میرا سمجھنا صحیح ہے اور قانون مذکور میں یہ کمی ہے تو بے شبہ میرا اس سلسلے کے ذریعے اس قانون کی درستگی کی کوشش کی جائے تاکہ مقتداروں کو ان کا حق ملے۔ زمانہ گزرنے سے شرماعتق باطل نہیں ہوتا ان کا دعویٰ ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء

مولانا عبد الباری ندوی:

مولانا عبد الباری مرحوم نے ندوہ میں حضرت سید صاحب سے پڑھا ہی تھا اور حضرت مولانا احرار علی تھانویؒ سے رشتہ بیعت و ارادت کے تعلق سے دونوں خواجہ ناش بھی تھے۔ سید صاحب انھیں اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ ان کے نام سید صاحب کے بہت قیمتی خطوط ہیں جو ابھی شائع نہیں ہوئے۔ بعض خطوط کے اقتباسات، مولانا عبد الباری مرحوم نے سید صاحب پر اپنے مضمون مطبوعہ معارف سلیمان خبریں پیش کیے ہیں۔ یہاں یہ طور تبرک اس مضمون سے دو خط جو بہ ظاہر مکمل نظر آتے ہیں، پیش کیے جاتے ہیں

(۱۸۴)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ زیری صاحب نے حضرت مولانا شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں نے ان کی کتابیں نہ پوری پڑھیں اور نہ ان کے جواب دیئے تاکہیں ارادہ کیا۔ آپ اگر جواب لکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکنا نہیں تاہم میں اپنی طبیعت کی بنا پر زیری صاحب کو اپنی موت آپ مر جانا زیادہ پسند کرتا ہوں، تاہم اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہیں تو غلام کو حضور مغرب کے درمیان میرے عزیز خانہ پر مل سکتے ہیں جو انڈیا ایٹی کشر جہاگیر روڈ کے پاس جمن اسٹریٹ میں ہے مکان کا نام ڈار حنزل ہے۔ دروازہ پر نام کا بورڈ لگا ہوا ہے۔

والسلام

سید سلیمان

دہلی۔ ۲۲ جولائی ۱۳۵۷ھ

(۱۸۵)

برادر مکرم!

میری عمر اب ساٹھ سال کے قریب آگئی۔ میں دنیا کو نہ چھوڑوں، دنیا خود چلے چھوڑے

رہی ہے۔ اب نہ دارالمعتنفین سے زیادہ دل چسپی ہے، نہ ندوہ سے اور نہ ملی مقامات و تصانیف سے۔ چوں کہ میری روزی قلم سے وابستہ ہے اور گھر میں اثاثہ بھی نہیں، اس لیے ناچار پڑا پھرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ بہت دے کہ ترک تعلق کر سکوں۔ آپ بھی میرے لیے دعا فرمائیں۔

(۱۸۹)

برادر ام! میم تلب سے دعا کیجیے کہ دارالمعتنفین کی یہ چھوٹی سی برادری مراط مستقیم کو پا کر اس پر قائم رہے اور ہم لوگوں کی مہاجر کی محنت ہمارے لیے وبال آخرت بننے کے بجائے باعث برکات و خیرات ہوئیے

بیم سید محمد بشیر دینوی

(۱۸۶)

عزیزہ سلمہا اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
مجھے تمہارے اس خط سے بہت خوشی ہوئی۔ میرے والد مرحوم کو تمہارے نام سے
بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ تمہارے تایا میرے والد سے مرید تھے اور وہ ان کو شل اپنے

لے جیسا کہ مضمون اور اس خط کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے، و مراط مستقیم سے مراد
صوف و طریقت کا وہ راستہ ہے جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ سے قیام بیعت
اور عزم تقلید کے بعد حضرت سیدنا طائف نور اللہ مرقدہ پر واضح ہوا تھا اور عمر بھر کی محنت جس
کے وبال آخرت بننے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، سیرت، نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی
تالیفات و تدوین اور ملی و دینی خدمت کے مشاغل روز و شب تھے۔

اس مراط مستقیم کی طرف ہدایت اور اس پر ثبات کے لیے سید صاحب اپنے رفقاء علی
و دینی اور دارالمعتنفین کی چھوٹی سی برادری کو خدا و رسول کی باتیں سناتے اور کتاب و سنت کے
مطالعے اور اس میں فکر و تدبیر کے بجائے "حضرت" کی خانقاہ طریقت کی باتیں سناتے تھے حضرت
کی تصنیفات کی طرف متوجہ فرماتے تھے اور حضرت کی تصنیفات ہی کو باعث برکات و
خیرات تصور فرماتے تھے

بڑے بھائی کے سمجھتے تھے۔

مرید اوسنے کے لیے سب (سے) بڑی چیز بھی ہے کہ عقیدہ ہو کہ اُس کی باتوں اور شہدوں کا اثر ہو۔

بالفعل تم میری بتائی ہو کہ میں پڑھو۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہشتی زید ذرا غور کی نظر سے پڑھو اور پھر اپنے حالات اور اعمال کا جائزہ لو کہ تم میں کیا کیا کمی ہے اور اس کو کیسے پورا کرو۔

غیر محرم سے پردے کا اپنے اور اپنی رنگیوں کا خیال رکھو اور سب کو نماز کی تکلیف کو ظہر کی نماز فرض کے بعد دو دو رکعت کر کے چار رکعت پڑھو۔

عصر کے فرض سے پہلے چار رکعت مسنونہ پڑھو۔
مغرب کے بعد چار رکعت، دو دو رکعت کر کے آذان کی نماز پڑھو۔
جوسکے تو رات کو آٹھ کر تہجد کی نماز پڑھو۔

عصر اور ظہر کی نمازوں کے بعد ۳۲ دفعہ سبحان اللہ، ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۴۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔

تمہارے ذمے اگر فقہانِ مازبی یا فقہارِ روزے باقی نہوں تو ان کو ادا کرو۔
اگر زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو ہر سال کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرو۔ شادی کے وقت سے زیوروں کی زکوٰۃ کا حساب لگاؤ۔

ہفتے عشرے میں خط لکھ کر مزید باتیں دریافت کرنا اور لکھنا کہ تم نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔ والسلام

عزیز می ڈاکٹر صاحب اور تمہارے بچوں کے حق میں دماغی خیر کرنا ہوں۔
سید سلیمان

مولوی عبدالرحیم صاحب (حمایتِ مگر۔ جیدر آباد دکن)

(۱۸۸)

مکتوب الیہ نے مسئلہ استعداد کی تفصیل اور مولانا جامی کی ایک رباعی کی شرح دیانست
فرمائی تھی۔

• مکرم و محترم ادام اللہ تعالیٰ فیہ فیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ والحمد للہ بخیریت ہوں۔

شوقِ مطالعہ کے ساتھ انشاء اللہ شوقِ عمل میں جس کی نہیں ہوتی ہوگی کہ اصل مقصود یہی
ہے وہو ولیکم بماکنتم تعملون^۱ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت و قربت و ولایت صحبت
عقائد کے بعد عمل سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ مسائل اصل میں علمِ کلام کے ہیں، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تحقیق ہے،
مگر حضراتِ صوفیہ نے ان مسائل میں اپنا خیال بھی ظاہر فرمایا ہے۔ بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ
کے اتباع میں اس فقیر، بچہاں کو ان مسائل سے اذرا و تقصوف کوئی دلچسپی نہیں۔

حضرت والا تھانویؒ کے ارشاد کے معنی میرے خیال میں یہ ہیں،

”استعداد“ دو معنی میں بولا جاتا ہے، ایک بمعنی قابلیت اور دوئم بمعنی امکان ذاتی۔
اول معنی کی بناء پر استعداد معمول ہے اور ثانی معنی کی بناء پر استعداد غیر معمول ہے۔ یعنی استعداد
بمعنی اول معمول ہے کیوں کہ وہ وجودی چیز ہے اور استعداد بمعنی دوئم غیر معمول ہے کیوں کہ
وہ عدمی ہے اور عدمی غیر معمول ہوتا ہے اور اس کے غیر معمول ہونے میں کوئی قباحت
نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ افاضہ نوریہ ہدایت کے قبول کی یہ صلاحیت بندوں میں اللہ تعالیٰ
کی بنائی ہوئی اور دی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے جبر کے الزام کے رفع کے لیے بعض صاحبوں نے یہ راہ اختیار کی
ہے کہ بندوں میں اچھے اور برے اور سعید و شقی ہونے کا بذاتہ امکان ہے اور امکان

۱۔ حضرت سید صاحبِ رجوم نے اس مقام پر ”وهو ولیکم بماکنتم تعملون“ الفاظ درج فرمائے ہیں۔
اس پر الفاظ قرآن کا شبہ نہ ہونا چاہیے۔ قرآن کی آیت، انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون
الصلوة ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون (مائتہ: ۵۵) ہے۔

ذاتی عزیز معمول ہوتا ہے اور قدیم، اس لیے اچھے اور بُرے ہونے اور سعید و شقی ہونے کا بندوں کے لطائف میں امکان اللہ تعالیٰ کے جبل سے نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ امکان ذاتی قدیم کے متقنی کے خلاف کر سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے کہوں کہ قدیم تبدیلی سے پاک ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر جبر کا الزام نہیں آتا۔ حضرت مولانا اس تاویل یا تفسیر کو اس لیے نہیں مانتے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مجبور ہونا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امکان ذاتی قدیم کے خلاف کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

مولانا جانی کی رہبیت کی شرح مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک رسالہ میں کی ہے وہ مجھے نہیں ملا، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔

بندہ محمد سلیمان

شیخ وحید احمد بدایونی

(۱۸۹)

”مکتوب الیہ“ شیخ وحید احمد بدایونی کی قلمی بستی فیض پور کے فریدی خادق خانہ کے معزز رکن تھے ان کی تعلیم علی گڑھ اور لندن میں ہوئی، تحریک خلافت میں عمل حصہ لیا۔ وہ آزادی ہند کے بعد یو۔ پی گورنمنٹ میں پارلیمنٹری سیکریٹری (۱۹۴۷ء) رہے، انھوں نے ۱۹۱۹ء میں ایک علمی و ادبی رسالہ ”تقیب“ نکالا۔ قصوف اور تاریخ پر ان کی قابل قدر تصانیف ہیں۔ ۱۹۷۷ء کو جدہ کا انتقال ہوا۔

(ڈاکٹر محمد الوب قادری مرحوم)

مکرم السلام علیکم
سزا نامہ ابن بطوطہ کے جس ترجمہ کی نسبت آپ نے دریافت کیا ہے۔ میں بھی اس کا غالب ہوں۔ کئی اجداد کو کما، ولایعہ میں شعیب قریشی اور عبدالرحمان صدیقی نے مجھ سے اٹھاتھا۔ ہمارے ہاں کتب خانہ میں نہیں اور نہ کسی کتب فروش کی جرئت میں

”نقیب“ کے لیے آپ مجھے مضمون کی مزائش کرتے ہیں۔ اے کاش! میں اس لائق ہوتا، نقیب کا جو نقطہ خیال میں سمجھتا ہوں اس کے مطابق آپ یقین کیجئے کہ ایک سطر کہنے سے ہی عاجز ہوں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اس صنعت ادبیات کی تحقیر کرتا ہوں بلکہ میں دل سے اس کا قدر دان ہوں اور ”نقیب“ کو ہر پسینے دل چسپی سے پڑھتا ہوں۔ نصیحت کا تلخ گھونٹ باسانی انسان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ جب تک شوخی و طراقت کی ٹسکریں اس کو ملفوف نہ کر لیجیے۔ مگر اس میں بعض لوگ اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ متانت اور سنجیدگی کا ذائقہ اس میں باقی نہیں رہتا لیکن ”نقیب“ نے جس اسلوب ادب کا تتبع کیا ہے وہ اعلیٰ سنجیدہ شوخی اور بہترین مہذب و متین طراقت کی مثال ہے۔ اس کی ہنسی زیر لب مسکراہٹ سے آگے نہیں بڑھتی اور ہلکے ہلکے کے قہقہہ کی آواز نہیں بن جاتی، اہل دل اس کو سمجھ کر مبسم ہو جاتے ہیں اور ناشناس اس کو نہ سمجھ کر کمد نہیں ہونے پاتے۔

ہماری زبان میں یہ صنعت کلام ابھی ناپید ہے، نظم میں یہی جو سودا اور فغاں کے معنی و جراثیم کے ہزلیات ہیں۔ اور نثر جدید میں بچنے کی جلدیں، مگر یہ زمین اعلیٰ و مرست طلب ہے۔ سعدی سے بڑھ کر ہمارے بوڑھے ادیبوں میں کون ہوگا لیکن پسند نامہ سعدی کے ساتھ ساتھ مطابقت سعدی کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔ اردو میں جدید طرز پر لکھنؤ اور پٹنہ کے بعض انشا پردازوں نے داغ بیل ڈالی مگر وقت کی مغل نے ان کو داد دے دے کر تہذیب و متانت کی حد سے آگے بڑھا دیا۔ گویں انداز عبارت میں ہیزم خشک ہوں کہ میرے اسلوب بیان کے لب پر کبھی مسکراہٹ ہی طاری نہیں ہوتی۔ لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی اہم سے اہم اور سنجیدہ موضوع نہیں جس پر ”نقیب“ کے طرز انشا کا قلم آسانی اور کامیابی کے ساتھ رواں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے بدایوں کے مصنف ”تجاہل عامیانہ“ کو دارالمصنفین کی طرح ایک ذرا التجاہل قائم کرنا چاہیے ورنہ ڈر ہے کہ ان کے بعد یہ طرز ناپید نہ ہو جائے۔ سید محفوظ علی صاحب

جوش صاحب اور تاقی عبد الغفار صاحب تین مناہر سے کوئی دنیا نبی ہے جو آج بنے
گی پہلے تو پار مناہر تھے اور اب ستر بہتر ہیں۔ آپ اپنی دنیا کے لیے ان دونوں کے
بیچ میں تو مناہر کی تعداد پیدا کیجیے۔

اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی صاف کہتا ہوں کہ آپ کے رسالے میں کبھی کبھی خشک
سائنس اور بے شک فلسفہ و عقلیات کے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں۔ میرے خیال میں
”خشک“ و ”تر“ اور ”رطب و یابس“ یکجا نہ جمع ہونے پائیں۔ ایسے مضامین دفتر معارف میں
بیچ دیا کیجیے جہاں ”زاہدین“ تردا من و خشک خصال“ رہتے ہیں۔ دعا گو
سید سلیمان

تذکرہ
مکتوب الہیم

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور کے مکتوب الہیم کے مختصر سوانحی اشارات

مؤلف

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری

ارجمندی

احمد الدین نظامی، مولوی

اکبر شاه خاں نجیب آبادی

الطاف علی بریلوی، سید

تمکین کاظمی

جیمس الرحمن خاں شروانی، نواب مدنیار جنگ

حفیظ جان دھری

جیا، صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا

رتیس احمد صغریٰ، سید

ساعر نظامی

غلام احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر

عبدالباقی ندوی، مولانا

عبدالرزاق کان پوری، مولانا

عبدالعزیز حسین، مولانا علامہ

عبدالحق، ڈاکٹر سید

عبدالحق خٹائی، ڈاکٹر

عبدالحق قریشی

عبدالحق، خواجہ

عشری، امتیاز علی خاں

علی حسن خاں، نواب

غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر

مالک رام

محمد ابراہیم، مولانا

محمد امین زبیری، مولوی

محمد عرفان، مولانا ابوالعارف

محمود صدیقی، لکھنوی

مہر، مولانا غلام رسول

نصیر الدین ہاشمی

نظامی ہدایتی

وحید قیصر ندوی

ہمایوں مرزا

اثر صہبائی:

پورا نام خواجہ عبدالمسیح پال اور تخلص اثر صہبائی تھا والد کا اسم گرامی خواجہ احمد پال تھا۔ پال کشمیری راجپوتوں کی ایک ذات ہے۔ اثر صہبائی ۲۷ دسمبر ۱۹۱۵ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیال کوٹ کے امریکن شہنشاہی اسکول اور اسلامیہ ہائی اسکول میں حاصل کی اور یہیں سے ۱۹۱۸ء میں میٹرک پاس کیا۔ مزید تعلیم کے لیے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۲ء میں بی اے پاس کیا، فلسفے میں آنرز کیا بعد ازاں گورنمنٹ لاکالج سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۲۹ء میں فلسفے میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

مختلف مشاغل میں معروف رہنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں جوں میں پبلک اسیکیوٹر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد جوں کشمیر ہائی کورٹ میں اسسٹنٹ ایڈوکیٹ مقرر ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد سیال کوٹ کوٹ آئے اور سیال کوٹ میں پرنٹس شروع کی۔ ۱۹۳۸ء میں اسسٹنٹ کسٹوڈین مقرر کیے گئے لیکن جوں میں انھیں پبلک پراسیکیوٹر بنادیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں امفر حسین لودھیانوی نے تذکرہ شعراے اردو شائع کیا تھا تو اس وقت وہ اسی عہدے پر فائز تھے۔

شاعری کا شوق گیارہ برس کی عمر میں پیدا ہو گیا تھا۔ تعلیم میں ترقی کے ساتھ مشق سخن جاری رہی اور عمدہ کہنے لگے۔ ان کے کلام کے مجموعوں میں جام صہبائی (رباعیات) نشتان (محب غزلیں اور نظمیں) جام طہور (راحت کدہ) روح صہبائی، جام رخصت و مہرہ چھپ چکے ہیں۔ اثر نے شعر کے تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نظیر لودھیانوی نے لکھا ہے کہ ان کا ذوق سخن سلجھا ہوا، کلام کیفیت و سرور سے مملو اور زبان شگفتہ و اسلوب دل نشیں ہے۔

اجید الدین نظامی، مولوی:

مولوی اجید الدین نظامی، امور آب کے نامور بیٹے تھے۔ ان کے والد مولوی نظام الدین حسین نظامی اردو کے نامور ادیب صحافی اور کل ہند سطح کے قومی تعلیمی خدمت گزار تھے۔ ۱۸۹۴ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کی درسی کتابیں پڑھنے کے بعد اسکول میں داخل کیے گئے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء

میں لندن کے سٹی اینڈ گھڈ انسٹی ٹیوٹ سے یونیورسٹی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔
 ۱۹۲۳ء میں آرٹس اینڈ کرافٹس گورنمنٹ اسکول، کنھٹو سے فائن آرٹس یونیورسٹی اور
 پریس کے دفتری امور کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں اسی اسکول کے طالب علم کی حیثیت
 سے صوبہ متحدہ کی حکومت نے فن لطاعت کی اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان بھیجا۔ وہاں
 انھوں نے لندن کاؤنٹی کونسل اسکول آف فوٹو انگریجنگ اینڈ یونیورسٹی میں فوٹو یونیورسٹی
 فوٹو انگریجنگ اور آف ٹون بلاک سازی کا کام عمل طور پر سیکھا۔ اس کے علاوہ انگلستان
 میں اس وقت کے مشہور ماہر فن لطاعت سٹرگڈین کے کارخانے میں رہ کر اس فن
 میں مزید مہارت، ہم پہنچائی اور سند اعتراف فن حاصل کی۔ لیکن اس فن میں ان کی مہارت
 کا سب سے بڑا اعتراف جو کئی اسناد پر مہارسی تھا، یہ تھا کہ انھیں لندن کی مشہور رائل
 سوسائٹی آف آرٹس نے اپنا فیلوشپ منتخب کر لیا۔

۱۹۲۵ء میں وہ لندن سے واپس ملک تشریف لائے تو صاحبزادہ آفتاب احمد خان
 وائس چانسلر مل گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انھیں یونیورسٹی پریس، علی گڑھ کا غیر مقرر کیا۔ تقریباً
 ایک سال انھوں نے اس خدمت کو بہ حسن و خوبی انجام دیا۔ لیکن ان کے والد ماجد
 حضرت نظامی کے ذہن میں ان کا مستقبل کس ملازمت سے وابستہ نہ تھا۔ انھوں نے
 نظامی پریس بدایوں کی ترقی کا ایک جامع منصوبہ بنایا اور پریس کے تمام کام قانونی
 طور پر ان کے ذمے کر دیے۔ اور خود پریس کے ہر قسم کے کام سے آزاد ہو گئے اب
 ان کے سامنے ذوالقرنین کی ترقی، تصنیف و تالیف، تعلیم کا فروغ و اشاعت، اور ملک
 قوم کی اصلاح، تعمیر اور قومی، ملی خدمات کے کام تھے۔

مولوی اجید الدین کی مہارت فن، محنت اور توجہ سے تھوڑے ہی عرصے میں
 نظامی پریس ہندوستان کے اعلیٰ درجے کے پریسون میں شمار کیا جانے لگا، انھوں نے لیتھو
 کی برقی مشینوں کے ذریعے نہ صرف اردو بلکہ انگریزی اور ہندی ٹائپ کی چھپائی کا
 اعلیٰ انتظام کیا۔

مولوی اجید الدین صرف پریس اور لطاعت کے کاموں ہی کے ماہر نہ تھے وہ
 اعلیٰ درجے کا ادبی ذوق اور تصنیف و تالیف کا سلیقہ بھی رکھتے تھے۔ متعدد رسائل
 کی ادارت سے ان کا تعلق رہا، وہ نہ صرف فنی تقاضا ان کی یادگار ہیں۔

مولانا طفیل احمد شگوردی کا ماہنامہ ”سومند“ جو علی گڑھ سے شائع ہوتا تھا، بدایوں سے شائع ہونے لگا اور مولوی احید الدین اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ زمیندار اور کسان کے نام سے ایک ماہنامہ مولوی فیض الدین فرشوری کی میڈیٹری میں بدایوں ہی سے شائع ہوتا تھا، وہ بھی مولوی احید الدین نظامی کی اسسٹنٹ ایڈیٹری میں نکلنا شروع ہوا۔ ایک ماہنامہ شمیم ہند، اس کے نام سے شیخ عبدالرؤف تاج پور عطر منوج سے نکالتے تھے۔ یہ رسالہ فن عطر سازی اور خوشبو سازی میں پورے ملک میں اپنی نوعیت کا شاید واحد رسالہ تھا۔ مولوی احید الدین کو اس کا بھی اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ ہفت روزہ اخبار ذوالقرنین بدایوں جو ان کے والد ماجد کی ادارت میں سن ۱۹۱۸ء سے جاری تھا، سن ۱۹۱۹ء میں لاگورس کی ہندوستان چھوڑ دو، تجویز و تحریک کی حمایت کے جرم میں مصلیٰ حکام نے بند کر دیا اور پریس میں تالا لگا دیا اور مولوی نظامی مرحوم اپنے خیالات بدلنے اور تحریک کی حمایت ترک کرنے پر تیار نہ ہوئے تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ خاندان کی معیشت کے انتظام اور ہندوستان کے مختلف اداروں کے لاکھوں روپے کے پھنسنے ہوئے کام کو نکالنے اور انھیں نقصان سے بچانے کے لیے ہفت روزہ ذوالقرنین بدایوں کی ادارت مولوی احید الدین کے نام منتقل کر دی جائے۔ مولوی احید الدین کے مدیر ہونے کے بعد اگرچہ ذوالقرنین نے اپنی حریت تو اذہی کی روش نہیں بدلی، لیکن انھوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ ذوالقرنین کو اس کی تمام سابقہ روایات کے ساتھ آخر دم تک جاری رکھا۔

ان کی مصلیٰ و فنی تصانیف میں لیتھوگرافی اور رہنما لیتھوگرافی کے نام سے دو تصانیف یادگار ہیں۔ لیتھوگرافی اردو میں فنی طباعت پر پہلی جامع کتاب تھی۔ ایک کتاب ہندوستان میں فنی مصوری کے نام سے ہے۔ انھوں نے ایک کتاب بچوں کے لیے حالاتِ انبیاء کے نام سے تحریر کی تھی۔ ذوالقرنین اور بعض دوسرے رسائل میں ان کے قلم سے متعدد مضامین بھی یادگار ہیں۔

مولوی احید الدین میں اپنے والد کا حق جانشینی ادا کرنے کی پوری قابلیت تھی۔ اور اس کے لیے انھوں نے بہترین کوشش بھی کی۔ قومی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ایثار و وقت و مال میں بھی اپنے باپ کی روایت کو جاری رکھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کلاش، یونیورسٹی مسلم دفعت بورڈ، کیمٹی اور بدایوں ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر مقرر کیے گئے،

حافظ صدیقی اسلامیہ انٹر کالج بدایوں کے اور پراڈنٹل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس یوپی کے سکریٹری رہے دیگر قومی سماجی خدمت کے کاموں میں حصہ لے کر اپنے عظیم باپ کی روایت کو زندہ رکھا۔

مولوی احید الدین نقاشی نے ۷ فروری ۱۹۷۹ء کو بدایوں میں انتقال فرمایا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کیے گئے۔

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مولانا

مولانا اکبر شاہ خاں ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء میں قصبہ نجیب آباد، ضلع بمبھدرہ یوپی میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم کا نام نادر شاہ خاں تھا۔ پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اکبر شاہ خاں کے بزرگ فنون سپہ گری میں شہرت رکھتے تھے لیکن ان کی شہرت کا باعث فنون علم و ادب ہوئے۔ وہ ایک عالم فاضل شخص تھے اور مودرخ اسلام کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۱۹۰۷ء میں مولوی نور الدین کے زیر اثر آگئے تھے اور قادیانی مذہب اختیار کر لیا تھا اور قادیان کو وطن بنا لیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کے ساتھ فہم سلیم بھی عطا فرمایا تھا، اس مذہب کی حقیقت جلد ہی ان پر مکمل گئی اور چند ہی سال کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو دوبارہ ایمان کی روشنی سے منور کر دیا۔ وہ قادیانیت سے تائب ہو گئے اور قادیان کی سکونت ترک کر کے اپنے وطن مالوٹ نجیب آباد لوٹ گئے۔

۱۹۱۷ء میں نجیب آباد سے ماہنامہ مہربت نکالا۔ ۱۹۱۸ء میں اسے بند کر کے لاہور چلے گئے۔ جہاں وہ کئی سال تک دیال سنگھ کالج اور لوکل کیمبرج کالج میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۲۱ء میں مولانا ظفر علی خاں خلافت تحریک اور ترک موالات کے سلسلے میں گرفتار ہو گئے تو کچھ مدت تک ہفت روزہ زمیندار کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ اسی سال وہ نجیب آباد چلے آئے اور مہربت کو دوبارہ جاری کیا۔

۱۹۲۳ء میں خدمتِ اہل حق کا فتنہ برپا ہوا اور اگرہ کے ملائقہ میں حکام راجپوتوں کے ارتداد کی خبر آئی تو مسلمان تڑپ اٹھے۔ اس موقع پر مولانا اکبر شاہ خاں نے بھی جمعیت ملائے ہند کے ایک تبلیغی وفد کے ساتھ اس علاقے کا دورہ کیا اور آریہ سماجیوں سے عزیمت

مقابلہ کیا اور راجپوتوں میں تبلیغ و اصلاح کر کے اسلامی خدمت انجام دی۔

مولانا اکبر شاہ خاں ایک بلند پایہ معنف اور مورخ تھے۔ تاریخ اسلام کئی جلدوں میں، مقدمہ تاریخ ہند، نظام سلطنت اسلامی سپاہیانہ زندگی، تدبیب اور توار معیار العلماء، قول حق، ائینہ حقیقت، غانا کی تعانیف ہیں۔ وہ اردو اور فارسی کے اچھے شاعر بھی تھے۔ آخر میں شاعری سے شغف جاتا رہا تھا اور تاریخ اسلام میں ان کا انہماک بہت بڑھ گیا تھا۔

۷ مئی ۱۹۳۸ء میں نجیب آباد میں ان کا انتقال ہو گیا۔

الطاف علی بریلوی، سید

سید الطاف علی بریلوی کے خاندان اور وطن، الوفا کا انہماک ان کے نام سے ہوتا ہے میٹرک کے سرٹیفکیٹ کی رو سے ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء سید صاحب کی تاریخ پیدائش ہے لیکن بہ قول ان کے صمیم سال پیدائش ۱۹۰۴ء ہے۔ والد مرحوم کا اسم گرامی سید اسحاق علی اور جد امجد کا اسم ساسی سید اصغر علی تھا۔

سید صاحب نے ۱۹۲۵ء میں ایڈورڈ میموریل اسکول بریلی سے میٹرک پاس کیا اور ۱۹۲۹ء میں علی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

ابتداءً وہ قنصلت سماجی، تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ یکم جون ۱۹۲۵ء ان کی زندگی کا ایک خاص دور شروع ہوا جب انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر علی گڑھ میں کام شروع کیا۔ ۱۹۳۱ء میں انہوں نے ایک ادارہ ”جلس معنفین“ کے نام سے قائم کیا اور معنف کے نام سے ایک سہ ماہی مجلے کا اجرا کیا۔ معنف کے

ذریعے علمی، ادبی، تاریخی، تعلیمی خدمات انجام دیں۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ جلس کی جانب سے کئی عمدہ کتابیں شائع ہوئیں۔

جون ۱۹۵۰ء میں سید صاحب ڈھاکہ کے راستے مغربی پاکستان آ گئے اور سندھ کے بعض مقامات میں کچھ عرصہ قیام کر کے کراچی آ گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

اس نئی زندگی کے دور میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اور سرسید گریڈ کالج کا قیام اہم علم کا اجرا ان کے کارنامے ہیں۔ کانفرنس اور اسلم کے ذریعے انہوں نے علمی، ادبی، تاریخی

تعلیمی میدانوں میں تعینیت و تالیف کی ایک مستقل تحریک پیدا کر دی اور کالج کے ذریعے تعلیم کے فروع میں انہوں نے اہم حصہ لیا۔ ۱۹۲۷ء میں کالج کو گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لے لیا تو سید صاحب یک سو ہو کر کانفرنس اودا تعلیم کی ترقی میں لگ گئے۔ سید صاحب نے کانفرنس کی طرف سے علمی، ادبی، تاریخی، تعلیمی موضوعات پر بہت اہم تصانیف اور تراجم شائع کیے۔ وہ خود بھی صاحبِ قلم تھے۔ انہوں نے چھوٹی بڑی تقریبات و درجن بکتا میں کہیں جن کے موضوعات تعلیم، تاریخ، سوانح، تحریکات تک پھیلے ہوئے ہیں۔

سید صاحب نہایت شریف، بیدار منزا اور جہاں دیدہ شخص تھے۔ وہ ہمیشہ مقصد سامنے رکھ کر اور منزل کو متعین کر کے سفر شروع کرتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۷ء کو کراچی میں انہوں نے انتقال کیا اور سنی حسن کے قبرستان میں مدفون خاک ہوئے۔

نگین کاظمی:

سید مصباح الدین نام، ابوالرضا کنیت اور نگین تخلص تھا۔ دکن کے شہر شاعر اور عالم ابوالحسن سید قسب الدین تھل کے بیٹے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنی والدہ سے پائی پھر حیدرآباد کے متعدد تعلیمی اداروں میں تحصیل ملی کی۔ ۱۹۳۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ملکہ کوتوالی، کروڑ گھر کمال میں کام کیا پھر وفردیوانی والی و لکی ویرہ میں خدات انجام دیں۔ ایک مدت تک رابر دکن، صبح دکن، رعیت، نظام گزٹ وغیرہ کی ادارت سے وابستہ رہے۔

ادبی ذوق ورثے میں ملا تھا، ذاتی شوق نے ہیز لگائی، وہ اپنے وقت کے عمدہ شاعر بھی تھے اور ارب و مصنف بھی۔ فنپہرہ جسم، مذکورہ ریختی، مقدمہ فریاد داغ، کے علاوہ مومن، داغ وغیرہ پر تصانیف، آسکوانڈ کے دو ڈراموں کے ترجمے، ویرہ متعلقہ کتابیں لکھ کر یادگار ہیں۔

حیدرآباد دکن میں انتقال ہوا۔

حبیب الرحمن خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ

حبیب الرحمن خاں شروانی ۵ رجب ۱۲۹۶ھ کو حبیب پور (ضلع علی گڑھ - یوپی) میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم کا اسم گرامی محمد تقی خاں شروانی (ت ۱۹۰۵ء) تھا۔ ان کے مورخہ اعلیٰ نویں صدی ہجری کے شروع میں ہندوستان آئے تھے۔

نواب صاحب مرحوم کے والد گرامی ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور دین دار بزرگ تھے۔ لیکن نواب صاحب مرحوم کی تعلیم و تربیت ان کے چچا محمد عبدالشکور خاں شروانی (ت ۱۹۰۷ء) کے زیر نگرانی ہوئی۔ عبدالشکور خاں مرحوم عربی کے عالم، امور ریاست کے ماہر اور مذہب کے بہت پابند تھے۔

نواب صاحب مرحوم نے ملک کے اکابر علماء و فضلا سے عربی، فارسی اور علوم دینیہ کی تحصیل کی تھی اور ہر قدر ضرورت انگریزی زبان کی استعداد بھی بہم پہنچائی تھی۔

نواب صاحب کے علم و فضل اور ملی و ادبی ذوق کا شہرہ پھیلا تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ارباب بست و کشاد نے شعبہ دینیات کی صدارت کی پیش کش کی جسے انھوں نے قبول فرمایا۔ جون ۱۹۱۵ء میں وہ حیدر آباد (دکن) تشریف لے گئے اور امور مذہبی کے صدر الصدور کی حیثیت سے خدمات انجام دینی شروع کیں ۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو پہلے شیخ الجامعہ کا اعزاز انھیں حاصل ہوا۔ حیدر آباد میں نواب صاحب نے تقریباً بارہ برس تک عظیم الشان مذہبی، تعلیمی، علمی خدمات انجام دیں۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں وہ سبک دوش ہوئے۔ ریاست نے ان کے علمی مقام اور حسن خدمات کے اعتراف میں انھیں "صدر یار جنگ" کے خطاب سے نوازا تھا۔

حضرت نواب صاحب علم و فضل کی بے شمار صلاحیتوں کے حامل، ذہن و فکر کے محاسن سے آراستہ، اعلیٰ دماغی اور بلند نظری کے صفات سے متصف اور اخلاق و سیرت کے محاذ کا مجموعہ تھے۔ اس کے ساتھ ان میں ایک اعلیٰ مذہب اور منظم کے اوصاف بھی موجود تھے۔

نواب صاحب مرحوم ایک بلند پایہ مصنف اور اردو فارسی کے اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے۔ اردو میں امیر مینائی سے اور فارسی میں آغا سنجریائی سے مشورہ معنی کرتے تھے۔ تخلص حسرت تھا۔ کاروان حسرت اور بوستان حسرت کے نام سے ان کے اردو

اور فارسی کلام کے مجموعے چھپ چکے ہیں۔ تصانیف سیرۃ احمد بن محمدؒ تذکرۃ بابروہا و
عزیز، مہارے سلف وغیرہ یادگار ہیں۔

حضرت نواب صاحب علیہ الرحمہ نے ۱۱ اگست ۱۹۱۹ء کو علی گڑھ میں انتقال
فرمایا۔ ان کی موت فردوس کی موت نہ تھی بلکہ آپ کی وفات سے امارت کے بہترین
ادوات، علم و اخلاق کے فضاں اور تہذیب اور مشرقی روایات کے ایک پورے
جہد کا خاتمہ ہو گیا۔

حفیظ جالندھری

حفیظ الدین نام اور حفیظ تخلص تھا۔ جنوری ۱۹۱۹ء میں مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر
میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مسجد کے مکتب میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے جالندھر
کے ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ تعلیم کا سلسلہ ہائی اسکول سے آگے نہیں بڑھ سکا البتہ
شاعری میں انھوں نے کمال حاصل کیا۔ شاعری میں انھیں مولانا گرامی سے تلمذ حاصل تھا۔
ہکی چکی نقلیں اور گیت لکھنے میں انھیں مکہ حاصل تھا۔ ان کی شہرت شاہنامہ اسلام
سے ہوئی۔ شاہنامہ چار جلدوں میں تاریخ اسلام کے ابتدائی ایام کے اہم واقعات
کی متلوم تاریخ ہے۔ ان کی شہرت کا دوسرا سبب پاکستان کے قومی ترانے کی
تخلیق بنا۔

مغزن لاہور کا دور ثانی دہائی سے شروع ہوا تو اس کے ایڈیٹر حفیظ جالندھری تھے۔
انگریزی حکومت نے انھیں "خان صاحب" اور "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ قوم نے
انھیں ابوالاثر کے خطاب سے نوازا۔

دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں بھرتی کے نکلے میں ڈاکٹر رہے تھے۔ پاکستان بننے
کے بعد حکومت نے یہی امداد کے نکلے کا ڈاکٹر بنا دیا تھا۔ اس نکلے کے ختم ہو جانے کے
بعد نکلے قومی تعمیر نو کے مشیر مقرر کر دیے گئے اور جب تک یہ نکلے قائم رہا وہ بغیر رہے۔
لیکن یہ حکومت کی جانب سے ان کی محض سرپرستی تھی۔ حکومت پاکستان نے ان کا
ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

۲۱ دسمبر ۱۹۸۶ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

حیا، صغرا بیگم ہمایوں مرزا:

صغرا بیگم نام اور حیا خلتس تھا۔ دکن کی مشہور ادیبہ، خلیبہ، شاعرہ اور قومی خدمت گز اور قیس۔ والد گرامی کا نام ڈاکٹر صفدر علی مرزا تھا اور مشہور قانون دان ہمایوں مرزا سے رشتہ زوجیت میں منسلک تھیں۔

۱۸۸۳ء میں حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئیں۔ اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی اور صرف غر پر۔ شاعری کا شوق تھا اور حضرت جلیل سے مشورہ سخن کرتی تھیں۔ ان کی ایک غزل پر ملازم اقبال نے بھی اصلاح دی تھی۔ لیکن ان کی زیادہ توجہ نشر کی طرف تھی۔ ۱۹۱۵ء میں "النساء" کے نام سے ایک ماہنامہ حیدر آباد دکن سے جاری کیا تھا جو ایک مدت تک جاری رہا تھا۔ کچھ مدت تک ماہنامہ زیب النساء لاہور کی ادارت بھی فرمائی تھی۔

۱۹۲۲ء میں جب نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے "حیدر آباد کی نسوانی دنیا" تالیف کی تھی تو انہوں نے لکھا تھا "کئی سال سے رسالہ زیب النساء آپ کی ایڈیٹری میں لاہور سے شائع ہوتا ہے" ان کی چودہ پندرہ کتابیں تو ۱۹۲۲ء تک شائع ہو چکی تھیں، تعنیف و تالیف و اشاعت کا سلسلہ بعد تک جاری رہا۔ ان میں ان کے ملک اور بیرون ملک کے متعدد سفر نامے، ناول، مختصر افسانے اور سوانحی و اصلاحی کتابیں شامل ہیں۔ اصلاحی، معاشرتی مضامین کا مجموعہ "مقالات صغریٰ" کے نام سے یادگار ہے۔

قومی کاموں میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ اپنے والد ماجد کی یاد میں مدرسہ صفدریہ قائم کیا، جس میں لڑکیوں کو عام تعلیم کے علاوہ صنعت و حرفت اور گھریلو دست کاری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مدرسے کے اخراجات کے لیے اپنی جائیداد کا ایک حصہ وقف کر دیا تھا۔ وہ نہایت کشادہ دست اور خیر خاتون تھیں۔ ان کا شمار حیدر آباد کی ممتاز خواتین میں ہوتا تھا۔

تسلیں مابدی نے "سمنوربان دکن" میں، مولانا اماد صابری نے "تاریخ صحافت اردو جلد پنجم" میں، سید محی الدین قادری زور نے "داستان ادب حیدر آباد" میں ان کی ادبی، علمی، صحافتی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ سب سے زیادہ مفصل اور مستند تذکرہ نصیر الدین ہاشمی نے "حیدر آباد کی نسوانی دنیا" میں کیا ہے۔ تسلیں مابدی اور اماد صابری نے ان کے کام کا نونہ بھی دیا ہے۔

۱۹۵۹ء میں حیدرآباد دکن میں انتقال ہوا۔

رئیس احمد جعفری سید:

اردو کے مایہ ناز ادیب، صحافی، مصنف، سید و رئیس احمد جعفری سیٹاپور (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کی پیدائش ۱۹۱۲ء میں مکیم پور (یوپی) میں ہوئی۔ ان کی والدہ امینا بیگم ریاض خیر آبادی کے حقیقی بھائی نیاز احمد کی بیٹی تھیں۔ جعفری صاحب کے والد سید نافر حسین کا انتقال جعفری صاحب کے بچپن میں ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی پرورش اور تعلیم کا ابتدائی زمانہ خیر آباد میں حضرت ریاض کی سرپرستی میں گزرا۔ جعفری صاحب کی مزید تعلیم ندوۃ العلماء، مکھنڈ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ہوئی۔ کھنہ کا حقوق کیلیں زندگی ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ ”حیات محمد علی“ ان کی پہلی تصنیف ہے، جس نے انھیں علمی و ادبی دنیا میں روشناس کرایا۔ ۱۹۳۷ء میں ”خلافت“ بیٹی کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ مولانا شوکت علی کے انتقال کے بعد روزنامہ ہندوستان“ بیٹی سے جڑی کیا۔ پھر انقلاب“ بیٹی کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یگی ذہن کے صحافی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء کے شروع میں پاکستان آ گئے۔

اولاً کراچی سے روزنامہ خورشید نکالا۔ لیکن جذباتی تنقیدی صحافت کا درد گزر چکا تھا ضرورتِ تعمیری ذہن کی تھی اور جعفری صاحب کے لیے تعمیری ذہن بنا نا ممکن نہ تھا۔ خورشید بند ہو گیا۔ اہنامہ ریاض جاری کیا۔ علمی رسالہ تھا لیکن معاشرتی زندگی میں ابھی تک غمراؤ نہ پیدا ہوا تھا اور جعفری صاحب کے پاس جن بزرگوں کے نام اور جن کی عقیدت کا سرمایہ تھا، اس کا خیر بار بازار میں عطا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے بھی میں تحریک پاکستان کا معرکہ سر کیا تھا یہاں ان کی خدمات کا اعتراف کیا جائے گا۔ نفسا نفسی اور آ پا دھالی کا منظر تھا۔ سالانہ انھیں ایسے کیا، اب لازمیت کی ٹھانی تھ اور پلے گئے۔ زمیندار نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہر دو فریق اپنے مفاد میں ایک دوسرے کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ جعفری صاحب انکا زمیندار سے اور وہ ان سے ایسے ہوئے۔ جعفری صاحب نے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں لازمیت کر لی، زمیندار نے دوسرا ایڈیٹر تلاش کر لیا۔ ثقافت اسلامیہ میں جعفری صاحب اہنامہ ”ثقافت“ کے ایڈیٹر تھے۔ ثقافت کا نام بدل کر المعارف کی گیا۔ جعفری صاحب کے

جذبہ صادق میں شک نہیں لیکن وہ علی شخصیت نہ تھے ایک اچھے ادیب اور صحافی ہونے میں خیر نہیں وہ المعارف کو معارف اعظم گڑھ کا مثیل نہ بنا سکے اور امارت ایک دوسرے درجے کے ادبی ماہر نے سے بلند کہیں نہ ہو سکا۔

لازمیت کے ماتر جعفری صاحب نے لاہور کے کئی پبلشرز کے لیے معاوضے پر ترجمہ اور تالیف کے کام کیے اور اس میں وہ کامیاب ہی رہے۔ مولانا محمد علی کے نام پر اکیڈمی قائم کی۔ اس سے کئی عمدہ کام اشاعت پذیر ہوئے لیکن اکیڈمی چل نہ سکی۔

جعفری صاحب ایک بہت کامیاب اہل قلم تھے۔ انھوں نے علی ادبی موضوعات پر کئی مکتبیں، ناول اور افسانے تخلیق کیے، ترجمے کیے۔ تین سو سے زیادہ ان کی تصنیفات و تخلیقات یادگار ہیں۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو لاہور میں اچانک ان کا انتقال ہو گیا۔ کراچی میں تدفین علی میں آئی۔

ساعر نظامی:

سردار محمد میا رخاں نام اور ساعر قلم سے تھا، نظامی، خواجہ حسن نظامی سے بیعت کی نسبت سے ان کے نام کا جز بنا۔ والد مرحوم کا اسم گرامی سردار احمد یار خاں تھا۔ جو عربی فلکی، انگریزی زبانوں پر بھی قدرت رکھتے تھے۔

ساعر کا قدیم وطن باندہ دیوپی، تھا۔ ان کے والد کا مستقل قیام علی گڑھ میں رہتا تھا۔ ساعر ۲۲ دسمبر ۱۹۵۵ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کی تعلیم کا آغاز گھر پر ہوا۔ بعد گورنمنٹ ہائی اسکول، علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔

ساعر مرحوم کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۷۳ء میں ماہنامہ پیام آگرہ کی ادارت سے ہوا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں انھوں نے ماہنامہ مستقبل، ہفتہ وار علی گڑھ پنج، ہفتہ وار استقلال علی گڑھ، ماہنامہ ایشیا دہلی، مہجوری وغیرہ ادبی اور خراجہ اخبارات و رسائل کی ادارت کی۔

ساعر نظامی ایک، بلند پایہ ادیب انسانہ نگار اور صحافی کے علاوہ بہت بڑے خاعر بھی تھے، حساب، اکبر آبادی سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ اور قلم، غزل، رباعی میں انھوں

نے ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی بہت بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ آزادی کے بعد تو وہ ہندوستان کے صوبہ اودھ کے چند شعرا میں شمار کیے جاتے تھے۔

قومی خدمت کے میدان میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ نیشنلسٹ خیال کے مالک تھے جو ہر حال نہرو سے تعلقات تھے۔ انہی کی خواہش پر آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جہاں انہوں نے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۴ء تک خدمات انجام دیں۔ حکومت ہند نے ان کی قومی اور ادبی خدمات کے احترام میں "پدم بھوشن" کے اعزاز سے نوازا تھا۔ قومی مجلس اداروں سے جس انہیں کئی اعزازات سے نوازا گیا تھا۔

ساریخ، ادب، شاعری وغیرہ میں ان کی ایک درجن سے زیادہ تفنیفات و تخلیقات یادگار ہیں جن میں شبایات (۱۹۲۵ء)، تہذیب کی سرگزشت (۱۹۲۷ء)، مہوی (۱۹۳۲ء)، مشائخ مارہرہ (۱۹۳۳ء)، لہکشان (۱۹۳۳ء)، بادہ مشرق (۱۹۳۵ء)، رنگِ ملی (۱۹۳۷ء)، موج و ساحل (۱۹۴۸ء)، شعلِ آزادی (۱۹۵۷ء) بہت مشہور ہیں۔
دہلی میں مستقل سکونت تھی۔ وہیں ۲۷ فروری ۱۹۸۳ء کو انتقال ہوا۔

ظہیر احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ۱۰ جولائی ۱۹۲۹ء کو بایوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد پروفیسر ضیاء احمد بایوی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نامور اور معزز استاد تھے۔
ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کی تعلیم کے بیشتر مراحل علی گڑھ میں طے ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی بعد میں فارسی میں ایم اے کر لیا اور مومن فن اور شخصیت کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۳ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں اردو لیکچرار شپ سے علی زندگي کا آغاز کیا۔ یہ جگہ عارضی تھی۔ بعد میں سینٹ اسٹیفنس کالج میں اور دہلی کالج میں خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۶۱ء میں دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے وابستہ ہوئے۔ شعبے کے صدر بھی رہے اور پروفیسر کے عہدے تک ترقی کی اور ایک مدت تک استاد اور محقق و مصنف کی حیثیت سے زمان و ادب کی بہترین خدمات انجام دے کر ریٹائر ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب ڈیڑھ جن سے زیادہ علمی، ادبی، تحقیقی کتابوں کے مصنف اور بہت سے علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے رکن ہیں۔ دہلی میں قیام ہے۔ وہ اپنی ذات سے نہایت شریعت اور نیک ولینت شخص ہیں۔

عبد الباری ندوی، مولانا:

برصغیر پاک و ہند کے مشہور مصنف، اہل قلم اور تاحمد ندوی مولانا عبد الباری، ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۸۹۲ء کو "مکڑی" ضلع بارہ بنگی (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم عبدالحق ایک دین دار بزرگ تھے۔

مولانا نے ابتدائی بارہ بنگی میں حاصل کی پھر مدرّۃ العلماء، کھنؤا گئے۔ وہ مولانا علامہ شبلی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور اُس جماعت سے تعلق رکھتے تھے جس کی مولانا شبلی نے خاص طور پر علمی تربیت فرمائی تھی۔

وہ ایک عمر سے تک دارالمصنفین اعظم گڑھ کے شعبہ تالیف و تصنیف میں خدمات انجام دیتے رہے۔ غالباً ۱۹۲۳ء میں حیدرآباد (دکن) تشریف لے گئے اور جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے، فلسفہ، اخلاق و تصوف، تعلیم وغیرہ میں آپ کی نہایت مفید اور بلند پایہ تصانیف اور تراجم یادگار ہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت تھے لیکن ان کی تربیت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمائی تھی۔

۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء کو بروز جمعہ کھنؤا میں جہاں ان کا مستقل قیام تھا، انتقال فرمایا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ڈال گلج (کھنؤا) کے قادیان قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

عبدالرزاق کان پوری، مولانا:

مولانا عبد الرزاق کانپوری اکتوبر ۱۸۷۲ء میں سیال کوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی ابی بخش اپنے وقت کے مشہور تاجم اور رجال تھے۔ آباؤ اجداد فرخ آباد (یوپی) کے رہنے والے تھے، لیکن ۱۸۷۵ء کے بعد ان کے والد نے ترک سکونت کر کے کان پور کو رہنا وطن بنالیا تھا۔

مولانا کان پوری نے اردو کی ابتدائی تعلیم پورہ سمرہ (ضلع اگرہ - یوپی) میں پائی۔

نظامیہ کی تحصیل مدرسہ عام فیض عام، کان پور، کے مشہور مدرس مولانا احمد حسن مقول اور مدرسہ سید رنگیاں سے کی اور حدیث کا کچھ حصہ مولانا محمد علی مرحوم، ناظم اقل دارالعلوم ندوۃ العلماء (کنٹون) سے ان کے قیام کان پور کے زمانے میں پڑھا۔

۱۸۹۹ء سے ۱۸۹۶ء تک کلکٹری کان پور میں ملازم رہے۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء میں پرنسپل پور میں سررشتہ دار ہو گئے۔ دسمبر ۱۸۹۶ء میں لازمیت چھوڑ کر بھوپال چلے گئے اور تحصیل دار مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں تاریخ اسلام کے تنظیم کے عہدے پر تقرر عمل میں آیا۔

ابراہیم نظام الملک طوسی، تاریخ مآثر جلالی، تاریخ اسلام، عہد جاہلیت عرب، عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ آپ کی تصانیف ہیں، مولانا کان پور ہی اس دور کے مشہور محقق اور تاریخ دان تھے۔

۱۸ فروری ۱۹۲۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

عبد العزیز مبین، مولانا علامہ:

مبین قوم نے تجارت کے میدان میں جواہر حاصل کیا ہے وہ ملکی تاریخ کا ایک معلوم واقعہ ہے لیکن اسی قوم کے فرد عبد العزیز نے علم کے میدان میں مشرق سے مغرب تک جو عزت اور شہرت حاصل کی وہ پوری اسلامی اور عرب دنیا کا سرمایہ فخر ہے۔

مولانا عبد العزیز مبین کے والد اکرم کا اسم گرامی عبد الکریم بن یعقوب بن ربانی تھا۔ وہ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں بہ مقام گوندل ضلع راجن کوٹ (مہاراشٹر - بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۸ء میں دہلی چلے گئے۔ ان کے اساتذہ میں ڈپٹی منڈیر احمد، محمد بشیر سبزواری، شیخ حسین بن حسن انصاری میانی، مولانا عبد الرحمن ٹنڈی، مولانا احمد حسن محدث، امروہوی وغیرہ وقت کے مشہور محدث، علمائے دین اور اردو اور عربی کے نامور ادیبوں کے نام آتے ہیں۔

ایڈورڈ کالج، پشاور میں استاد عربی کی حیثیت سے علمی زندگی کا آغاز کیا۔ مختلف اوقات میں اورینٹل کالج، لاہور، ملی ٹیچر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، کراچی یونیورسٹی، کراچی میں خدمات تدریس انجام دیں۔

مولانا عبدالعزیز مین ۱۹۵۱ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے ریٹائر ہوئے تھے۔
پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۷ء تک کراچی یونیورسٹی
میں شعبہ عربی کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد پنجاب
یونیورسٹی میں کچھ عرصہ عربی کے پروفیسر رہے۔

مولانا مین مرحوم عربی زبان و ادب اور لسانیات میں بڑی گہری فکر رکھتے تھے۔
انہوں نے جو عربی مخطوطات ایڈٹ کیے، شرح کئے یا کتابیں تصنیف کیں ان کی تعداد
ایک درجن کے قریب ہے۔

عربی فائنک میں ان کے علمی کاموں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مجمع
اللغة العربیہ، شام کے مبر تھے، دمشق یونیورسٹی میں انہیں توسیعی لیکچرز کے لیے بلایا
گیا تھا۔ جامعہ عباسیہ، بھادل پور میں بھی انہوں نے توسیعی لیکچرز دیے تھے۔ لیکن ہذا
یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں جہاں سوسائٹی عربی زبان و ادب اور تحقیق و لسانیات
کے ذوق سے رفتہ رفتہ نا آشنا ہوتی جا رہی اور علمی انحطاط و زوال کے دور سے گزر رہی
ہے، ان کی واقعی قدر و منزلت نہ ہو سکی۔

قدیم کتب اور مخطوطات کا انہیں بہت شوق تھا۔ نادر مخطوطات اور نہایت قیمتی
اور کم یاب کتب کی ان کی ذاتی لاٹریڈی تھی۔ ان کے علم و فضل اور علمی و تحقیقی خدمات
کا اعتراف مشرق و مغرب کے اکابر نے کیا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
نے لکھا ہے کہ وہ اس عہد میں عربی زبان و ادب میں سند کا درجہ رکھنے والے اور تسمی
برا عظم ہند و پاک کے لیے سرمایہ فخر و ناز تھے۔

مولانا مین جس طرح علم و تحقیق میں اپنا منفرد مقام رکھتے تھے اسی طرح وہ کتابت
سنت کی عظمت کا بے میل عقیدہ رکھتے تھے اور سلف صالحین کے مسلک حق پر عامل
تھے۔ وہ اپنے عقیدے میں کسی قسم کے میل اور طریقہ سلف صالحین سے سرمو تجاوز
کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ عام نقول میں وہ جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے۔
در حقیقت وہ گروہی اور حزبی اختلافات سے بہت بلند شخصیت کے حامل اور اسان
گرام کے لیے موجب فخر و نازش اور سعید و صالح خلف تھے۔

ان کے انداز میں ایک علمی غرور اور مزاج میں تکنت ضرور تھی لیکن وہ نہایت شریف

اور سنجیدہ دشتین بزرگ ادا کریم ابن کریم تھے۔
 مولانا مین نے مستقل قیام کراچی میں اختیار کر لیا تھا، بہادر آباد میں اپنا مکان بنوایا
 تھا۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو وہیں انھوں نے انتقال فرمایا۔

عبداللہ ڈاکٹر سید محمد:

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ منگور، تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئے
 ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں اپنے والد کرم حکیم سید نوح احمد شاہ سے حاصل کی۔ مڈل مانسہرہ
 سے اردو نویں جماعت ایبٹ آباد سے پاس کی کہیں ۱۹۲۳ء میں اسلامیہ بائی اسکول بھاٹا
 دروازہ (لاہور) کی دسویں جماعت میں داخل کیا تھا لیکن تحریک حرک موالات میں حصہ
 لینے کی وجہ سے داخلہ نہ بھیجا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ (علی گڑھ) چلے گئے۔ ارتح
 ۱۹۲۲ء میں وطن لوٹ آئے اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔
 اس کے بعد مٹرک، انٹرمیڈی ایٹ کے امتحانات (صرف انگریزی) پاس کیے۔

۱۹۲۶ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں فہرست سازی کی حیثیت سے عمل
 زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج، پشاور میں فارسی اور اردو کے استاد کی حیثیت
 سے ملازمت کی۔ ۱۹۳۹ء میں وہ دوبارہ لاہور آ گئے۔ اس وقت سے لے کر ۱۹۶۶ء میں
 ملازمت سے ہٹ کر دوڑ بھڑکے ہوئے ملک وہ اردو، فارسی، عربی کے استاد کی حیثیت سے خدمات
 انجام دیتے رہے۔ پیکر ارے پروغیر کے عہد سے ملک ترقی کی۔ شعبے میں اہمیت، استاد سے
 سے لے کر ان شیعوں کی صدارت کے منصب تک پہنچے اور آخر میں یونیورسٹی اور نیشنل
 کالج، جس کے طالب علم بنے تھے اس کے پرنسپل ہو کر ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد یونیورسٹی
 نے اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی جیریئن شپ کے لیے ان کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔
 وہ اپنی وفات تک اس منصب پر قائم رہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اس عہد کے بہت بڑے ادیب، نقاد، محقق اور معتمد تھے۔
 ادب، تنقید، سوانح، لسانیات، لغات، تعلیم، اقبالیات وغیرہ میں وفنون میں تعریفاً پاس
 کتابیں اور سیکڑوں کی تعداد میں مقالات ان کی یادگار ہیں۔

ملک کے بیسیوں علمی، ادبی، تعلیمی اداروں سے ان کا زندگی بھر علمی، تعاون، تنظیم اور مشاورت
 کا تعلق رہا۔ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی (لاہور) کا قیام تو ان کی زندگی کا بہت بڑا کام رہا۔

وہ اس کے جنرل سیکریٹری بھی تھے۔ انھوں نے بیرون ملک اور اندرون ملک سیکڑوں علمی کا تفرسوں اور سیناروں میں شرکت کی تھی اور بہت سے انعامات و اعزازات حاصل کیے تھے۔ حکومت پاکستان نے انھیں ہلال امتیاز سے اور حکومت ایران نے انھیں نشان پاس سے سرفراز کیا تھا۔ انھوں نے ایک سرگرم اور بھرپور علمی و تعلیمی زندگی گزاری تھی۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے فارسی ادبیات میں ہندوؤں کا حصہ کے موضوع ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ لکھا تھا۔ بعد میں ڈاکٹر آف ٹریجی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا درجہ و گرامی ان اعزازوں اور ڈگریوں سے بہت بلند ہو گیا تھا۔ وہ ایک مثال استاد اور علم و تحقیق کی علامت تھے۔ اردو کے فروغ و نفاذ کی مجسم تحریک تھے۔ ان کی اردو خدمات تاریخ زبان و ادب اردو میں کسی بھی محسن اردو سے ہرگز کم نہیں۔

علم اور مطالعے کی طرح ڈاکٹر صاحب مرحوم کا اخلاق بھی بہت بلند تھا۔ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تحقیق میں وہ ایک مثال، ایک مکمل تہذیبی اور شہر قی روایات کی حامل شخصیت تھے۔ اردو زبان کا یہ عاشق اور علم و ادب کا شیدائی، جس کے عشق اور سوز قلب سے کوئی آشنا اور اردو کے لیے جہاد میں کوئی اس کا ہم مشرب اور ہم سفر نہ تھا، زمانے کی بے دلی سے گھبرا کر ۱۹ اگست ۱۹۹۷ء کو اس دنیا سے آخرت کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ان کے مراتب بلند فرمائے۔

عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر:

مشرق کے مایہ ناز مصور عبدالرحمان چغتائی کے بھائی تھے۔ نومبر ۱۹۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مبارک تھے۔ تعلیم کے مراحل لاہور میں طے ہوئے تھے۔ پیرس سے قانون اسلامی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔

لاہور میں اور لاہور سے باہر لدھیانہ، بمبئی، پورٹو وغیرہ میں مسلسل ملازمت ایک مدت سر کی۔ پیرس میں تو برس رہے تھے۔ اسلامی تاریخ و ثقافت پر ان کے کام کو سند کا درجہ حاصل ہے۔

۱۹ دسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

عبدالوحید، خواجہ:

خواجہ عبدالوحید مرحوم کا تعلق کشمیر کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ ۲۵ جنوری ۱۹۰۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ جہاں دو پشت قبل ان کے خاندان کے بزرگ کشمیر

سے اکر آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے گورنمنٹ سٹرل ماڈل اسکول اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ دینی تعلیم خصوصاً ترجمہ و تفسیر قرآن انھوں نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں حاصل کی تھی۔

خواجہ صاحب کے والد خواجہ کریم بخش اور چچا خواجہ عبدالمجید کے علامہ اقبال اور اس وقت کے تمام اکابر اہل علم سے تعلقات تھے، حضرت علامہ سے تورشہ داری کا تعلق بھی تھا۔ خواجہ صاحب کا مکان ایک زمانے تک اصحاب علم و فضل کا مرکز بنا رہا تھا۔ خواجہ صاحب مرحوم کو شروع ہی سے ایک علمی و تہذیبی ماحول میسر آگیا تھا۔ اسی ماحول میں انھوں نے تعلیم کے مراحل طے کیے اور ان کے ذہن و فکر کا نشوونما ہوا۔ اسی ماحول نے ان کے علمی ذوق کو پروان چڑھایا اور اسے جلا بخشی۔ اٹھارہویں سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ان کی تحریرات اخبارات و رسائل میں شائع ہونے لگی تھیں۔

خواجہ صاحب نے علمی زندگی کا آغاز انکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب کے دفتر میں ملازمت سے کیا، قیام پاکستان کے بعد وہ کراچی تشریف لے آئے تھے اور پریس انفارمیشن فنانس میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں وہ ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

خواجہ صاحب کا ملازمت کے دوران میں اور ملازمت کے بعد متعدد علمی، ادبی، تعلیمی، تاریخی، دینی اداروں سے تعلق رہا۔ وہ کسی کے بائیس کسی کے رکن اور کسی کے عہدے کی حیثیت سے گوناگوں خدمات انجام دیتے رہے۔

ملاقات سے ان کا خاص تعلق تھا۔ لاہور میں وہ انجمن خدام الدین کے انگریزی رسالے پندرہ روزہ اسلام کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور جون ۱۹۶۷ء سے مارچ ۱۹۷۸ء تک خدمات انجام دیں۔ کراچی میں انجمن اشاعت قرآن کے انگریزی رسالے پندرہ روزہ الاسلام کو پندرہ سال ایڈٹ کیا، دو دنوں رسالوں کے ذریعے خواجہ صاحب نے بہترین علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ مختلف اردو اخبارات میں بھی وہ وقت کے علمی تہذیبی سماجی، دینی مسائل کے بارے میں لکھتے رہتے تھے۔

خواجہ صاحب کی اردو انگریزی تصنیفات میں دو مہرپیس ان نیشنل لائف، اسلامک بیک گراؤنڈ آف مودرن سائنس ایڈیٹڈ کیمبرج، اے بلیو گرافی آف اقبال اور مضمونات

قرآن اور انسانی زندگی کے عنوان سے مفید کتب شائع ہو چکی ہیں "تلاش سکوں" کے نام سے ان کے انسانوں کا مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔

خواجہ صاحب مرحوم اخلاق کی بلندی، سیرت کی پختگی، دین داری، نیکی و پارسی، مزاج کی نغفگی، علمی ذوق، مطالعے کی وسعت اور ذہن و فکر اور عمل کی بہت سی خوبیوں سے متصف تھے۔ وہ ہماری قدیم مشرقی تہذیب اور مجلس زندگی کی ایک یادگار شخصیت تھے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو کراچی میں خواجہ صاحب نے انتقال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں مرحوم کے مراتب بلند فرمائے۔

عرشی، امتیاز علی خاں:

امتیاز علی خاں نام، عرشی تخلص اور رام پور وطن تھا، ۱۸۰۴ء مطابق ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام متاثر علی خاں اور جد مہتمم کا اسم سانی مولا نا اکبر علی خاں تھا۔ والد مرحوم کی تعلیم معمول تھی لیکن ان کے دادا اپنے وقت کے عبید عالم دین اور بلند پایہ محدث تھے۔

عرشی صاحب مرحوم پٹھانوں کی یوسف زی قوم کے قبیلے اکوڑی کی شاخ حاجی خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے جدا مجد موسوسا سال قبل افغانستان سے ہندوستان پہنچے تھے اور رام پور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

عرشی صاحب کی علوم شرقی کی تعلیم رام پور کے مدرسہ مطہر العلوم اور مدرسہ عالیہ میں تکمیل کو پہنچی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ذاتی کوشش سے انگریزی زبان کی معقول استعداد بھی ہم پہنچائی۔

علمی زندگی کا آغاز کتب خانہ عالیہ، رام پور میں مستر چیمپین ناظم کتب خانہ کی نیابت سے ہوا تھا، بعد میں وہ خود ناظم کتب خانہ مقرر ہوئے اور اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

۲۷ فروری ۱۹۷۹ء مطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ کو بہ روز چہار شنبہ رام پور (یو۔ پی) میں انتقال ہوا اور اپنے آبائی محلے پھلواری کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

حضرت عرشی مرحوم اردو اور فارسی کے خوش نگر اور رنگیں بیان شاعر بھی تھے۔ لیکن ان کی شہرت ایک بلند پایہ محقق اور نقاد کی حیثیت سے تھی۔ غالباً ست میں بہت گہری نظر

رکھتے تھے۔ غالب کے خطوط اور دیوان کی تدوین ان کا بے مثل کارنامہ ہے۔ لسانیات اور تحقیقی تدوین میں ان کی متعدد یادگار تصانیف ہیں۔
 ان کا شمار ہندوستان اور پاکستان کے مفت اول کے چند ممتاز محققین میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت شریعت، منکر المزاج، ہر دہائی متواضع، شہرت و خود مائی سے دور و نفور، عزت نہیں اور ہمیشہ مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہنے والے بزرگ تھے۔
 علی حسن خاں، خواب:

مفت الدولہ، حجام الملک شمس العلماء، نواب علی خاں نام ارباب حضرت صدیقی حسن خاں علیہ الرحمہ کے نام در بیٹھے تھے۔ تقریباً ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶-۷۷ء) میں جموں پال میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کے ساتھ جدید اعلیٰ تعلیم سے بھی بہرہ مند تھے۔

نواب شاہ جہان بیگم نے ان کی ریاست جموں پال کا ڈائریکٹ آف ایجوکیشن مقرر کیا تھا ایک عرصہ تک وہیں قیام رہا۔ ۱۳۰۳ھ میں جموں پال چھوڑ کر مکھنوا گئے تھے۔
 نواب قسطنطین حسن خاں اور نواب امیر حسن خاں ان کے دو صاحبزادگان زکریا صاحب کے خطوط میں آیا ہے۔ دونوں کے نام سید صاحب کے خطوط میں یادگار ہیں۔ نواب شمس الحسن کا انتقال کراچی میں ہوا۔

سریسک تعلیمی تحریک اور ندوۃ العلماء کی مذہبی اور تعلیمی تحریک میں نہ صرف شامل تھے بلکہ اس کے رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ ندوہ کے کچھ مدت تک امرتسری ناظم بھی رہے تھے۔ دارالمصنفین کے اساسی ارکان میں سے تھے۔ یوپی اور خصوصاً مکھنوا کی ہر علمی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاحی تحریک میں ان کا نام سر فہرست رہتا تھا۔
 ۱۹۳۶ء نو بریسر کو مکھنوا میں انتقال ہوا۔

غلام مصطفیٰ خاں صاحب، ڈاکٹر:

حضرت مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب ۱۳۱۰ھ میں جبل پور (دسی پی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جبل پور میں حاصل کی اور پھر کس سے کراچی ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ ایم اے ڈاکٹر صاحب نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کیا۔ فن تجوید کی تحصیل بھی فرمائی۔
 ملی زندگی کا آغاز شعبہ تعلیم میں کیا۔ ناگ پور یونیورسٹی کے ماتحت مختلف کالجوں

میں تین سال تک خدمات انجام دیں پھر آٹھ سال تک اسی یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ تقریباً آٹھ سال کراچی میں خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصہ اردو کالج میں شعبہ اردو سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ مجموعی طور پر تقریباً بیستیس برس تعلیم و تدریس کی عظیم الشان خدمات انجام دے کر ۱۹۷۹ء میں ریٹائر ہوئے لیکن چار سال مزید خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ اب پروفیسر امریطس ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے سیکڑوں شائقین کو آپ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا اور بہت سے طلبہ نے آپ کی رہنمائی میں تحقیقی مقالے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تحقیق میں رہنمائی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کا شمار پاک و ہند کے نامور محققین کی صفِ اول میں ہوتا ہے۔ ان کے چودہ علمی و تحقیقی مقالے اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور) میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور بچا سوں، علمی، تحقیق، تنقیدی مقالے رسالہ اردو (دہلی و کراچی)، معارف (اعظم گڑھ)، نقوش (لاہور)، اسلامک کھپر (حیدرآباد و دکن)، اور نیٹیل کالج میگزین (لاہور) ناگ پوری و بیرونی درستی، سندھ یونیورسٹی کے جرنلوں، اور برصغیر پاک و ہند کے فول و عرض سے نکلنے والے بیسویں علمی و تحقیقی مہلوں اور ان کے خاص نمبروں میں شائع ہوئے ہیں اور آپ کی تریسٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ مقالے اور کتابیں بغیر اردو میں ہیں اور انگریزی، فارسی اور عربی میں بھی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے تھے علم و فکر کے بہترین خصائص، اخلاق کے اعلا ماسن اور سیرت کے بے شمار فضائل سے نوازا ہے۔ ان کا وجود گرامی علم و عمل کے جامعیت کبریٰ کا روشن نشان ہے۔ خرافات نفسی میں وہ اس عہد کی ایک بے مثال ہستی ہیں۔ ان کا شمار اس دور میں علم و تحقیق کے اساتین میں ہوتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کا مقام علم و فضل اس سے بہت بلند ہے، جس کا ہم جیسے ضعیفائے علم تصور کر سکتے ہیں۔ حضرت کی توجہ اسامی سے کتنے ہی خرف و ریزے کند بن چکے اٹھے اور علم و تحقیق کی دنیا میں ان کا کام سند سمجھا جانے لگا۔

مبداءے فیاض نے حضرت ڈاکٹر صاحب پر علم و نظر کے کتنے ہی عوام کو روشن کر دیا ہے۔ متعدد دانش عالم مغل، عربی، فارسی، انگریزی اور ان کی تاریخ و ادبیات، مختلف علوم و فنون، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تصوف، شریعت، طریقت، تاریخ، تنقید، عزت کے کتنے ہی میدان ہیں جن کی بے شمار راہیں فیضانِ الہی سے حضرت کے ذہن و دماغ پر کھل گئی ہیں۔ حضرت کی فکر و فکر کی تابانیوں سے اس عہد میں انسان کی مادی زندگی سے لے کر اس کی ذہنی و فکری اور روحانی زندگی تک کے مختلف گوشے جگمگا اٹھے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات علیہ کا دائرہ صرف اردو تک محدود نہیں بلکہ عربی، فارسی اور انگریزی زبان و ادبیات اور بہت سے علوم تک پھیلا ہوا ہے لیکن اردو کو بھالور پر فخر ہے کہ ایسا محقق بے بدل اس عہد میں اس کے نیچے کا ستارہ بن کر چمکا اور اپنے انکار و افادات سے اس کے دامن و گریبان کو زور نگار کیا۔

بعض شائقین کو حضرت کی تعنیفات تالیفات کی کثرت عزیز کرے گی لیکن ایسے نیاز مند ان شوق میں ہو سکتے ہیں جن کے قلوب حضرت کے کاموں کے علمی و تحقیقی رتبہ، افادیت کے دائرے، نظر کے فیضان اور انسانی نفوس کے تزکیہ و اصلاح اور تعلیم و تربیت کے میدان میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی فتوحات سے زیادہ متاثر ہوں۔

کیا ڈاکٹر صاحب کی خدمات کے اس پہلو پر بھی کسی کی نظر ہے کہ آپ کی تربیت علمی سے اصحابِ علم و استعداد کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو علم و عمل کے مختلف میدانوں میں معروف خدمات فرماتی ہے

عام طور پر کسی شخص کی خدمات کے اعتراف و فہم کے لیے حکومت کے اعزاز یا انعام کو پیمانہ قرار دے لیا جاتا ہے۔ اگر یہ پیمانہ ہی کسی کی شخصی عظمت اور خدمات کا اصول قرار دے لیا جائے تو جان لینا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کو سرکاری اور غیر سرکاری طور پر متعدد انعامات اور اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے کوئی انعام یا معیت خیر نہیں ہو تا بلکہ اعزاز و انعام ان کی شخصیت کی نسبت سے شرف پاتا ہے حضرت محمدی ڈاکٹر صاحب ایک ایسی ہی شخصیت ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو حکومت یا جس ادارے نے اپنے اعزاز و انعام سے نوازا، تو یہ اس کی فیصلے کوٹے داہن کے صیغہ اخاذی و کراہت و شرافت نفسی پر دلیل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو موت کے علمی رتبے

اور ذاتی شرف میں اس سے کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ حضرت کے وابستگان دامن کو اس سے خوشی غرق ہوئی۔

حضرت مخدومی ڈاکٹر صاحب مظلہ عبیدر آباد (سندھ) میں سکونت پذیر ہیں۔

محمد عرفان، مولانا ابوالعارف:

مولانا محمد عرفان ہزارہ (صوبہ سرحد) کے رہنے والے تھے۔ حافظ قرآن تھے اور عالم ہیں۔ درس نظامی کے باقاعدہ تکمیل کی تھی۔ فلسفہ ان کا خاص موضوع تھا۔ عربی زبان پر انھیں عبور حاصل تھا۔ قومی خدمت کا شوق تھا اور ترکیب خلافت اور ترک موالات میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ قومی خدمات کے شوق، سرگرمی اور انقلاب پسندی کی بنا پر انھیں صوبہ سرحد سے نکال دیا گیا تھا حکومت کا خیال تھا کہ اس دہدہری کے عالم میں ان کی سرگرمیاں سر دھڑ جائیں گی لیکن ہوا یہ کہ ان کا جوش اور بڑھ گیا اور وہ زیادہ سرگرم عمل ہو گئے۔ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں کئی بار گرفتار ہوئے، جیل گئے اور سخت پرستی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں وفد خلافت برائے مجاز کے وہ رکن تھے اور ۱۹۲۶ء میں کٹر متغلقہ میں موثر اسلامی میں شرکت کے لیے جمعیت علماء ہند نے جو وفد بھیجا تھا اس میں شامل تھے۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہ جہان پوری ثم الدلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، علامہ سید سلیمان ندوی، علی برادران سے بہت قریبی تعلقات تھے۔

مذہبی مسلک میں دیوبندی انداز فکر رکھتے تھے اور سیاسی طرز پریشنلسٹ تھے۔ ایک مرتبہ کانگریس کے کٹ پر انکیشن میں کھڑے ہو گئے تھے لیکن مولانا ٹوٹ کر مل مرحوم کے کہنے سے انکیشن میں حصہ نہیں لیا۔

مجلس خلافت کے فنانس سیکریٹری تھے، روزنامہ خلافت، جس سے جس تعلق تھا۔ اس لیے ان کا آخری دور بھی میں بسر ہوا۔

قام عمر مجرور ہے اور نہایت پاک صاف زندگی گزاری۔ نسلاً پٹھان تھے اور حد درجہ غیور تھے۔

۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء کو بھی میں اچانک انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔

ملک رامؑ

اردو زبان کے مشہور مصنف، نقلا، عربی زبان داں غالب اور مولانا ابوالکلام آزاد کے محقق جناب ملک رام کے نام کے ساتھ بوجہ اضافہ کیجیے تو پورا نام بنتا ہے۔ اردو کھتری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ والد ماجد کا نام نہال چند تھا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کو بننے کے دن پھالیہ ضلع گجرات میں جواب پاکستان میں ہے، پیدا ہوئے۔

۱۹۲۴ء میں پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے میٹرک کیا۔ اسی زمانے میں گجرات میں کالج قائم ہو گیا۔ ۱۹۲۵ء میں گورنمنٹ کالج، گجرات سے انٹر کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۵ء میں ڈی ایس دی کالج، لاہور سے بی اے اور ۱۹۳۳ء میں گورنمنٹ کالج، لاہور سے تاریخ میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد اگلے دو سال میں یونیورسٹی لاکالج (لاہور) سے ایل ایل بی کی سند حاصل کی۔

ملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔ وہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک لاہور کے ہفت روزہ آرہرگزٹ، ماہنامہ نیرنگ خیال اور روزنامہ بھارت ماہنامہ میں کام کرتے رہے جون ۱۹۳۳ء سے انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ اُس وقت سے لے کر ۱۹۶۵ء میں ریٹائر ہونے تک وہ حکومت کے بعض محکموں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں ان کا بیشتر وقت ہندوستان سے باہر مختلف ملکوں میں گزرا۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۷ء تک ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی میں ایڈوایٹیر رہے۔ ۱۹۶۶ء میں انھوں نے ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت اختیار کر لی اور ساہتیہ اکیڈمی سے ان کا ضابطے کا تعلق ختم ہو گیا۔ اس زمانے میں انھوں نے مولانا آزاد کی غبار خاطر، تذکرہ اور خطبات ایڈٹ کیے۔ ملک رام کی اب تک ڈیڑھ درجن کے قریب تعنیفات و تالیفات اور ایک درجن کے قریب ان کے مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔ اخبارات، رسائل میں چھپنے والے مقالات ان کے علاوہ ہیں۔ ملی ادبی خدمات کے سلسلے میں انھیں بہت سے انعامات و اعزازات حاصل ہوئے ہیں۔

ملک رام گورکھی، پنجابی، انگریزی، اردو، عربی، فارسی وغیرہ زبانوں سے بہ خوبی واقف ہیں، ترکی میں جانتے ہیں۔ لیکن ان کی ملی خدمات کا سب سے بڑا ذریعہ اردو زبان ہے۔ ادب، تنقید، تحقیق، تاریخ، اسلامیات وغیرہ کا خاص ذوق اور گہری نظر رکھتے ہیں۔

اب کہ ان کی عمر پچیس برس کی ہو گئی ہے اور کہیں آنا جانا براے نام رہ گیا ہے شب و روز اپنے گوشہ عزت میں مطالعے اور تعنیف و تالیف میں مصروف رہتے ہیں۔
محمد ابراہیم بلیادی، مولانا:

مولانا محمد ابراہیم بلیادی، قاضی پورہ، بلیا (یوپی) کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی مولانا حافظ عبد الرحیم تھا۔ مولانا محمد ابراہیم ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا فاروق چریاکوٹی، مولانا ہدایت اللہ قلعیدہ مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عزیز الرحمن، شیخ البند مولانا محمود حسن دہلوی بندوی وغیرہ بلند پایہ علمائے کرام کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ دیوبند سے ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہند سے بیعت میں تھے۔

مدرسہ فتح پوری (دہلی)، دارالعلوم متود قلع اعظم گڑھ، مدرسہ تعبہ عمری (قلعہ مراد آباد)، مدرسہ امدادیہ۔ درجنگ (بہار)، دارالعلوم ڈابھیل (مدرسہ)، دارالعلوم ہاٹ ہزاری (چانڈام ہیں مدرسہ کے فرائض انجام دیے۔ دارالعلوم دیوبند سے ان کا متعدد بار تعلق ہوا۔ پہلے ۱۳۳۱ھ میں، پھر ۱۳۳۳ھ میں، پھر ۱۳۶۲ھ میں وہ دارالعلوم سے وابستہ ہوئے اور ہر بار کئی کئی سال تک خدمات انجام دیں۔ آخری بار ۱۳۳۳ھ میں بلا گیا تھا اور تادم واپس وہ اسی سے وابستہ رہے تھے۔ حضرت فیض الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے بعد سندھ صدارت پر فائز ہوئے اور ناظم تعلیمات بنائے گئے۔

حضرت مولانا بلیادیؒ نے تقریباً ساٹھ برس تک حدیث کا درس دیا تھا۔ ہندوستان اور ایشیا و افریقہ میں ان کے ہزاروں شاگرد پھیلے ہوئے تھے جنہوں نے حضرت سے حدیث پڑھی تھی۔ مولانا بلیادیؒ تفسیر و حدیث، اصول و عقائد، کلام اور دوسرے علوم میں یگانہ روز تھے۔

متعدد دینی تعنیفات، خروج و حواشی اردو، عربی اور فارسی تحریر فرمائے۔ کچھ موجود ہیں اور کچھ ضائع ہو گئے۔

۲۴ رمضان ۱۳۸۳ھ مطابق ۸ فروری ۱۹۶۴ء کو دیوبند میں انتقال فرمایا اور قبرستان قباک میں آسودہ خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے۔

مولوی محمد امین زبیری، مولوی امانت حسین شفا کے بیٹے تھے۔ جا لے ولادت سنہ ۱۲۸۱ھ (بھارت) کا قصبہ ”درہ“ تھا۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت زبیر بن العوام سے ملتا ہے اور زبیری کہلاتے تھے۔ ان کے بزرگوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر قیام کیا۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں ان کے بزرگوں نے مارہرہ (ضلع ایٹہ۔ یوپی) کو اپنا مستقر بنایا، جس کے ارد گرد علاقہ انہیں جاگیر میں ملتا تھا۔

تعلیم مارہرہ اور رام پور (یوپی) میں حاصل کی۔ اگرچہ رسماً فارغ التحصیل نہ تھے، لیکن ملی شوق اور مطالعے کی بدولت ان کا شمار پاک و ہند کے اہل علم میں ہوتا ہے۔ تقریباً دو درجن تصنیفات و تالیفات ان کی یادگار اور بے شمار مقالات اخبارات و رسائل میں منظر ہیں۔

ملی زندگی کا آغاز ریاست گوالیار میں ایک معمولی ملازمت سے ہوا۔ کچھ عرصہ پڑا بیٹھ اور بارہ بجے میں حکمران بندوبست آرائشی میں گزرا، پھر میسی چلے گئے اور روزنامہ میراث میں کالم نویس ہو گئے۔ متعدد اکابر کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا اور اپنی محنت اور محنت سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ والیہ ریاست بمبئی سلطان جہاں بیگم کو اپنے لیے ایک ٹریری اسسٹنٹ کی ضرورت ہوئی تو زبیری صاحب کا نام پیش ہوا۔ امتحان ہوا، پاس ہو گئے اور خدمات انجام دینی شروع کر دیں۔ انہوں نے نہایت خلوص، جہاں نشانی اور بیدار نگرانی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ والیہ مرحوم صاحب پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں والیہ عظمیٰ کے انتقال کے بعد زبیری صاحب نے پنشن لے لی تھی۔

پنشن لینے کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے اور صاحبوں کی تعلیم و تربیت کے لیے علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد وہ پاکستان آ گئے تھے اور کراچی میں مقیم تھے۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء مطابق ۲۰ مفرشتہ ۱۳۷۷ھ بروز جمعہ کراچی میں انتقال کیا۔ خدامت فرمائے

محرم صدیقی مکھنوی:

محمد حسین نام اور محرمی تخلص تھا۔ نسبتاً صدیقی اور وطن مکھنوی تھے۔ ۱۹۱۵ء میں مکھنوی پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ میں، جب ان کے والد بمبئی آ گئے تو مدرسہ سلیمانہ بمبئی میں تحصیل ملی کی اور سند

فقیہیت حاصل کی۔

الناظر، لکھنؤ کے نائب مدیر رہے (۱۹۱۱ء)۔ جو پال میں محکمہ تصنیف و تالیف سے وابستہ رہے (۱۹۱۲ء) کچھ دنوں مولانا آزاد سجانی کے مدرسہ الہیات کانپور میں مدرس بھی رہے (۱۹۱۹ء)۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبہ تصنیف و تالیف سے تعلق رہا (۱۹۲۷ء)۔ حیدر آباد دکن گئے اور انجمن ترقی اردو سے وابستہ ہو گئے (۱۹۲۲ء)۔ اور اسی زمانے میں اوزنگ آباد کالج میں فارسی کے لیکچرار ہو گئے۔ مدراس یونیورسٹی کے تحت اوزٹیل انسٹی ٹیوٹ قائم ہوا تو اس میں اردو، عربی اور فارسی کے استاد مقرر ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے کے بعد ایک عرصہ صوبہ مدراس کے ضلع ارکاٹ میں ”میل و شمار“ کے مقام پر مقرر اور ”الارشادہ“ اور ”معیار ادب“ کے نام دو رسالے نکالے۔ پھر لکھنؤ واپس آ گئے اور یہاں سے رسالے جاری رکھے لیکن جلد ہی انھیں بند کر دینا پڑا۔

علامہ محوی بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کے بیت سے شاگرد ہو گئے۔ مدراس کے علاقے میں خاص طور پر ان کی کوششوں سے اردو زبان کا فروغ اور علم و ادب کا چرچا ہوا۔ ان کی تیرہ کتابیں چھپ چکی تھیں۔ متعدد غیر مطبوعہ یادگار چھوڑیں۔ بہ قول ماہر القادری ”وہ اپنی ذات سے علم و فن کی ایک انجمن تھے“۔

آخر عمر میں وہ اپنے بیٹے منیر الموصی مدنی کے پاس جو پال تشریف لے گئے۔ ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء کو بدھ کے روز دیں ان کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر پچانوے برس کی تھی۔

مہر، مولانا غلام رسول:

ہندوستان پاکستان کے نامور صحافی، بلند پایہ مصنف، صاحب طرز ادیب اور شاعر مولانا غلام رسول تہرہ ۵ اپریل ۱۸۹۵ء کو موضع بھول پور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام چودھری محمد علی خاں (ت ۱۹۱۷ء) تھا۔ میٹرک کا امتحان مشن ہائی اسکول جالندھر سے اور بی اے کا امتحان اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۱۵ء میں پاس کیا۔

علی زندگی کا آغاز پایہ گاہ و قارالامرا حیدر آباد دکن میں انیس کڑ آف اسکول کی حیثیت سے کیا۔ پانچ سال کے بعد ملازمت ترک کر دی صحافت کا شغل اختیار کیا۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۷ء تک زمیندار لاہور کے عمدا دامت میں شریک رہے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء

نک اپنا اخبار انقلاب مولانا عبد المجید ساکب کے ساتھ مل کر نکالا۔ ۱۹۴۹ء میں انقلاب بند ہونے کے بعد ان کے اوقات گرامی کا بیشتر حصہ تعنیف و تالیف کے کاموں میں بسر ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ سو تعانیف و تراجم اور مرتبہ کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و فضل کے کمالات کے ساتھ سیرت و اخلاق کے بہترین محاسن سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔

نصیر الدین ہاشمی

نصیر الدین ہاشمی ۷ مارچ ۱۹۱۵ء مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۵۵ء کو جد کے دن حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی مولوی عبدالقادر تھا۔ ہاشمی مرحوم کے جد بزرگوار غلام محمد شرف الدولہ مدراس کے رؤساء میں شامل تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی پھر مدرسہ دارالعلوم میں انھیں داخل کرا دیا گیا، پھر جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں داخلہ ہوا۔ بعد میں مدراس یونیورسٹی سے انھوں نے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

تقریباً بیس سال کی عمر میں ملازمت کا آغاز دفتر قحط سال میں حلقہ انسپکٹر کی حیثیت سے ہوا۔ ریاست کے کئی دفاتروں میں ملازمت کے بعد مارچ ۱۹۵۷ء میں ناظم جٹیشن کی حیثیت سے باعزت طور پر ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

تعنیف و تالیف کا شوق طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ پہلی تعنیف ”دکن میں بارود“ ۱۹۲۷ء میں اپنی بارہ شائع ہوئی تھی اور ۱۹۶۱ء میں جب انھوں نے نقوش لاہور کے قبر کے لیے اپنی ”آپ جی“ کہیں تھی تو اس وقت تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے اور دوسری تعنیفات و تالیفات کی تعداد ۳۱ تک پہنچ چکی تھی۔ ان میں سولہ صفحہ کا کتابچہ بھی ہے اور آٹھ سو صفحہ کی ضخیم کتابیں ہیں۔ متعدد کتابیں اس وقت مسودات کی شکل میں ہیں جن میں جبریل شائع ہوئیں۔ وہ زندگی کے آخری دنوں تک تعنیف و تالیف اور تدوین کے کاموں میں مصروف رہے۔

نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے تاریخ و تنقید ادب، تاریخ و سوانح، نسوانیات میں اپنی تعنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ منظرِ حیات کی فہرست سازی میں بھی انھوں نے گہرا قدر خدمات انجام دی ہیں۔

نظام الدین حسین نام تھا، شہرت نظامی بدایونی کے عرف سے ہوئی۔ ان کی پیدائش ۱۸۷۲ء میں بدایوں کے صدیقی خاندان میں ہوئی۔ وہ اپنے وقت کے مشہور اخبار نویس، اردو کے ہر نئے ادیب، ایک اچھے شاعر، متعدد وکٹ یوں کے مصنف اور قومی خدمت گزار تھے۔ تعلیم کے فروغ اور قومی اصلاح و تیر کے میدان میں انھوں نے عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ان کا شمار ملک کے مشاہیر میں ہوتا تھا۔

نظامی مرحوم کی تعلیم گھر پر والد ماجد مولوی فخر الدین کے زیر نگرانی شروع ہوئی تھی، پھر بدایوں ہائی اسکول سے داخل ہوئے وہیں سے الہ آباد یونیورسٹی کے زیر انتظام ۱۸۹۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا جو اُس زمانے میں انٹرس کہلاتا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے علی گڑھ میں مزید تعلیم کے لیے داخلہ لیا لیکن چند ہی دن میں ان کے بزرگوں نے انھیں واپس بلایا اور اس مرحلے سے اُسے ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کے دادا کے چچا زاد بھائی مولوی حمید الدین ڈپٹی کلرک کی بیٹی سے ان کی شادی کر دی گئی اور ڈپٹی صاحب کے مشورے سے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ان کی پہلی اور آخری ملازمت محافظ خانہ مال و فوج داری قلع شاہجہان پور میں محکمہ نقل کے منعم کی تھی۔ جسے انھوں نے سات آٹھ سال تک خوش اسلوبی کے ساتھ چلایا، جوں کو یہ ملازمت انھوں نے بزرگوں کے اصرار سے اختیار کی تھی، ان کا ذوق اس سے قطعاً مختلف تھا۔ وہ شروع ہی سے ملازمت کے بجائے کوئی آزاد مشغلہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔

مطالعہ و تحریر کا شوق انھیں زمانہ طالب علمی میں پیدا ہو گیا تھا۔ ملازمت کے زمانے میں بھی فارغ اوقات میں ان کا پسندیدہ مشغلہ تصنیف و تالیف تھا۔ چنانچہ ان کے مضامین عالم تصویر، کان پور اور روہیل کھنڈ ٹیگسٹ، بریلی میں شائع ہوتے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے ایک اخلاقی ناول بھی ”رضیہ مسعود“ کے نام سے لکھا تھا اور شائع ہوا تھا۔

شاعری کا شوق بھی زمانہ طالب علمی سے تھا۔ نظم نگاری سے خاص دل چسپی تھی۔ مولوی عبدالحق بخٹو بدایونی سے اصلاح لیتے تھے۔ ایک شنوئی صبح امید کے نام سے لکھی تھی اور مولانا الطاف حسین حالی کو اصلاح کے لیے بھیجی تھی۔ انھوں نے اس کی اصلاح تو کر دی لیکن نہیں مشورہ دیا کہ انھوں نے ان کے مضامین بھی دیکھے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں شاعری کے مقابلے میں ان میں مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف کی صلاحیتیں زیادہ ہیں۔ شاعری یوں بھی

انسان کو بے عمل بنا دیتی ہے اس لیے ان کا مشورہ ہے کہ وہ شاعری کے بجائے مضمون لکھا کریں۔ نظامی مرحوم نے حاتی کی نصیحت کو گروہ میں باندھا اور مضمون نگاری میں زیادہ توجہ صرف فرمائی۔ اگرچہ تعلق ان کا شاعری سے بھی عمر بھر رہا۔ لیکن جب تک شاعری کا کوئی خاص داعیہ اور تحریک نہیں پیدا ہوتی تھی، شاعری کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔

ملازمت ترک کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں انھوں نے ایک ہفتہ دار اخبار ذوالقلم کے نام سے بدایوں سے جاری کیا۔ شروع میں ذوالقرنین منشی آغا جان لکھنوی کی شراکت میں نکالا تھا اور انھیں کے دکتوریہ پریس بدایوں میں چھپتا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں نظامی مرحوم نے اپنا ”نظامی پریس“ قائم کر لیا تو ذوالقرنین بھی خود ہی نکالنے لگے۔ جسے انھوں نے کال انتالیس سال ملازمت غیرے نکالا۔ ۱۹۲۷ء میں انھوں نے اسے اپنے بیٹے مولوی امجد الدین کے سپرد کر دیا تھا۔

حضرت نظامی کی خدمات کا سب سے بڑا میدان ”صحافت“ تھا۔ صحافت کے ذریعے انھوں نے قوم و ملت اور ملک و وطن کے ان حمام میدانوں میں غلیم اٹھان خدمات انجام دیں جن کی صحافت کے ذریعے تو جمع کی جاسکتی ہے اور ہر میدان میں اپنا امتیاز پیدا کیا۔ ملک بکے عام اور مشترکہ مسائل میں قوم کی رہنمائی کی مسالوں کے تعلیم، تہذیبی سماجی، اقتصادی مسائل میں ملت کے رہنما بنے۔ پریس اور صحیفہ ذوالقرنین کے ذریعے ادبی و علمی خدمات انجام دیں۔ اردو کے مسئلے میں رہنمائی کی، ادب کے فروغ میں حصہ لیا، بک بزنس قائم کر کے صحت مند بنیادوں پر کاروبار کا نمونہ پیش کیا اور سب سے بڑھ کر شب و روز کی منت سے، اپنی سیرت اور اخلاق سے اور اپنی پوری زندگی کے عمل سے ملک و وطن اور قوم و ملت کی خدمات کی ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ ان کے حالات کے مطالعے سے بہت جلد متی ہے اور زندگی میں آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

”ذوالقرنین“ کے ذریعے انھوں نے آزاد قومی صحافت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ اسے اپنی تعلیم، سماجی اصلاحی تحریک کا ذریعہ بنایا۔ بھوکیش کا نفرنس کے مقاصد کے اجراء تعارف کا بہت بڑا ترجمان تھا۔ اس نے مل جل کر یونیورسٹی کے قیام اور اصلاح کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ اسے قومی اور ملکی مسائل میں اپنے نقطہ نظر کی ترجمانی اور ملی رہنمائی کا ذریعہ

بنایا۔ اسلامی اور سرکاری مدارس کے اہلکار کی تحریک کو اس کے ذریعے پروان چڑھایا۔ جج کیٹی اور سنی وقت بورڈ کی تحریک اور ان کی تنظیم و اصلاح اور حکومت کو ان اداروں کے مسائل کی طرف توجہ دلانے کا ذریعہ ذوالقرنین بنا۔ ذوالقرنین تحریک آزادی اور وقت کے مسائل اور قومی و ملی زندگی کی تاریخ اور اس کے نصف صدی کے نشیب و فراز کا بہت بڑا ماخذ اور نظامی مرحوم کے قومی، ملی، تعلیمی، معاشرتی اصلاحی افکار کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔

”نظامی پریس“ انہوں نے ۱۹۰۵ء میں قائم کیا تھا۔ بدایوں اگرچہ لاہور، دہلی، بمبئی، کان پور وغیرہ بڑے تجارتی اور علم و ادب کے مرکزوں کے مقابلے میں بہت چھوٹا اور غیر ترقی یافتہ شہر تھا لیکن کتابت اور طباعت کے معاملے میں نظامی مرحوم کا ذوق اتنا بلند تھا کہ وہ کسی دوسرے درجے کی چیز کو گوارا ہی نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے تنہا ہی دونوں میں اپنی محنت اور ذوق کی کار فرمائی سے اسے ہندوستان کا ایک بہترین پریس بنا دیا۔ اور غالب، رنگین و انشا، میر درد، جانی صاحب کے دواویں، انیس و دہر کے مرثیے، نظیر اکبر الہ آباد کی بعض نظمیں چھاپ کر اہل علم اور اصحابِ ذوق کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ حتیٰ کہ انجمن ترقی اردو اور دہرا مہنغین جیسے ادارے جن کی مطلوبہ صحت و زبان، حسن کتابت اور ثقافت، طباعت میں ہمیشہ معیار و مثال سمجھی جاتی تھیں، نظامی پریس کے کام کی نفاسنت اور عمدگی پر اعتماد کرنے لگے اور جب تک ان اداروں نے اپنے پریس قائم نہیں کر لیے اکثر نظامی پریس کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

قومی و ملی سیاست نظامی مرحوم کا اصل میدان نہ تھا، لیکن تعلیم، سماجی اصلاح، قومی معاشیات سے مصانفت کا ہمیشہ ایسا ارشاد ستوار رہا ہے خصوصاً لائی ورڈ کی قیام اور اس کی اصلاح کی تحریک کا قومی اور ملی سیاست سے اتنا گہرا تعلق رہا کہ ایک درد مند قلب اس سے بے نیاز رہ نہیں سکتا اور ایک قومی و ملی درد رکھنے والے صحافی کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اپنے قلم کو سیاست کی آلودگی سے محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ نظامی مرحوم کی زندگی میں ہم یہ مشاہدہ بار بار کرتے ہیں کہ انہوں نے ملی سیاست سے تعلق نہ رکھتے ہوئے بھی خاص سیاسی مسائل پر کھلم کھلا اور نہایت جرأت کے ساتھ اظہار کیا اور عکس و عمل طور پر قوم کی بہترین رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

خیال ہو سکتا ہے کہ تلامی مرحوم جو سرسید کی تعلیمیں تحریک اور اس کے مقاصد کے بہت بڑے مبلغ تھے اس لیے وہ سرسید مرحوم کے انداز سیاست سے بھی متاثر ہوں گے لیکن واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ دراصل انھوں نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں سرسید مرحوم کی برٹش استعمار پر شانہ سیاست کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ علی گڑھ کے طلبہ کا ایک خاما بڑا طبقہ ملک کی انقلابی سیاسی تحریک سے متاثر ہو چکا تھا اور کئی اولڈ بوا سے علی گڑھ کی سیاست سے بناوٹ کا بگل بھاچکے تھے اس لیے تلامی مرحوم سرسید کے انداز سیاست سے بہت کم متاثر ہوئے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ وقت کی کسی حریت پسند جامعیت یا انقلابی تحریک میں غافل ہو گئے ہوں لیکن ۱۹۲۵ء کے بعد انھوں نے صاف طور پر کانگریس خیالات کو اختیار کر لیا تھا۔ اور قوم پرست اور حریت پسند رہنماؤں سے ان کے تعلقات قریبی ہو گئے تھے۔ انھوں نے ذوالقرنین کے ذریعے حریت پسند قومی و ملی جماعتوں اور تحریکوں کے لیے زندگی کے فروغ کا سرو سامان فراہم کیا اور اپنے قلم سے ان کی اید اور حمایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ وہ آئنا دی کی تحریک اور ملک اور قوم کی تعمیر و ترقی کے لیے فرقہ وارانہ سیاست کو سخت معز اور ہندو مسلم اتحاد کو نہایت ضروری خیال کرتے تھے ان کی زندگی کے سیاسی مقاصد میں ملک کے امن اور باشندگان ملک کے باہمی اتحاد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

تعلیم کی اشاعت اور فروغ خصوصاً مسلمانوں میں اس کی اشاعت کے لیے وہ ہمیشہ بہت سب سے پیش رہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے اپنی بہترین ذہنی اور دماغی قابلیتوں اور قلم کی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ مسلمانوں کو وہ تعلیم کے حصول کے لیے اور حکومت کو اس کے لیے سرو سامان فراہم کرنے پر ہمیشہ توجہ دلاتے رہے۔ اس سلسلے میں وہ آل انڈیا مسلم کونسل کانفرنس کے کاموں میں برابر سرگرم رہے۔ پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کے وہ اٹھارہ سال تک جوائنٹ سکریٹری رہے، زندگی کے آخری دور میں کئی سال سے اس کے انری میجرٹری تھے۔ یہ تعلق محض رسمی نہ تھا۔ اس کے لیے وہ اخبار میں مضمون لکھتے، جس شہر میں جلسہ ہوتا وہاں کے لوگوں سے خط و کتابت کرتے، انتظامات کے لیے وہاں کا سفر کرتے، صدر، مقررین وغیرہ کے انتخاب میں حصہ لیتے، پھر جلسے کی تاریخوں سے کئی کئی دن پہلے وہاں پہنچ جاتے اور انتظامات کی خود نگرانی کرتے، فرار دلان

کے سودے تیار کرتے، ان کے مجوزین اور مؤیدین کی فہرستیں بناتے، جلسے کو کامیاب بنانے کے سبب جتن کرتے اور جلسے کے بعد اس کی قراردادوں اور فیصلوں کو موثر بنانے کی مہم شروع کر دیتے اور سرکاری و غیر سرکاری متعلقہ اداروں کے پیچھے پڑ جاتے۔

۱۹۱۶ء میں ہایوں میں مسٹن اسلامیہ ہائی اسکول قائم ہوا، اُس کے قیام میں سب سے زیادہ حصہ انہی کی کوشش کا تھا۔ وہ اس کے دوامی ٹرسٹی تھے اور مختلف اوقات میں اس کے پریسیڈنٹ، وائس پریسیڈنٹ، جوائنٹ مگرٹری اور سکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بریلی اور اٹاوا کے اسلامیہ کانجوں کے ٹرسٹی بھی تھے اور ان کی ترقی و اصلاح کے کاموں میں بہت دل چسپی لیتے تھے۔ اسلامی مکتب کھولنے کی تحریک کو پروان چڑھایا اور حکومت کی جانب سے ان کی امداد کے لیے کوششوں کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔

محمد احمد کانس کی "تالیف" "تقلائی ہایوں" کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی عام پبلک خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا اور بلا لحاظ مذہب و ملت وہ ہر کسی کی خدمت کے لیے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا چارٹر منظور کر لینے کی تحریک میں نہایت شوق سے حصہ لیا، زبان و قلم سے اسے کامیاب بنانے میں سی کی۔ ذوالقرنین اس کا نہایت موثر ذریعہ تھا۔ مالی مدد کی ضرورت پڑی تو اس میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ لیکن جب بعض اصحاب کا رویہ توقعات کے خلاف پایا تو کھل کر ان کی مخالفت کی اور جب وہ وعدے پورے ہوتے نہ دیکھے جو چارٹر کے مؤیدین نے کیے تھے اور اندازہ ہوا کہ یونیورسٹی کی منظوری قومی آزادی کی تحریک سے علاحدہ رہنے کے وعدے پر دی گئی تھی تو پھر ان کے قلم نے کسی کی رو دغاہیت نہ کی۔ لیکن چوں کہ چارٹر کی منظوری کی تحریک میں ان کے اخلاص کو استعمال کیا گیا تھا، وہ اس معاملے میں غلط اور بے عرض تھے، اس لیے یونیورسٹی کے ارباب بہت وکشادان کی کڑوی کیسی باتیں بھی خاموشی سے سنتے تھے۔ وہ مدد و داریک یونیورسٹی گورنر کے ممبر رہے۔ یونیورسٹی کے معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت بھی دی جاتی تھی۔

ایک زمانے تک یورپی میں جج کیٹ نہ تھی اور یورپی کی شایعین دزائیرین کو اجنبی کے
تعداد ملک کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی، معلومات کی فراہمی اور
رہنائی میں بڑی مشکلات پیش آتی تھیں اور بہت وقت ہر بار ہوتا تھا۔ نظامی مرحوم نے
یورپی جج کیٹ کے قیام کی تحریک میں حصہ لیا۔ اس کے قیام میں ان کی کوششوں کا بڑا حصہ
ہے اسی طرح سنہ ۱۸۷۱ء کی تحریک کو بھی ان کے پرورد قلم سے بڑی تعزیرات پہنچی اور
اوقات کے انتظام کی اصلاح میں ان کے انکار و خیالات سے بہت فائدہ اٹھایا گیا۔

حضرت نظامی محض ایک صحافی نہ تھے جو وقت کے مسائل پر اپنی کوئی رائے ضرور
ظاہر کرتا ہے اور اس طرح گویا اپنے صحافی ہونے کا فرض پورا کر دیتا ہے، نظامی مرحوم
ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ اگر ذوالقرنین کی جلدیں نہ بنیاں نہ پید ہو جاتیں اور کسی
مورخ اور محقق کی دست رس میں نہ رہیں تو ان کی علمی، ادبی، تاریخی، سماجی، مالیات و
تعلیمیات ان کی حیات، جاوید کی ضمانت ہیں۔ ذوالقرنین کے نظامی خبر اور محمد احمد کاٹس
کی تالیف ”نظامی بدایونی“ میں دو درجہ سے زیادہ ان کی تالیفات و تعلیمات کی
فہرست دی گئی ہے۔ ان میں چند خاص یہ ہیں۔

انقلاب دہلی، بدایوں - قدیم و جدید، سیرۃ الحمید، سیاست دلی مہد اولیٰ
سیاست دلی مہد دوم، قاموس الشاہیر دو جلد، قومی حکومت کی کہانی،
مسلم اوقات کا قانون، کارنامہ رام پور، گلستہ دکن و میرہ۔

مسی خدات کے اعتراف میں حیدر آباد دکن سے ان کے لیے سو روپے کا
ذلیفہ مقرر ہو گیا تھا، جو ان کے انتقال تک انہیں ملتا رہا۔

حوشوی صبح امید (۱۸۹۶ء) کے علاوہ سنہ ۱۸۹۳ء میں ”تہلیات سخن“ کے نام سے ان
کی نظموں کا مجموعہ بھی شائع ہوا۔ اس کے بعد بھی یہ شغل جاری رہا حتیٰ کہ ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء
کو وہ زندگی کی آخری بیماری میں مبتلا ہوئے تو وفات سے صرف تین دن قبل ۵ جون کو
انہوں نے اپنی پوتی قیصر جہاں کے لیے ”فلسفہ شادی“ کے عنوان سے ایک نظم کہی جس
و شادی ۲۰ جون کو ہونا قرار پائی تھی۔ ان کا کلام زبان کی صحت، سادگی اور جذبات کی
پجائی کا بہترین نمونہ ہے۔ حقیقت پسندی اور جذبہ اصلاح کی کارفرمائی کلام میں صاف
ظہر آتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ان کا غیر مرتب کلام بھی مرتب کر کے چھاپ دیا جائے یا

”تجلیات سخن“ میں اناثر کر کے اس کا ایک نیا ایڈیشن تیار کر دیا جائے۔

علمی و علمی زندگی کے مختلف دائروں میں ٹھوس علمی خدمات انجام دینے اور شب و روز قوم و وطن اور ملک و ملت کی رہنمائی کے کاموں کے ساتھ ساتھ وہ نہایت پُر زور شخصیت کے مالک تھے۔ بڑے زندہ دل، یار باش، مجلس طراز، بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے۔

علم و عمل سے ان کی بھرپور اور کامیاب زندگی کا ایک لازمی حصہ تھا کہ انھوں نے زندگی کو اپنے لیے ایک بوجھ نہ بنایا تھا۔ وہ تمام کاموں کو ایک دل چسپ مشغلہ سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ اس لیے وہ کاموں سے اکتاتے نہ تھے اور سیر و تفریح میں زندگی کا فرار نہ ڈھونڈتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی تفریح ان کے احباب کا ”جہل مرکب“ تھا۔ اس جہل مرکب کو بے تکلف احباب کا مجمع کہیے یا زندہ دلوں کی انجمن، ہوتا یہ تھا کہ جب کس کا نفرنس کے لیے شب و روز کی محنت اور اعصاب کو تھکا دینے والے ہنگاموں سے فارغ ہوتے تو سب دوست ایک دوسرے کی اور خود اپنی بھی غلطیوں، حماقتوں، بے وقوفیوں اور بدحواسیوں پر گفتگو کرتے، تنقید کرتے اور ایک دوسرے کے لیے تفریح کا سامان فراہم کرتے، اعصاب کو سکون پہنچاتے، کاموں کی تکان دور کرتے اس طرح تفریح و تفریح کے ساتھ استسباب و تنقید اور خود احتسابی کا ایک عظیم الشان عمل انجام پاتا اور اس کے بڑے فوائد ہوتے۔ دراصل یہ عنوان ”جہل مرکب“ فرزانوں کی یہ انجمن تھی اور اس کے سراپا تعدس ارکان تھے:

”حضرت نظامی، مولانا طفیل احمد شگلوری، میرنثار حسین، میرجعفر حسین۔

خان بہادر بشیر الدین، میر محمد حسین، صاحبزادہ آفتاب احمد خان، ڈاکٹر

ضیاء الدین، میر ولایت حسین، مولوی جلیب اللہ خاں، انوار احمد

غیر ہم“

ان حضرات کی شکلیں دیکھیے تو ماشاء اللہ سب کے چہروں پر مختلف وضع کی خوبصورت دائر حیاں ہیں، وضع پر نظر ڈالیے تو یوپی کے شرفا کے لباس میں لباس، گمان کیجیے تو وقت کے علم و نقباء کی کسی مجلس کا تصور ذہن میں آئے اور نام دیکھیے تو ”جہل مرکب“ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے۔ اب ان میں سے کوئی بھی اس دنیا میں موجود نہیں۔

ایک اور انجمن ”اتحاد الصفا کے نام سے شاہجہاں پور کے قیام کے دوران میں وہاں قائم کی تھی۔ مولانا فیصل احمد مولوی بہہ احمد اور حضرت نظامی مرحوم اس کے رکن رکن تھے۔ اس کے دیگر ارکان میں شاہجہاں پور کے اور مولانا نظامی مرحوم کے زمانہ ملازمت و قیام شاہجہاں پور میں دوسرے افلاخ کے حضرات میں، جو شاہجہاں پور میں ملازمت یا کسی اور وجہ سے مقیم تھے، یہ نام ملتے ہیں:

”مولوی مہداللطیف خاں بریلوی، اکبر علی تھانوی (مولانا اشرف علی تھانوی کے بڑے بھائی)، شاہجہاں پور کے حاجی محمد سعید خاں، مولوی مسیح احمد، منشی فخر الدین خاں، مولوی احمد زماں خاں وغیرہم“

ان کے دوستوں میں مولانا فیصل احمد منگلوری جو ایک جان دو قالب کی مثال تھے، کی نظامی مرحوم سے پہلی ملاقات شاہجہاں پور ہی کی مقدس سرزمین پر ہوئی تھی جہاں وہ مرزا پور سے بہ سلسلہ ملازمت تبدیل ہو کر آئے تھے۔ یہ ملاقات ایسے تاریخی اور مبارک ثابت ہوئی کہ ان کے دوستانہ تعلقات میں ۱۹۴۷ء میں حضرت منگلوری کے انتقال تک فرق نہ آیا۔ ان کے انتقال کا نظامی مرحوم نے اتنا اثر لیا کہ شاید کسی کے انتقال کا یہ ہو! ۲۸ مئی ۱۹۴۷ء کو انھیں بھارا آیا۔ دس گیارہ روز علالت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۸ جون کو ان کا انتقال ہو گیا۔ وطن ماتم و مولد ہی ان کا۔ من بنا۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔

مرحوم نماز روزے کے پابند اور شرق کی اعلیٰ تہذیب و اخلاق کا نمونہ تھے۔ وضع دار تھے، تعصب سے دور و نفور کشادہ دل، وسیع النظر، خوردوں پر رحم و شفقت اور بالفاظ مذہب و لغت ہر کسی کی خدمت کرنے والے شخص تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل فرمایا تھا اور سعید و صالح اولاد سے بھی فائز تھا۔ زاہرہ خاتون اور امینہ خاتون دو بیٹیاں، مولوی امجد الدین نامی ایک بیٹے اور بہت سے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں یا دو گار و سو گوار چھوڑیں تھیں۔

مولانا علامہ سید سلیمان ندوی کے عزیز شاگرد، ندوہ کے فارغ التحصیل، بہار کے ایک خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت کر کے مشرقی پاکستان چلے گئے تھے۔ وہ ایک اچھے ادیب اور صحافی تھے۔ روزنامہ جنگ، کراچی کے ڈھاکہ میں نمایندہ تھے۔ انھن ترقی اردو، ڈھاکہ سے بھی تعلق تھا۔ مشرقی پاکستان میں ان کا شمار اردو کے خادموں میں ہوتا تھا۔ غالباً دسمبر ۱۹۶۹ء میں ڈھاکہ میں انتقال ہوا۔ ماہر القادری مرحوم نے جنوری ۱۹۷۰ء کے قادیان میں پریسلسٹ "یادِ رنگاں" ان کا ذکر کیا ہے۔

ہمایوں مرزا

ہمایوں مرزا دسمبر ۱۹۱۷ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام سید الفت حسین شاہ خریاؤ تھا۔ شاد و عظیم آبادی نے ان کی سوانح مری لکھی ہے۔

ہمایوں مرزا کی اردو، فارسی، عربی کی تمام تر تعلیم گھر پر ہوئی۔ پٹنہ ٹریگ اکیڈمی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر انگلینڈ چلے گئے اور نومبر ۱۹۴۲ء میں بیرسٹر ہو کر وطن لوٹے۔ جنوری ۱۹۴۵ء سے بہ حیثیت ایڈووکیٹ کلکتہ ہائی کورٹ میں وکالت کا آغاز کیا۔ لیکن اس سال وہ حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں کی ہائی کورٹ میں پریکٹس کا آغاز کیا۔ وہیں انھوں نے ڈاکٹر صفدر علی مرزا کی بیٹی صفرا بیگم جیٹا سے ۱۹۴۷ء میں شادی کر لی اور پھر حیدر آباد کو انھوں نے ہمیشہ کے لیے اپنا وطن بنالیا۔ حیدر آباد میں انھوں نے ایک پرنٹنگ پریس قائم کی۔ علمی و تہذیبی زندگی گزاری۔ کئی علمی اتھنڈیاں ادارے قائم کیے۔ بہت سے اداروں سے ان کا تعلق رہا۔

انھوں نے اپنی بیوی صفرا کے ساتھ بیرون ملک اور ملک کے مختلف تاریخی مقاموں متعدد شہروں کی سیاحت کی۔ نقوش کے آپ جی ہمبر (۲۰) میں ہمایوں مرزا کی ۱۹۳۷ء تک کی خود نوشت موجود ہے۔

مرزا صاحب کو اپنی بیوی سے اور بیوی کو ان سے بہت محبت تھی ۱۹۲۸ء میں حیدر آباد میں ان کا انتقال ہوا۔ ہمایوں نگر کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کرایا جو ان کی محبت کی یادگار ہے۔

مطبوعات مولانا آزاد صدی

مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ جشن پیدائش کی تقریب میں مولانا مرحوم کی شخصیت و انکار اور عہد پر علمی، ادبی، تاریخی مطالعے اور جائزے بر عظیم پاک و ہند کے ممتاز اہل علم اور اصحاب فکر کے قلم سے

- ۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد (شخصی مطالعہ): لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت اور افکار و خدمات کے بارے میں مصنف کا مطالعہ اور جائزہ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۲۔ تمام اہم مولانا آزاد: لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا کی سب سے بہت شخصیت، خاص کر، کمالی افکار و جذبہ، خاص سیرت اور ان کے علمی و عملی کرداروں کا تعارف۔ صفحات: ۲۴۳، قیمت: ۸۰ روپے (بھرا)
- ۳۔ لورڈ کاننگ: لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد سے متعلق مصنف کے مطالعے، افکار، خدمات، کلام و ترجمے اور دونوں کے مابین مرسلت کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۴۔ لورڈ کاننگ: لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد کے علمی، ادبی، لسانی اور راج کے عین مطالعہ اور مضامین کے بارے میں جسکی تفصیلات کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۵۔ ابوالکلام آزاد: مرحوم عبد اللہ۔ مولانا آزاد کے مضامین، علم و سیاست کے مضامین کا مجموعہ۔ پہلی افادت: ۱۹۳۳، صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۶۔ آئینہ ایک ابوالکلام آزاد (انگریزی): مرحوم عبد اللہ۔ مضامین و مضامین علم و سیاست کے مضامین کا مجموعہ۔ کراؤنڈی ایڈیشن۔ ابوالکلام آزاد کے ساتھ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۷۔ مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت، سیرت اور کردار): لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد کی سیرت اور علمی، ادبی و سیاسی خدمات، ترجمے اور فکر۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۸۔ ابوالکلام آزاد: ایک مطالعہ: مرحوم عبد اللہ۔ مولانا آزاد کی شخصیت اور بہت خوبصورت ادب۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۹۔ ابوالکلام آزاد: ایک مطالعہ: مرحوم عبد اللہ۔ مولانا آزاد کی شخصیت اور بہت خوبصورت ادب۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۱۰۔ لورڈ کاننگ: لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد کے علمی، ادبی، لسانی اور راج کے عین مطالعہ اور مضامین کے بارے میں جسکی تفصیلات کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۱۱۔ لورڈ کاننگ: لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد کے علمی، ادبی، لسانی اور راج کے عین مطالعہ اور مضامین کے بارے میں جسکی تفصیلات کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)
- ۱۲۔ لورڈ کاننگ: لاؤنڈرگز فیر، بہادر خان پتی۔ مولانا آزاد کے علمی، ادبی، لسانی اور راج کے عین مطالعہ اور مضامین کے بارے میں جسکی تفصیلات کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۲۵ روپے (بھرا)

- ۳۰ مولانا حسرت سہلانی۔ مجاہد آزادی کامل: لا شعقت، روضی۔ مکمل گزارش کے لیے مولانا حسرت کی مجاہد۔ سرگزشت مع ۱۹۹۰ء کا سہ ماہیہ خطہء مدبریت (مکمل)۔ صفحات: ۳۳۳، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۱ سر کھرواں مولانا ہم الکلام آزاد: از ڈاکٹر ریاض الرحمن شرانی۔ مولانا آزاد کی زندگی، سیرت اور افکار و خدمات کے مطالعے سے مطالعے اور تحقیق کا حاصل۔ صفحات: ۳۳۳، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۲ مولانا ہم الکلام آزاد اور ان کے معاصرین: مرتبہ ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ نو معاصر مطالعہ سے مولانا آزاد کے تعلقات و روابط کی داستان اور افکار و سیرت کا سفر۔ صفحات: ۱۷۸، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۳ شیخ الہند مولانا محمود حسن دہلوی۔ ایک سیاسی مطالعہ: از ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ شیخ الہند کی سیاسی خدمات پر تبصرہ اور سیاسی عظمت، فہموں اور خط و کاغذ۔ صفحات: ۱۷۸، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۴ ادارت آزاد: مرتبہ ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ ادبی و مذہبی استقامت کے جامات و ملامت کا فکر و تجربہ۔ تصنیف و تالیف آزاد و مدی اچھے ہیں۔ صفحات: ۳۰۰، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۵ تحریک ہجرت: از ڈاکٹر حسین الدین عقیل، مرتبہ: طاہر حسین خان۔ ۱۹۲۰ء میں برعظیم پاک و ہند سے ہجرت افغانستان کی تاریخ اور افکار و خدمات پر بحث۔ ایک عظیم قومی عمل کی عبرت انگیز روداد۔ صفحات: ۱۷۳، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۶ شیخ الاسلام مسام الدین تیسرہ: از ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ ساتویں صدی ہجری کے عظیم محدث، مبلغ، مجدد اور مجاہد کی زندگی اور فکر و عمل کا ذکر۔ صفحات: ۱۷۶، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۷ مولانا ہم الکلام آزاد کی صحافت: از ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ مولانا آزاد کی صحافت کے عناصر اور خدمات کا جامع تذکرہ۔ اخبارات کے مطالعہ کے مطالعے۔ صفحات: ۲۳۳، قیمت: ۶۵ روپے (مجلد ۱)
- ۳۸ ایک ملی خاندان: از شعقت روضی۔ مولانا آزاد، ان کے والد، بھتیجے، برادر بزرگ، اہلیہ، خسر اور برادر۔ سبکی کے حالات اور ملی اور ملی خدمات کا ذکر۔ صفحات: ۳۶۶، قیمت: ۷۰ روپے (مجلد ۱)
- ۳۹ مولانا ہم الکلام آزاد (انبار و افکار): مرتبہ و ملاحظہ پروفیسر محمود واجد پاشی۔ مولانا آزاد کے خاکر و ایم ای ذکر کے نام مولانا کے خط و مولا نا سے متعلق فلمی اور انٹرویو مع تبصرہ۔ صفحات: ۵۵، قیمت: ۴۰ روپے (مجلد ۱)
- ۴۰ اور سلطان آزاد: مولانا ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ مولانا آزاد کا کلام اور ۱۹۲۰ء تک کے دستیاب شدہ مطالعہ کا مجموعہ۔ مع تنقید و تبصرہ۔ صفحات: ۵۵، قیمت: ۵۵ روپے (مجلد ۱)
- ۴۱ ایڈیٹورس فریڈم (انٹرویو): از ہم الکلام آزاد، رادیو پروفیسر جمیل کبیر، مترجم: محمد مجیب، تکمیلی ترجمہ جس میں صفحات اور حاشیہ و مقدمہ از ڈاکٹر ہم سلطان شاہجہاںپوری۔ صفحات: ۳۳۸، قیمت: ۷۰ روپے (مجلد ۱)

مکتبہ شاہد

ملک باریغ ملت الیمینہ ہندوستان کے ایک ہم دور کی سب سے مستند قلمی حوالہ

مولانا محمد علی اور اُن کی صحافت

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاںپوری کے قلم سے

مولانا محمد علی صاحب عزا دایب خلیفہ سیاستدان سب کچھ ہی تھے
لیکن

اُن کے ذہنی و فکری کمالات کا انہماک زیادہ صحافت میں ہے
کامریڈ اور ہمدرد کے اجراء کی تاریخی سرگزشت
کامریڈ اور ہمدرد میں قائم کرنے والے اہل مسلم اور کارکنوں کے حالات کا مرقع

اور
کامریڈ اور ہمدرد کے مقالات افتتاحیہ اور ہمدرد کے تمام اہم مشغول اشارے

اس آئینے میں آپ وقت کے اہم مسائل ملکوں اور ہندوستان کی سیاسی اہماتوں کے انکار اور برکت کے حقیقی فو مال کیونکے
شہر و آستانہ کا رسوائی و جفا و ستم اور تاریخ ملک و قوم کے ہر پہلو

مولانا محمد علی کے افکار و سوانح پر تصلیف و تحقیق
کے لیے سوال کی ایک ناگزیر کتاب

سید کاغذ

مجلد

قیمت ۶ روپے

مکتبہ شاہد

علی گڑھ کالونی - کراچی ۵۸۰۰



9/1, Allgarh Colony,
Karachi-75800.